عالمی تہذیبیں
اور
ہم جنس پرستی
(Homosexuality & Civilization)

مصنف: لویس کرومپٹن

ترجمہ : محمد مظاہر

فہرست

پیش لفظ

اس کتاب کا خیال اس ابتدائی کورس کی وجہ سے کوندا جو ہم جنس پرستی پر ہو رہا تھا اور جسے بہت دن ہوئے میں نے ۱۹۷۰ء میں منعقد کرنے میں مدد کی تھی۔ اس ذمہ داری کا بوجھ مجھے یاد دہانی کراتا رہا کہ ہم جنس پرستی بلاشبہ —— یعنی خاموش گناہ تھا کیونکہ اس نے ایک قانون ساز شخص کو اس پر اکسایا کہ وہ ایک قانون کا مسودہ تیار کرے جس سے اس قسم کی علمی مساعی پر پابندی لگ جائے۔ قانون سازی کے لئے پیش ہونے والے دلایل سے اس موضوع پر ہر قسم کی گفتگو کی ریاستی اداروں میں ممانعت ہو جاتی سوائے ریاستی میڈیکل اسکولوں کے۔ اس کے پاس ہونے میں ناکامی ہوئی مگر یہی راستہ دوبارہ نہ اختیار کیا گیا۔ اگرچہ اس کا زور شہری معذوریوں اور پھر معروف نفسیاتی نظریات سے تھا۔ جس مخالفت کو اس نے پیدا کیا اس نے مجھے قایل کر دیا کہ تاریخی تحقیقات کی ضرورت تھی تا کہ اس ممانعت کی صحیح قوت کا اندازہ لگایا جا سکے جو ہم جنس پرستی کی پیدا کردہ ہے۔

میرا اصل منصوبہ تو یہ تھا کہ اس مذہبی عقیدے کا سراغ لگایا جائے جس نے قرون وسطی میں یورپی رائے عامہ بنانے میں اور تعزیراتی نتایج کے تشکیل دینے میں ہاتھ بٹایا۔ لیکن شروع میں یہی مناسب لگا کہ کام کا آغاز یونان اور روم سے ہو۔ جس سے صرف یہی واضح ہوتا کہ ایسے منفی خیالات پوری انسانیت پر منطبق نہیں کئے جا سکتے۔ یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ کس قدر ضخیم ادب یونانی شاعری کی صورت میں، سوانح عمریوں کی شکل میں، تاریخ کی کتابوں میں اور فلسفیانہ مباحث کی شکل میں۔ اس فراوانی نے کینتھ ڈوور نے ارض کشا مطالعے (۱۹۷۸ء) کو ممکن بنایا، یہ اگرچہ مفید تھی مگر اپنے نقطہ نظر میں تنگ تھی

خصوصاً پراچینی ظروف اور ایسے کلاسیکل مصنفین کی حد تک جیسے افلاطوںؔ اور اریسٹوفینز۔ اس مواد نے فی الفور دو ابواب کو بھر دیا اور بچے کھچے سے دو باب اور لبریز ہو گئے —— جو روم اور ابتدائی مسیحیت پر تھے —— چونکہ یونانی دستاویزات جو محض کلاسیکل عہد ہی تک محدود نہ تھیں وہ المضاعف نکلیں اور بعد کے عمومی عہد تک مالا مال تھیں۔

بیٹ ورسٹریٹؔ کا کام جو ہم جنس پرستی اور روم میں غلامی پر تھا اس نے اس تمدن کے متعلق نہایت مفید سراغ بہم پہنچائے ، لیکن جون بوسویلؔ کا ابتدائی مسیحی رویوں پر مطالعہ یوں لگتا ہے جیسے سوالات منہ کھولے ہوں۔ بوسویلؔ کا پورا نظریہ اگر مختصراً بیان کیا جائے یہ تھا کہ مسیحی کلیسا نے کسی بھی قسم کے ہم جنس پرستی کے رشتوں کے خلاف نظریہ جو نمایاں اور جارحیت آمیز ہو بارہویں صدی تک نہیں وضع کیا تھا۔ لیکن ایک صاف قسم کی چھان بین جو شہادتوں پر کی گئی وہ یہ بتاتی ہے کہ مسیحیت کی پیدائش ہی سے اس میں ایسی نفرت پائی جاتی تھی جس کا موازنہ اس تنفر سے کیا جاسکتا ہے جو ناستکوں اور یہودیوں سے پہلے ہزاریے میں اور بدعتیوں، یہودیوں اور جادوگرنیوں سے دوسرے ہزاریے کی پہلی سات صدیوں میں ہوا۔ یقیناً نتیجے میں جو اموات ہوئیں وہ اس معاملے میں کم تھیں لیکن خطیبانہ اشاریے پر تشدد تھے وہ بھی انتہا کی حد تک اور اس قدر سرد اور بضد کہ موت کی سزا نافذ ہو جائے۔ بوسویلؔ کی کتاب جس میں موثر علمیت بھی ہے اس نے ''گے'' تاریخ کو قانونی بنوانے میں بہت مدد کی۔ اور اس کا کام جو رومن کیتھولک کے گروہی وقار کے متعلق ہے قابل تعریف حد تک جرأت مندانہ ہے۔ لیکن اس کا تواتر سے شہادتوں کو تسلیم نہ کرنا جس سے اس کے لکھے ہوئے نظریے کی تردید ہوتی چلی جاتی ہے جو اگرچہ ہنرمندی کا مظاہرہ ہے مگر یکے بعد دیگرے قایل کرنے میں ناکام رہتی ہے۔

ڈیوڈ گرین برگؔ کا وسیع و عریض سماجی تجزیہ جو پراچینی عہد تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن گرینؔ برگ اگرچہ بوسویلؔ کے خیالات میں شامل نہیں ہوتا جو ابتدائی مسیحیت پر ہیں لیکن وہ یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ ان قوانین پر خامہ فرسای کرے جو داروگیر پر ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے زمانے کے تاریخی شعور میں ایک سکتہ سا آ گیا۔ جدید دنیا اس امر سے آگاہ ہے کہ مسیحیت کے نام پر کون سے غلط کام کئے گئے ہیں جن کا ارتکاب کرنے والوں میں صلیبی

جنگیں لڑنے والے اور مسیحی عدالتوں کے اہلکاران، اوران کے ہولناک اثرات زمانہ ماضی میں اور آج ، کلیسائی صیہونیت دشمنی اور وہ ظلم و وحشت جس کا ارتکاب دونوں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نے مذہبی جنگوں میں یکساں انداز میں کیا۔لیکن ہم جنس پرستوں کے خلاف مہم جو اگر چہ کبھی کبھار ہوتی وہ بھی وحشت ناک ہوسکتی تھی جس پر کم ہی توجہ دی گئی۔ سجھائی نہ دینا اور چپ سادھے رہنا ممکن ہے اس سے کچھ عافیت حاصل ہوئی ہو لیکن ناگزیر طور پر انہوں نے دستاویزات میں خلا چھوڑ دیا۔ ایک جدید مثال ملاحظہ فرمایئے۔ ہزاروں ہم جنس پرستوں کو نازی کیمپوں برائے موت کے حوالے کر دینا اس سلسلے میں سب کچھ ہوا سوائے انگریزی گو دنیا میں چرچا کے، وہ بھی ہٹلر کے زوال کے کوئی تیس سال بعد یہ ممکن ہوا۔ آج رومن کیتھولک کلیسا اس میں شریک کار بنا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ ''مصالحت'' ہوجائے ان گروہوں سے جنھوں نے ماضی میں ابتلا میں وقت گزارا ہے ایسوں کے دست نگر ہوکر'' یا تو جو پیدا ہوئے تھے یا پھر ان کے نام مسیحی تھے'' اور وہ مورخوں سے چاہتے ہیں کہ پہلے قدم کے طور پر سچ کو عریاں کر دیں۔ یہ کتاب یہ کوشش کرتی ہے دیگر چیزوں کے علاوہ کہ ہر بات کی دستاویز پیش کر دی جائے کہ کس طرح مذہبی تنظیموں نے ماضی میں ان مردوں اور عورتوں سے کس طرح سلوک کیا جن پر ہم جنس پرستی کا الزام لگا۔

قرون وسطی میں خونخوار قوانین پاس کیئے گئے۔ اور یہ سب اہل کلیسا کی شہ پر جس کے نتیجے میں لوگ جلائے گئے، سر قلم کیئے گئے، ڈبوئے گئے اور مردوں کو خصی کیا گیا'' اغلام باز'' سدوم کی نہایت وسیع تفسیر کے تحت اور دیگر انجیلی عبارتوں کے تحت ان پر ایسے تباہ کن الزامات عاید کیئے گئے جیسے طاعون، زلزلے، سیلاب، قحط سالیاں اور یہاں تک کہ لڑائیوں میں شکست، چیٹی والی کارروایاں بھی اسی طرح ملامت کا نشانہ بنیں اور عورتوں کو پھانسی اور دیگر سزائیں ملیں۔ ہم اس وقت اطمنان کا سانس لے سکتے ہیں کہ ان وحشیانہ چیزوں سے نجات مل چکی ہے اور گہرا خوف اور نفرت جو پیدا ہو چکا تھا جب کہ اس کی ہم زمانی تہذیب جو چین اور جاپان میں تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تینوں ابراہیمی مذاہب کے علاقہ اختیار کے باہر ایک ہی جنس والوں کے درمیان رشتوں کو تسلیم کیا جا سکتا تھا اور کبھی کبھی اعزاز بخشا جاسکتا تھا اور یہ بعد از کلاسیکل زمانے میں۔

یورپ میں قرون وسطی کے اتحاد نے جگہ خالی کر کے نشاط ثانیہ کے ذریعے قوم کا تنوع پیدا کر دیا لیکن تعصّبات اتنے ہی سخت رہے۔ کیتھولک ممالک میں سولی اور پھانسیاں اپنے عروج کو پہنچ گئیں۔ اطالیہ میں وینس اور فلورنس جیسے شہروں میں ''لونڈے باز پولس'' قائم ہوئی جس کا کام شکار کا کھوج لگانا تھا۔ اسپین میں آراگون کی کلیسائی عدالت، کٹالونیہ اور والینشیا نے زور شور سے شہری صاحباں اختیار کی دستگیری کی اور فرانس میں جن مرد اور عورتوں کو اشرافیہ کو حاصل مراعات نہ میسر تھیں انہیں تسلسل کے ساتھ جلا دیا جاتا یا پھر سولی دی جاتی۔ اس کے باوجود اپنے قانونی اور کلیسا سے منسوب عہد دہشت کے آج ہم اس قابل ہیں وہ بھی پراچینی عہد سے لے کر پہلی مرتبہ کہ ہم سراغ لگا ئیں ان چند تفصیلات کی جو ان افراد کی ہو کہ ان کی پوشیدہ جذباتی زندگی کیسی گزری جنہیں اپنی ہی جنس والوں سے عشق تھا۔ اطالیہ میں وہ فنکاران جنہوں نے خطوط اور نوٹ بکس چھوڑیں کہ جو سوانح نگاروں کو پرکشش لگیں گی اور فرانس میں ممتاز شرفاء، پادری اور فوجی رہنما جن کا عشق رسوا کن انداز میں بیان کیا گیا جو ذاتی یادداشتوں اور یادوں میں نمودار ہوا۔ یہ بنا امکان کہ ان رشتوں کو بغور جایزہ لیا جائے یہ سب حکمران شاہی پر منحصر ہے جن کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ اور اقدام لازماً محفوظ کر لیا جاتا ہوگا اور جن کی انتہائی ذاتی خط و کتابت ممکن ہے بطور ریاستی دستاویزات کے محفوظ کر لی گئی ہو۔

ان میں سے چند مردوں اور عورتوں ۔ لیونارڈو، مایکل اینجیلو، کرسٹوفر مارلو، فرانسس بیکن، ملکہ کرسٹینا، ولیم سوم، تھومس گرے، فریڈرک اعظم —— ایسے افراد تھے جن کی کامیابیاں کسی بھی پیمانے سے قابل ذکر تھیں۔ دیگر کے لئے جیسے ایڈورڈ دوم اور ہنری سوم قومی امور کے مرکز میں ان کی حیثیت تھی ان کے مقدر نے آخر میں المناک انجام دکھایا۔ چند ایک جیسے لوئیس۔ ہشتم اور ملکہ این متوسط قابلیت کے لوگ تھے جنہیں تاریخ نظر انداز کر دیتی اگر ان کے سر پر تاج نہ سجتا۔ لیکن جدید تحقیق ہمیں اس کا اہل بناتی ہے کہ ہم چند تفصیلات کو سمجھیں جو ہم جنس پرستی کا کردار ان کے متنوع انجام کے طے کرنے میں تھا، جب وہ حکمران تھے اور اپنی عہد حکومت کی سیاست میں شریک تھے۔ بالآخر ہم خاموشی کی حیرانی سے نکل سکتے ہیں۔

کوئی بھی جو اس کی کوشش کرتا ہے کہ ہم جنس پرستی کی کہانی کہے تو اسے مایوس کن حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سیفو کو چھوڑ کر اور چند لوشین اور مارشیل کے مختصر حوالوں کے چپٹی کھیلنے والیاں بہ مشکل کلاسیکی دنیا کے ادب میں نظر آتی ہیں۔ اگرچہ قرون وسطی میں وہ سب مذہبی ذلت و رسوائی کا نشانہ بنتی ہیں صرف سترہویں صدی میں ان کی مکمل تصویر کشی ممکن ہوئی جیسا کہ ملکہ کرسٹینا کا معاملہ ہے اور یہ سب اٹھارہویں صدی کے آخر میں ہوسکا جب سماجی گروہ دکھائی دینے لگے۔ بے شک یہ سب گذشتہ تین دہائیوں میں ممکن ہوا ہے جب وہ اسٹیج پر اتنی تعداد میں نظر آنے لگی ہیں جتنے تقریباً ان کے مرد مثیل ہیں۔ اگرچہ ۱۸۰۰ء سے پہلے مقابلتاً کم تعداد نے تاریخ کے صفحات میں کم جگہ پائی مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ انہیں یوں خارج نہ کیا جانا چاہیئے اگر ہمیں چاہیے کہ ہم یہ دکھائیں کہ انہوں نے اتنی ہی مذہبی بدسلوکی جھیلی ہے جن میں درشت قوانین سماجی مقاطعہ جتنا کہ ہم جنس پرست مردوں نے برداشت کیا۔

تہذیب کی تاریخ تو یہ ظاہر کرتی ہے کہ کتنے مختلف رنگ میں ہم جنس پرستی کو مختلف زمانوں اور تمدنوں میں دیکھا اور فیصلہ کیا گیا۔ کلاسیکل یونان میں مردانہ عشق ایسی وابستگیاں رکھتا تھا جو عوامی روم سے متصادم تھیں۔ یونانیوں میں اس سے جنگ میں جرأت کو وابستہ کیا جاتا تھا، فلسفیانہ اور معتبر صلاح کاری میں اور جمہوریت کے دفاع کے لئے جب کہ اہل روم میں جہاں خوبصورت غلام جوان اور مردانگی گنوا دینی والی بے توقیری جھیلتے۔ عرب اسپین میں اور قرون وسطی کے فرانس میں تصورات متضاد تھے اور وہ بھی اساسی طور پر۔ اول الذکر میں مردوں کے درمیان عشق ایک رومانی امکان تھا اور وہ بھی سخت مذہبی شرایط کے تحت جب کہ آخر الذکر میں اغلام بازی ایک ایسی غلاظت تھی جس کا ذکر بھی ایسی بدی تھی جس کی سزا ٹکٹکی پر باندھ کر جلانا تھا۔ چین میں ''جنوبی رواج'' کے معنی ذہن میں یہ آتے تھے کہ شہنشاہوں کے مابین عشق، فوجیان کی ''شادی'' اور ماندڑین زبان کے علماء اوپیرا کے اداکاروں سے جوڑیاں بناتے۔ جاپان میں نان شوکو (مردانہ عشق) کا تعلق بدھ مت کے صوفیوں سے تھا اور کابو کی تھیٹر سے۔ اہل برطانیہ کے لئے ٹوڈر اور ابتدائی سٹوراٹ عہد میں ''شیطانی'' اغلام بازی ایک کیتھولک گناہ تھا جس کا پروٹسٹنٹ سرزمین پر ذکر تک نہ ہوتا۔

اٹھارہویں صدی کے فرانس میں اس کا تعلق فیشن والے طبقات سے سمجھا جاتا اور اطالیہ میں اس کا تعلق یونانی فلسفیوں اور جدید تشکیک پسندوں میں۔ نیدرلینڈ اور اسی زمانے میں یہ قوی سلامتی کے لئے ایک خطرہ تھا جس کا قلع قمع کرنا وہ بھی قومی منظّم قتل عام کے ذریعے۔

پھر بھی ان تمام متنوع اور متضاد نظریات کے ان میں ایک نکتہ اشتراک ضرور تھا۔ انداز بیان چاہے کیسا ہی ہو دو عناصر تو موجود ہیں—— جنسی حقیقت اور انسانی عشق اور جاں نثاری کا احساس۔ کیونکہ کئی صدیوں سے یورپ میں ہم جنس پرستی کو یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ ایک جنسی عمل ہے جس کی وجہ اسے مذہبی نقطہ نظر سے دیکھنا تھا اور قانونی نظام کی روشنی میں یہی شرع تیزی سے بڑھنے لگی۔ یعنی بطور ایک گناہ اور جرم کے جس کی سزا موت تھی۔ لیکن ہمیں اس انسان دشمن سے گٹھ جوڑ نہیں کر لینا چاہیئے۔ یہ ''اغلام باز'' سب ہی انسان تھے جن سے آج کے 'گے' افراد برادری بندی کا دعوی کر سکتے ہیں اور جدید سیفو ویت کی حامی انہیں بہنیں کہہ سکتی ہیں۔ تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے لئے ۱۸۶۹ء میں جب لفظ ''ہم جنس پرست'' وضع کیا گیا تھا وہیں سے اس بندھن میں اختلاف شروع ہوا۔ مایکل فاوکولٹ کے خیالات کو قبول کرنا کہ ہم جنس پرست ''بطور ایک فرد'' کے وجود نہیں رکھتے تھے اس وقت تک اس باثروت اور دردناک ماضی کو مسترد کرنے کے مترادف ہے۔

نہ ہی یہ نظریہ کہ یہ ایک ''فکری خستگی'' ہے تاریخی طور پر کوئی معقولیت ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں دیوانی (Secular) دنیا میں دینیات نے نفسیات کے لئے جگہ خالی کردی اور پادری کی جگہ ڈاکٹر نے لے لی۔ لیکن گوشت اور پوست والے ہم جنس پرست کسی چشمے سے نہیں ابلنے لگے کہ جیسے کسی نے جادو کا ڈنڈا گھما دیا ہو۔ انہیں تو محض مختلف انداز میں سمجھا گیا تھا۔ کارل ہنرک الرکس نے ان درجن بھر کتابوں میں جو ۱۸۶۴ سے ۱۸۷۹ء میں شایع ہوئیں اور جن کا عنوان تھا (Reserches into the mystrey of the love between men) انہوں نے اس خیال کو پروان چڑھایا کہ یہ معاملہ جنس کی تفہیم کا ہے اور یہی نہیں کہ یہ دروں بینی کا معاملہ ہے اور دوسروں سے رابطے کی ''قسم'' ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ اس میں کلاسیکل اور بعد کلاسیکل دور میں حاصل ہونے والے علم کو بھی شامل کیا جائے۔ ہم عصر جیسے جون اڈنگٹن سائمنڈ اور ایڈورڈ کارپینٹر

بھی اسی سے ملتی جلتی تاریخی اور تمدنوں سے خلا ملا رکھنے والی باخبری رکھتے تھے جو ہمارے لیے ایک چیلنج ہے کہ اس کی بازیافت کریں۔

لیکن یہ نظریہ کہ اس کی جنسی شناخت ہو تو یہ نظریہ بھی کوئی انوکھا اور جدید نہیں ہے۔ ارسٹوفینز نے اسے بڑی سادہ زبان میں سمپوزیم میں یوں بیان کیا تھا اور اہل روم نے اسے استعمال کیا، ایک محدود معنوں میں اپنے سناڈس (مغلم) کے معنوں میں جو ایک ممتاز قسم کا فرد ہوتا تھا۔ پلوٹارک کے فلسفیانہ مباحثے میں آدھے مقررین اس شناخت کے حامی ہیں کہ یہ نوجوانوں کے عشاق ہیں اور باقی ماندہ آدھے لوگ انہیں پر جنسیہ کہتے ہیں اگرچہ ان کے پاس مناسب اصطلاح نہیں ہے اور پھر یہی دو حصوں میں تقسیم اس شاندار مکالمے میں بھی نظر آتی ہے ستر ہویں صدی کے جاپان میں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ قرون وسطی میں جب ایک ہی جنس کے درمیان میں ہونے والے رشتے کو گناہ سمجھا جاتا ہے اور اس پر جرم سوار ہے تو ایک فرانسیسی شاعر اپنی ہیروین سے یہ کہلواتا ہے ''اس قسم کے مرد'' یعنی ایک خاص نوعیت کے افراد۔

چاہے ہم مناسب طریقے سے ہم جنس پرستی کے تمدن کے متعلق جو جدید عہد سے پہلے کا ہے باتیں کریں یہ بھی ایک متنازع نکتہ ہوگا۔ انگلینڈ میں ایک ذیلی تمدن جو دوسروں میں پیوست تھا اس وقت نمایاں ہو جاتا ہے اور اٹھارہویں صدی کے آغاز میں حملے کا ہدف بن جاتا ہے۔ مایکل روک اپنی باثروت تصنیف جو نشاط ثانیہ کے فلورنس پر ہے اور حوالہ جات سے لبریز ہے یہ استدلال کرتا ہے کہ یہ اصطلاح عام طور سے وہاں کی فضا پر منطبق نہیں کی جاسکتی۔ لیکن گائیڈو رگیرو جب وینس پر لکھتا ہے اور اسی زمانے کے لئے، رافایل کراسکو اور والینشیا میں اغلام بازوں کی سماجی زندگی کا تجزیہ کرتا ہے اور لوز موٹ لزبن میں موجود مسیحی عدالتوں کی ضخیم دستاویزات میں سے جب سراغ لگاتا ہے سب ہی یہ سمجھتے ہیں کہ مردوں کے درمیان پایا جانے والا بندھن ان سب کو معقول لیبل نظر آتا ہے۔ ڈان پیڈ رولون کی تیار کی ہوئی خلاصہ کتاب میں دی ہوئی تفصیلات جس میں اغلام بازوں کے تجربات کو محفوظ کیا گیا ہے اور جنہیں بعد میں سیوایل کے مقام پر ۱۵۷۸ء سے ۱۶۱۶ء کے درمیان میں موت کی سزا دی گئی اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔

اس کوشش میں کہ مختلف زمانوں کے امتیازی رنگ اور تمدنوں کو سمجھا جائے اور یکسانیت سے گریز کیا جائے۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ بجائے خلاصہ دینے کے پوری عبارت کا حوالہ دے دیا جائے تا کہ جہاں تک ممکن ہو تاریخ کی زبان شاعر، سوانح نگار اور شارح دینیات سے جڑا رہوں۔ چونکہ بہت بڑی تعداد میں حوالے غیر ملکی زبانوں کے ہیں ایک حد تک انہیں جدید بنانا بھی ضروری تھا۔ جب تک ہم سب متعدد زبانوں پر مہارت نہ حاصل کرلیں گے اور کوئی درجن بھر زبانوں کی تاریخی لغت پر قدرت نہ حاصل کرلیں گے یہ سب کچھ ناگزیر ہے۔

کوئی بھی مطالعہ جس کی یہ آرزو ہو چاہے کتنا ہی ناکافی ہو اگر عالمی تاریخ کا طریقہ اختیار کرے اس پر لازم ہوگا کہ وہ صاحبان سلف کی کاوشوں پر انحصار کرے جنھوں نے مختلف زمانوں میں مخصوص مضامین میں تحقیق کی تھیں۔ جب کہ بڑی ممنونیت سے اس قرض کو تسلیم کیا گیا ہے، میں نے کوشش کی ہے کہ جہاں بھی قابل عمل ہو معاملے کی تہہ تک پہنچا جائے اس میں بے وسیلگی کی بجائے اچھی طرح ابتدائی تفسیروں کو آنکا جائے۔ ہماری معلومات میں اب بھی بہت سے خلا موجود ہیں۔ جن میں سے چند ایک کو میں نے پاٹنے کی اپنی تحقیقات کے ذریعے کوشش کی ہے اسی میں یہ ناگزیر ہو گیا اور پیش رفت سست رہی اس مطالعے کا شعبہ جواب بھی شیر خواری کے عالم میں ہے بہت سے حکم ایسے ہوں گے جن کا دوبارہ جایزہ لیا جائے گا۔ یہ خاص طور پر غیر مغربی تمدنوں کے لئے درست ہے اور چند مغربی میدانوں میں بھی جیسے پاپائے روم کی تاریخ اور اطالوی نشاۃ ثانیہ کی ادبی تاریخ۔

ایک مسئلہ پر تاہم جدید تحقیق ایسے نتائج فراہم کررہی ہے جس سے فرار ممکن نہیں۔ سرکاری منظور شدہ تعصّبات کے سنگین نتائج —— اس ریکارڈ کو جگمگانے کی غرض سے، اس کے لئے میں نے ایک نتیجہ نکال کر شامل کیا ہے جو ان تمام کاموں کو یکجا کرتا ہے جس میں ظلم و تعدی شامل ہے اور استبداد بھی جسے سب سے زیادہ طاقتور اور ترغیب دلانے والی تہذیب نے جس کا تاریخ میں ذکر ہے جو اس پر کمر بستہ تھی اور ہاتھ میں اخلاقیات اور مذہب کا پرچم بھی اٹھائے رہتی۔

معروضات

فاضل مصنف آنجہانی لوئیس کرومپٹن نے برس ہا برس تک تحقیق اور جستجو کے ذریعے انسانی تہذیب کے اس پہلو کی علمی دستاویز تیار کی۔ ایسا نہیں ہے کہ مذکورہ پہلو چھپا ہوا تھا بلکہ بکھرا ہوا تھا اور اس کی تلاش اور یکجا کرنا کاردارد تھا۔ مختلف تہذیبوں اور خطوں اور وہاں کی زبانوں پر دسترس بھی ایک کام تھا شاید اسی لئے اس تحقیق میں اقتصادی نقطہ نظر اوجھل رہا۔ اردو میں غالباً اس موضوع پر کوئی مبسوط تصنیف نہیں ملتی۔

اگرچہ سترہویں صدی کے جعفر زٹلی کے کلام سے ایسے واضح اشارے ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دفینے کی تلاش کی جائے۔ یہ موضوع مطالعے کے واسطے سنجیدہ ذہن اور تاریخ سے لگاؤ کا تقاضہ کرتا ہے۔

جہاں تک مترجم کی معلومات کا تعلق ہے وہ محدود اور ناقص ہیں اس لئے اس کتاب کے ترجمہ کرنے کی تحریک ہوئی۔ اس عمل میں یہ احتیاط رکھی گئی ہے کہ مصنف کی عبارت سے انحراف نہ ہونے پائے اور الفاظ لغت باہر نہ ہوں۔ یہ احتیاط کی گئی ہے کہ بامحاورہ زبان میں گالیاں نہ در آیں لیکن اسماء اور صفات کا علمی/ تاریخی نقطہ نظر سے ترجمہ ناگزیر تھا۔ التباس سے بچنے کی خاطر کہیں کہیں چرکینی انداز جھلکنے لگتا ہے۔

مصنف نے چونکہ کتاب کا نام ہی عالمی تہذیب رکھا اس لئے مجھے اندازہ ہوا کہ اس نے افریقہ اور نام نہاد ''مشرقی وسطی'' اور برصغیر سے کماحقہ انصاف نہیں کیا اس لئے چند سطریں بطور تاثرات پیش خدمت ہیں۔ افریقہ کے لئے میں بھی تہی دست ہوں مگر خواتین کے درمیان شادی کا ایک طریقہ درج ذیل ہے جس سے قاری کو مبینہ تاریک افریقہ کی ایک جھلک دیکھنے کو مل جائے گی۔

قبائلی روایت کو بچانے کے لئے تنزانیہ کی عورتیں۔ عورت سے ''نکاح'' کرتی ہیں۔

(افریم رگیری ریزا)

تاراَیم (تنزانیہ)۔ اپنے شوہر کی موت کے پندرہ سال کے بعد انا موٹیا کھچڑی بالوں اور جھریوں دار چہرہ ہونے کے باوجود ایک مرتبہ پھر شادی کے بندھن میں پڑنا چاہتی ہے

اس مرتبہ مگر ایک کم عمر عورت کے ساتھ اور یہ سب تنزانیہ کے کریا کے لوگوں کی قدیم روایت کے مطابق۔

ان دنوں وہ شمالی تنزانیہ میں رہائش رکھتی ہے جہاں کریا کی عمر رسیدہ عورتوں کو اس کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ کم عمر عورتوں سے ''بیاہ'' کرلیں تاکہ وہ اپنے کسی رشتہ دار مرد کی اعانت سے بچے پیدا کریں جس سے خاندان کا نام چل سکے اور یہ بھی ممکن ہو سکے کہ انا موئیٹا کے مویشیوں اور ڈھور ڈنگروں کی دیکھ بھال اور پرورش ہوتی رہے۔

عمر رسیدہ عورتیں عموماً یا تو بیوہ ہوتی ہیں یا بلا نرینہ اولاد کے یا پھر محض بیٹیوں والی جو شادی کے بعد شوہروں کے ساتھ دور دراز مقامات پر بس جاتی ہیں اور ادھیڑ عمر ماں تنہا رہ جاتی ہے۔

''میں نے ۲۰۰۵ء میں اس سے شادی کرلی''موئیٹا اپنی ۲۳ سالہ ''زوجہ'' جوہاری کا ذکر کررہی تھی جواب ''بیوی'' بن چکی ہے اور دو بچوں کی ماں ہے۔

''میرے شوہر کو مرے ہوئے پندرہ سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ وہ مجھے اس دنیا میں بالکل اکیلا چھوڑ گیا اور کوئی بچہ بھی نہیں ہے جب کہ ہمارے پاس بہت بڑی قابل کاشت اراضی تھی اور مویشی بھی ہیں۔

''دس برس تک بیوہ رہنے کے بعد میں نے اپنی مقامی روایات کے مطابق دوسری مرتبہ شادی کرنے کا فیصلہ کیا'' ۶۵ سالہ موئیٹا ایک لڑکا گود میں لئے یہ بتارہی تھی جس کی تین سال کی بہن تین جانب اٹھائی ہوئی گارے کی دیوار کے کھلیان میں پاؤں پاؤں چل رہی تھی۔

ان بچوں کا باپ موئیٹا کا پہلے سے شادی شدہ بھانجا ہے جس سے موئیٹا نے فرمائش کی کہ وہ جوہاری کی ''دیکھ بھال'' کرے۔ لیکن روایت کے مطابق پیدا ہونے والے بچے میرے ہوں گے۔

عمر رسیدہ عورتوں کا دوبارہ بیاہ کرنے کو ہماری زبان میں مُلنگُس کہا جاتا ہے جو مقامی معیار کے مطابق ایک مہنگا سودا ہوتا ہے۔ انہیں جہیز دینا پڑتا ہے جیسا کہ عام شادیوں میں دستور ہے۔

نو عدد گائیں، کئی قدحے ''جن'' شراب اور کمبلوں کے کئی گٹھر دلہن کی قیمت (یا مہر) جو

ہارؔی کے لئے ادا کی گئی۔ جو اٹھتے بیٹھتے اپنے ’’شوہر‘‘ کا کلمہ پڑھتی ہے۔

’’ میں خوش ہوں مجھے ہر وہ چیز میسر ہے جو مجھے اور میرے بچوں کو درکار ہے اور مجھے آزادی بھی حاصل ہے۔‘‘ جو ہارؔی کا بیان ہے۔ ایسی شادیاں تنزانیہ میں صرف کریا میں ملتی ہیں۔ جنہیں سرکار میں اہل اختیار بھی قبول کر لیتے ہیں اگر چہ نظریاتی طور پر ایک ہی جنس کے دو افراد کے بندھن کو مشرقی افریقی ممالک میں غیر قانونی سمجھا جاتا ہے اور ہم جنس پرستی پر ناک بھوں چڑھائی جاتی ہے۔

جہیز کی فیاضانہ پیشکش خوشحال ملکنگس کی طرف سے ہوتی ہے جو لڑکیوں کے غرض مند والدین کو اس قسم کی شادی کو قبول کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اگر چہ اس نوعیت کے بندھنوں کی عمریں مختصر ہی ہوتی ہیں۔

بی بی نیام واؔنگا جس کی دو کم عمر عورتوں سے ہونے والی شادیوں نے ناکامی ہی کا منہ دیکھا ہے اس بات پر اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتی ہے جب وہ جدید زندگی اور شہری نوجوان مردوں کے متعلق سنتی ہے۔ ان ہی وجوہ کو وہ اپنی عائلی زندگی کی بربادی کا ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔

اس کا شوہر تو اس لئے لاتعلق ہو گیا کہ اس نے سرے سے بچے نہ جنے مگر نیام واؔنگا کو ترکے میں بہت بڑی زرعی اراضی ملی ایسا کریا میں خال خال ہی ہوتا ہے۔

کوئی تین سو امریکی ڈالر اور نو گایوں کے عوض اس نے ایک نوجوان سے دوسرا ’’بیاہ‘‘ کیا تاکہ وہ اس وسیع رقبہ زمین پر کاشتکاری میں ہاتھ بٹائے۔

’’ میں نے اسے یہ کٹیا دی تاکہ یہاں وہ میرے بھانجوں کے ساتھ رہا کرے۔‘‘ اپنے احاطے میں ایک چھوٹے سے گھر کی جانب اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

’’لیکن ایک دن میں نے وہاں ایک جوان شہری بابو دیکھا اور ۲۰۰۲ء میں وہ سب کے سب رخصت ہو چکے تھے۔‘‘ نیام واؔنگا یہ بتاتے ہوئے زاروقطار رو رہی تھی۔

تاہم بطور تلافی اسے پورا جہیز واپس مل گیا اور ایک مرتبہ پھر سے اس نے ایک اور جوان عورت کے ساتھ گھر بسا لیا۔ ایک مرتبہ پھر وہ بھاگ کھڑی ہوئی اور وہ اکیلی رہ گئی۔

میں نے اپنا کتنا وقت گنوایا اپنی رقم اور مویشی گنوائے۔ کوئی چیز میرے کام نہ آئی، کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ سسکیوں میں نیام واؔنگا نے کہا۔

چندلوگوں کی نظر میں نوجوان عورتوں کا ملنگس شادی میں بندھن شرمناک بات ہے۔
فریدہ زکرؔیا کے لئے خود سے بڑی بی بی سلیمہؔ کی رفاقت ایک پچھتاوا ہے اور وہ اس کے واسطے اپنے والد کو الزام دیتی ہے جس نے اس رشتے میں دھانس دیا تھا۔
''یہ وہی شخص ہے جو مجھے ملنگو میں لے گیا'' زکرؔیا نے بتایا اور اپنے باپ کی جانب اشارہ کیا۔'' میں نے زندگی بھراس سے زیادہ بدتمیز عورت نہیں دیکھی ایک واقعی جھگڑا لو عورت یہ بی بی سلیمہ واقع ہوئی ہے! یہ بسا اوقات مجھ سے مار پیٹ کرتی ہے اور چاہتی ہے کہ میں مرد بن جاؤں۔ اگر میری ماں زندہ ہوتی تو میری جان کب کی چھوٹ گئی ہوتی۔ وہ کبھی بھی یہ سب کچھ نہ برداشت کرتی'' زکرؔیا بولی۔
بہ مشکل ۱۹ سال کی زکرؔیا پہلے بھی کسی ملنگو (عورت) سے بیاہی جا چکی تھی جس نے اسے چھوڑ کر اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے شراب اور منشیات میں پناہ ڈھونڈ لی۔
میں میخواری بھی کرتی ہوں اور ہر قسم کے کش لگاتی ہوں، جواب بطور خانگی ملازمہ کے کسی خوشحال گھرانے میں کام کرتی ہے اور خواب دیکھا کرتی ہے کہ کسی دن کوئی اس کی پسند کا جوان مرد اس سے نکاح کر کے لے جائے گا۔عورت سے عورت کی شادیوں کا ذکر افریقی سماج میں نوآبادیاتی نظام سے پہلے بھی تاریخ میں ملتا ہے۔آج کل یہ ناپید ہے لیکن پھر بھی چند برادریوں میں موجود ہے بالخصوص اگبولینڈ کے خطے میں جو نائیجیریا کا جنوب مشرقی حصہ ہے۔ (روزنامہ ڈان (E) ۱۹۔۹۔۲۰۱۰)
اس کے بعد ہم افریقہ کے شمال میں واقع خطے کی طرف آتے ہیں جو تہذیب کا گہوارہ تھا اور اب بھی ہے۔ ہم جنس پرستی کا اس علاقے سے دور دور تک کوئی علاقہ نہیں رہا۔شاید اسی لئے کرومپٹن نے ذکر بھی نہیں کیا۔
اگرچہ خلیفہ مامون کے عہد کے اس شعر سے مندرجہ بالا بیان کی تردید ہوتی ہے۔

قاضٍ یری الحدّ فی الزناء ولا   یری علی من یلوط من باس

(ایک قاضی ہے جو زنا پر تو حد جاری کرتا ہے لیکن غیر فطری فعل کے مرتکب سے تعرض نہیں کرتا)۔
اس سلسلے میں اخوان الصفاص۔۳۔۱۷ کا حوالہ دلچسپ ہے۔
جان لو کہ نوعمر لڑکے جب اپنی ماؤں اور باپوں سے تربیت حاصل نہ کرسکیں تو انہیں اس

امر کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ تمام علم و ہنر استادوں سے سیکھیں تا کہ وہ زندگی میں کسی مقام پر پہنچ سکیں۔ اور بالغ مردوں میں ایسے نوخیز لڑکوں کی طرف جو ایک میلان پایا جاتا ہے وہ انہیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ ان لڑکوں کو علم و ادب اور تہذیب و ثقافت سے پوری طرح آشنا کریں اور انہیں سکھا پڑھا کر ان کی مطلوبہ منازل تک پہنچائیں۔ یہ بات اکثر ان قوموں میں دیکھنے میں آتی ہے جو سائنس اور فن اور ادب اور ریاضیات جیسے علوم میں شغف رکھتی ہیں۔ جیسے ایران، عراق، شام اور روم میں بسنے والی اقوام۔۔۔ رہیں وہ اقوام جن کا علوم و فنون اور ادب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، جیسے کرد یا عرب کے بدو، یا حبشی اور ترک، تو ان کے اندر نوعمر اور نابالغ لڑکوں میں زیادہ دلچسپی نہیں پائی جاتی۔"

اخوان کا یہ تجزیہ عجیب تو ہے لیکن ایسا بے تکا بھی نہیں ہے اس لئے جلالپوری اپنی کتاب "جنسی مطالعے" میں رقم طراز ہیں "رچرڈ برٹن (مترجم الف لیلہ و لیلہ) نے صرف دو اقوام کو ہم جنسیت اور سدومیت سے مبرا قرار دیا ہے: حبشی اور عرب، باقی سب اقوام اس میں ملوث رہی ہیں۔" (حوالہ ختم)

اب ہم برصغیر کی جانب آتے ہیں۔ تحریری مواد بہ آسانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ہم ظن اور قیاس سے کام لیتے ہیں۔ بھارت نے تو دوسری جولائی ۲۰۰۹ء کو ہم جنس پرستی کے خلاف تعزیزات ہند واپس لے لیں۔(۱) جب کہ اردو میں عصمت چغتائی کے لحاف پر معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ بنگلہ دیش اگر چہ پاکستان کا حصہ رہا ہے مگر وہاں سے متعلق درکار معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تاریخ میں خواجہ سراؤں کا ذکر کے۔ ایس۔ لال کی کتاب سے حاضر ہے حوالہ شروع: سلطان قطب الدین خلجی (۱۳۱۶۔۱۳۲۰ء) ہیجڑہ تھا اور کبھی کبھی زنانہ لباس پہنتا اس طرح مالا بار کا حاکم 'چن کانجو" (دربار عام) میں عورتوں کے لباس میں آتا زیورات سے لدا پھندا ہوتا اور اپنے امرا سے کہتا کہ اس سے امرد کی طرح سلوک کریں۔۔۔ شاہی حرم کے ختم ہوجانے کے بعد ان کا مصرف بظاہر ختم ہوگیا مگر بطور باقیات دلی میں ان کا قبرستان موجود ہے جسے ہیجڑے کا گنبد کہا جاتا ہے۔ (پرسی براؤن۔ انڈین آرکیٹیکچر)۔ حوالہ ختم۔

پاکستان میں ایک تخمینے کے مطابق کوئی پچاس لاکھ خواجہ سرا آباد ہیں۔ جن کی لیڈر الماس بوبی نے ٹی وی پر کہا "چونکہ ہماری کوئی اولاد نہیں ہوتی اس لئے ہم سرمایہ کس

کے لئے جمع کریں گے۔'' نوید ہو کہ ''متبادل ماں'' کے وسیلے اب کوئی بھی صاحب اولاد ہوسکتا ہے۔ روزنامہ جنگ کراچی ۱۴۔۶۔۲۰۰۶ء۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ برصغیر میں ۱۸۶۰ء سے پہلے ہم جنس پرستی کی بابت کوئی تعزیری قانون شاید نہیں تھا۔ یہ حدود آرڈیننس کی طرح انگریزی راج کی دین ہے۔ جس سے سامراجی مقاصد کی تکمیل ہوتی تھی۔ پاکستان میں ایک مرتبہ جیو ٹی وی نے اس موضوع پر ایک پروگرام تیار کیا تھا جسے ناظرین کی سخت مخالفت کی وجہ سے نشر نہ کیا گیا۔ اکا دکا واقعات جن میں فیصل آباد کا نسوانی جوڑا شمایل راج اور شہزینہ کو گرفتار کر کے حلفیہ غلط بیانی کے الزام میں لاہور ہائی کورٹ سے ۳،۳ سال کی قید کی سزا دلوادی گئی روزنامہ ایکسپریس کراچی ۲۹۔۵۔۲۰۰۷ء اس کے علاوہ غالباً سناٹا ہے۔

جس طرح گوگل ڈاٹ کام کے ایک کئی سال پرانے جائزے کے مطابق ملتان کھال والی فلموں کے ناظرین کے لحاظ سے پاکستان بھر میں سرفہرست ہے اسی طرح اغلام بازی کے ضمن میں ایک تخمینے کے مطابق ملتان کے بعد پشاور کا نام لیا جاتا ہے جو شاید سکندر اعظم کے حملے کی ریت میں ہو اور آخر میں اس کے ڈانڈے ایران سے جوڑ دیے جاتے ہیں اسی طرح پشاور میں خواجہ سرا کاشف اور جناب ملک اقبال کو شادی کر لینے کی پاداش میں ۴۱ باراتیوں سمیت ''دولہا دلہن'' کو پولیس نے گرفتار کرلیا۔ روزنامہ ایکسپریس کراچی ۲۶ مئی ۲۰۱۰ء۔ تاہم جانوروں سے جنس کاری کے معاملات بالعموم سندھ سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ جب کہ یہ ایک قدیم ہندی روایت ہے جسے کھجوہا (Khajuha) (بھارت) میں سنگتراشی کے شاہکاروں کی صورت میں دیکھنے دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں۔

ایسے معاملات اردو اخبارات میں آتے رہتے ہیں مگر زبان اتنی مبہم ہوتی ہے کہ کوئی حتمی رائے قائم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً زیر تربیت نرس کو اس کی سہیلی سجاد فاطمہ جناح اسپتال کے ایم ایل او کے کمرے میں جھانسہ دے کر لے گئی جہاں اس کے ساتھ زیادتی کی گئی اور مذکورہ نرس کھڑکی سے کود کو بے ہوش ہوگئی روزنامہ ایکسپریس کراچی ۳۰۔۷۔۲۰۱۰ء۔ یا پھر پاپوش نگر (کراچی) کے قبرستان کے مردی باز ۲ گورکنوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ جو گذشتہ آٹھ برس سے عورتوں کی قبریں کھود کر زیادتی کرنے کے

عارضے میں مبتلا تھے۔ ۲۹۔۳۔۲۰۱۱ء۔) یہ خبر صرف ٹی وی پر کئی چینلز نے نشر کی آیا مذکورہ شخص کفن کھسوٹ تھے۔ اسی نوعیت کی شدہ شدہ خبریں ملک بھر کے اسپتالوں سے آتی رہی ہیں۔ نہ ہی نسوانی عارضے مدارکہ (Nymphomanic) کا کہیں اس کتاب میں ذکر ہے۔ جب کہ بقول(Linford Rais) کے جو گالیوں کے برطانوی محقق ہیں۔ دنیا بھر میں پاکستان میں سب سے زیادہ گالیاں بکی جاتی ہیں۔مگر شہر میں ہونے والی گفتگو سے لگتا ہے کہ ان امور کو عدالتی کارروائی کے دوران میں ضروری وضاحت سے بیان کیا جاتا ہوگا یا پھران کی تفصیل کھال والی فلموں میں ملتی ہے۔

مذکورہ کتاب میرے ایک عزیز عسکری حیدؔر نے کینیڈا سے لاکر دی تھی جس میں جدید انگریزی استعمال کی گئی ہے اس لئے اگر آپ کو اردو عبارت کہیں کہیں سپاٹ اور ناہموار لگے تو اسے فاضل مصنف کے کھاتے میں ڈالنے کی بجائے مترجم کا عجز بیان سمجھا جائے اور بقول معروف مترجم پرتو روہیلؔہ کے اسے ترجمے میں ۴۰ فیصد لاین لاسیسز میں شمار کیا جائے۔

کتاب کی ضخامت اور قیمت کم رکھنے کی غرض سے ۷۰ تصاویر کو شامل نہیں کیا جارہا۔

میں ان تمام گمنام مرد وزن کا شکر گزار ہوں جنہوں نے گزشتہ چار سال میں میرے لئے بلاواسطہ یا بالواسطہ اشیائے خوردونوش اگا کر تیار اور پکا کر میری مدد کی۔

محمد مظاہر

کراچی

۲۶ فروری ۲۰۱۴ء

---

(۱) بھارتی سپریم کورٹ نے دسمبر ۲۰۱۳ء میں تین سال کے بعد دلی ہائی کورٹ کے فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا اور کہا کہ لوک سبھا آئینی ترمیم کرے جس کے خلاف جنتر منتر (دہلی) میں ایک مظاہرہ کیا گیا جہاں LGBTQ نے اپنا ترانہ نامور شاعر فیض احمد فیضؔ کے کلام سے لے کر منظور کر لیا!

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے نظر چرا کے چلے جسم و جاں بچا کے چلے

اشعار کا ایسا مصرف فیض صاحب کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آیا ہوگا۔

باب:۱

ابتدائی یونان

یونانی عشق کا ہزاریہ

پوری تاریخ کھنگال ڈالیے آپ کو کوئی سماج ایسا نہ ملے گا جو جنوں خیزی میں یونان کا ہم پلہ ہو، یہ اگرچہ سادہ سی بات ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ ابھی تک نا قابل تردید ہے۔ یونان کی کامیابیاں جو اس نے ادب ،فنون ،تعمیرات میں کیں انہوں نے مغربی دنیا کے واسطے دو ہزار برس کے لیے پیمانے مقرر کر دیے ۔ جب ہم غور کرنے بیٹھتے ہیں تو انہی فکری مقولوں کو استعمال کرتے ہیں جو اس کے فلسفیوں اور سائنسدانوں نے وضع کیے تھے۔ ایرانی حملوں کی مزاحمت کر کے یونان نے یورپ کا قیام ممکن بنایا۔ سیاست میں جمہوریت یونان ہی کی دین ہے ۔ حالانکہ عورتیں اور غلام آزادی اور مساوات کے فوائد میں حصہ دار نہ بن پائے ۔ یہی تصورات تھے جو بالآخر ان کی عدم شرکت پر سوال اٹھانے لگے ۔ کچھ بھی کہئے یونانی اپنی مدنی طبع سے ہمیں مسحور کرتے ہیں اس کے علاوہ نظریات کے لیے کشادہ گرم جوشی اور ان کی جوش آزادی سے پُر روح۔ تہذیب جو پہلے ہی مصر میں ہزار برس کی ہو چلی تھی ۔ سومیر، ہندوستان اور چین بھی یونانی تحریک کے سرور کے زیر اثر ایک طویل جست لگانے والے تھے ۔

اس کے باوجود یونانی حیات کا ایک گوشہ ایسا تھا جس کے متعلق طلباء نے اس مسئلے کو 'نا قابل ذکر' زمرے میں ڈالے رکھا۔ ای۔ ایم ۔ فاسٹر کے ناول MAURICE میں کیمبرج میں ترجمہ کرنے والی کلاس کو بلا ناغہ متنبہ کیا جاتا ہے کہ 'یونانیوں کی ایک نا قابل

بیان بدی کو حتی الامکان حذف کر دیا جائے۔ ناول میں ۱۹۱۰ء کا ماحول ہے۔ لیکن چالیس سال کے بعد ایک ثقہ عالم نے یہ تبصرہ کیا کہ یونانی اخلاقیات کا یہ رخ غیر معمولی ہے اور ہمیں سکون قلب کے واسطے اس معاملے میں زیادہ گہرائی سے نظریں نہ گاڑنی چاہییں۔ اور مسئلے کی اہمیت کے باوجود یونانی ہم جنسی پرستی کے بابت انگلستان میں کوئی بھی کتاب ۱۹۷۸ء تک کھلم کھلا فروخت نہ کی گئی۔ مسیحی یورپ نے چوتھی صدی سے ہم جنس پرستی کے تعلقات کو ایک لعنت کہا اور اس کی اقوام نے اس 'غیر فطری' جرم کے سدباب کے لیے قانون سازی میں مسابقت سے کام لیا۔ ہم جنس پرستی ایسا جرم سمجھا جانے لگا جس کا مسیحیوں کے لئے ذکر بھی مناسب نہ تھا۔ اگر کبھی حوالے دیے بھی گئے تو وہ محض قانونی دستاویز تک محدود رہے جن میں سزاؤں کا ذکر ہوتا یا پھر اخلاقی شرعی مسائل ہوتے جہاں اس کی ضرورت خانہ پری کے واسطے ہوتی اور بدترین انسانی بدیوں کا بیان مقصود ہوتا۔ دوسری طرف یونانی تاریخ اور ادب میں محققین کو ہم جنس پرستوں کی عشق کی داستانوں میں غوطہ خوری کرنا پڑتی ہے۔ ہومرؔ کی الیڈ (۸۰۰ق م) میں اس کے عزائم عرصہ دراز تک کافی موضوع بحث رہے۔ تاہم اس طرح کی کافی شہادتیں ملتی ہیں جس میں کلاسیکل عہد (۴۸۰ ق م) کے آغاز میں اس کے متروکہ آچیلز اور پیٹروکلس مردوں کے درمیان ہونے والے عشق کے نمونے بن گئے تھے۔ یونانی نغمہ نگار آغاز ہی سے اور قریب قریب کلاسیکی عہد کے خاتمے تک مردانہ عشق کے گن گاتے رہے۔ پانچ عمدہ فلسفیانہ مکالموں میں فراواں مصوری کے ذریعے اس کی اخلاقی حیثیت پر بحث کی گئی۔ جس میں افلاطونؔ سے لے کر زینوفونؔ سے پلوٹارک اور تیسری صدی ق م کے نام نہاد (اہل لوشیا) لوشین تک۔ تھیٹر کے ذریعے عوامی سطح پر ہم یہ پاتے ہیں کہ اس موضوع پر المیے مقبول تھے۔ ارسٹوفینزؔ کا عریاں مزاح مردوں میں ہونے والی جنس کاری سے اسی طرح جھلکتا ہے جیسا کہ عورتوں اور مردوں کی جنس کاری کے دوران تخلیق پاتا ہے۔ گلدستہ رکھنے والے ظروف پر ہمیں ہم جنس پرستی کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سینکڑوں کندہ برتنوں پر لڑکوں کو عشق کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔ اور ایسے معاملات یونانی مدبرین، جنگجوؤں، فنکاروں اور ادیبوں کی زندگی میں کثرت سے ملتے ہیں جن کی فہرست طویل ہے۔ اکثر یہ فرض کیا گیا کہ افلاطونؔ کے عہد

تک مردوں کے درمیان پایا جانے والا عشق صرف چھوٹے سے دانشور طبقے تک مقبول تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ یونانی سماج کے ہر طبقے میں سرایت کئے ہوئے تھا اور اسے ہزار سال سے زیادہ عرصے تک معزز مقام بھی حاصل رہا جس کے معنی یہ ہوئے کہ ۶۰۰ ق م سے تقریباً ۴۰۰ ء تک۔

یونانی مذہب سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یونانی تصورات پر لواطت کا کتنا غلبہ تھا۔ اساطیر میں ہمیں پچاس سے زیادہ مثالیں ملتی ہیں جن میں دیوتاؤں کے معشوق لونڈے ہوتے تھے۔ شاعری اور مشہور روایات ایسے معاملات سے بھری ہوئی ہیں جن میں زیوس، پوسیڈون، اپالو، ہرکولیس، ڈاینی سس، ہرمز اور پین ___ یعنی تقریباً تمام اہم دیوتا جو اولمپین مدفن میں آسودہ خاک ہیں۔ صرف جنگ کا دیوتا آریز (حیرانی ہوتی ہے) غائب ہے۔ شاعروں میں سیفو، الکے یوس، ابی کس، انا کریون، تھیوگنس، پنڈار، اور لاتعداد خوش طبع لوگ جنہوں نے یونانی زبان میں دیوان چھوڑے ہیں۔ سب ہی نے ہم جنسی محبت کے گیت گائے ہیں۔ اسکای لس، سوفو کیلز، اور یوری پاپڈز نے بہترین کھیل لکھے جواب دستیاب نہیں ہیں۔ مگر اسی موضوع پر تھے۔ متعدد شہروں میں یونانی سیاسی رہنماؤں کی زندگیاں ایسے واقعات سے بھری پڑی ہیں جن کی نوعیت معمولی ہو یا اہم مگر ہم جنس پرستی کے شوق سے لبریز تھیں۔ جن میں سولون، پی سس ٹراٹس، ہپیاز، ہپپارکس، تھیمی سٹوکلس، آرسٹاپڈیز، کرای ٹیاس، ڈیمو ستھینیز اور اے سکاینز شائستہ ایتھینز کے اور پاوسانیاس، لیسانڈرز اور ایجی سیلاس عسکری سپارٹا میں، پولی کراٹس اپنے خوش ذوق دربار میں جو ساموز میں تھا۔ ہائرون اور اگاتھوکلز سسلی کے سیراکیوز میں۔ ایپامی نون ڈس اور پیلو پاپڈس بوکیولک تھیبز میں اسی طرح آرکیلاس، فلپس۔۲ اور سکندر جن کا تعلق نیم بربر مقدونیہ سے تھا۔ سقراط نے تقاریر کیں، افلاطون اور زینوفون نے تحریر میں مردوں کے مابین ہونے والے عشق کے ولولے کو بیان کیا اگرچہ انہوں نے اس کے عملی بیان کی مذمت کی، افلاطون کی موت کے بعد اس کی اکیڈمی کی صدارت ایک عاشق سے دوسرے کے ہاتھوں میں منتقل ہوتی رہی۔ رواقیوں میں زینو، کلین تھیز اور کرائیسی پس نے لڑکوں سے محبت کی ستائش کی۔ ہمیں یونانی فنکاروں کے متعلق زیادہ نہیں معلوم مگر فیڈیاز کا پان ٹارسس سے عشق تو سنگ مرمر پر نقش

ہونے سے امر ہو چکا ہے۔قدیم یونان کے بعد کے عہد (۳۳۲ق م۔۴۰۰ء) پلوٹارک، ایتھی نائیس اور ایلیان نے یونانی عشق کی ابتدا سے تاریخ کو رقم کیا ہے جب کہ تھیوکریٹس سے لے کر نونس تک کے شاعروں نے آیڈیلس میں ہونے والے معاملات عشق کو مزے لے لے کر بیان کیا ہے جو ٹیپ کے بندوں اور رزمیوں کی صورت میں ملتے ہیں۔یہ ہکا بکا کر دینے والے دفاتر ہیں جن میں قدیم یونان کے عظیم ترین نام شامل ہیں جو یونانی تہذیب کے عظیم ترین عہد میں گذرے ہیں۔

ان تمام معاملات میں مردانہ تعلقات کو نہایت اعزاز اور احترام سے پیش کیا جاتا حالانکہ کہیں کہیں ان سے اظہار شک بھی کیا جاتا۔لیکن کئی سوانح نگاروں کی نظر میں اگر کسی مرد کے پاس لونڈا نہ ہوتا تو یہ اس بات کا پیمانہ تھا کہ مذکورہ فرد کے کردار میں یا تو کجی ہے یا اس میں بے حسی پائی جاتی ہے۔یہی وہ زور بیان ہے جس میں ایک قسم کا ولولہ کارفرما ہوتا جو ہم جنس پرستی پر یونان کا طرہ امتیاز تھا۔یونانی ادب میں امرد پرستی کی وکالت کے لئے جو بھی کہا گیا وہ تحریروں میں بہت موثر انداز میں بیان کیا گیا اور اس لہجے میں کہا گیا ہے کہ ہمیں اب بھی سنائی دیتا ہے۔سمپوزیم کے آغاز میں افلاطون جو تقریر بہ زبان فائیڈرس کرتا ہے۔یہی وہ ایتھنز کی مثالیت پسندی ہے جس کے تحت وہ مردانہ شہوت کی تعریف بیان کرتا ہے۔

> ”میں کسی نوجوان کو اس سے بڑی دعا نہیں دے سکتا جو اپنی زندگی کا آغاز خوش اطواری سے کرے یا پھر ایک عاشق کو جو اپنے محبوب لونڈے کے واسطے کرے۔ کیونکہ وہ اصول جسے ان افراد کا رہنما بننا ہے جنہیں اپنی زندگی ایک معزز انسان کی طرح بسر کرنا ہے۔وہ اصول میرے خیال میں یہ ہے کہ نہ رشتہ داری، نہ ہی عزت نہ دولت نہ ہی کوئی اور مقصد ایسا دلنشین ہوسکتا ہے جتنا کہ عشق۔میں کسی شئے کے متعلق بول رہا ہے؟ آیا وہ احساس عزت ہے یا بے عزتی جس کے بغیر نہ ہی ممالک اور نہ ہی اشخاص کوئی اچھا کام انجام دے سکتے ہیں۔۔۔اور اگر کوئی ایسی راہ ہوتی جس سے کوئی ترکیب پیدا ہوجائے کہ کوئی مملکت یا فوج عاشقوں اور ان کے امردوں سے قائم ہوسکے تو وہ اپنے شہر کی حکومت کے بہترین حکمراں ثابت ہوں گے۔وہ ہر بے عزتی سے اجتناب کریں گے اور اعزاز حاصل کرنے کے لئے ایک

دوسرے پر سبقت لے جائیں گے ۔ یہ کہنے میں شاید ہی مبالغہ لگے کہ جب وہ شانہ بہ شانہ لڑیں گے چاہے وہ مٹھی بھر ہی کیوں نہ ہوں وہ دنیا کو مغلوب کر کے رہیں گے۔"

فائیڈرسؔ کا خیال ہے کہ میدان جنگ میں سے کوئی بھی فرار نہ ہوسکے گا اگر اس کے امرد کی نظر اس پر لگی ہوگی۔ یہ ذلت انتہا ہوگی جو تخیل میں نہیں آسکتی۔ ہم افلاطونؔ کے تصورات کا زیادہ تفصیل سے کسی اور باب میں مطالعہ کریں گے ۔لیکن فائیڈرسؔ یوں اظہار خیال کررہا ہے جیسے غالباً وہ اپنے عہد کے تعلیم یافتہ یونانی کے مخصوص احساسات کا ذکر کررہا ہو۔ یہ احساسات دانش ورحلقوں تک محدود نہ تھے ۔اس کا ارفع اور انوکھا طرز بیان یونانی سماج کے ہر پرت میں رواں دواں ملتا ہے ۔باقی ماندہ انسانیت کی مانند قدیم یونانی بھی مختلف شہوانی موڈ سے اثر پذیر ہوتے تھے ۔سورمائی، نرم، معمولی، بدزبانی اور یہاں تک کہ کبھی کبھی وحشت میں بھی۔مگر یہ تصور کہ اس عشق سے عزوشرف میں اضافے کا امکان پایا جانا عام بات تھی اور یہ غالباً یونانی تاریخ نویسی کے آغاز سے اس وقت تک دکھائی دیتا ہے جب مسیحیت نے غلبہ پالیا۔اس نے لونڈے کی محبت کے نظریے کے اوپر جگمگاہٹ کا ایک ہالہ سا بنادیا۔ عوامی تقریبات میں اسے بڑے احترام سے سلامی بھی دی جاسکتی تھی جہاں تمام طبقات موجود ہوتے ۔جیسا کہ ایشائینزؔ کی تقریر کے موقع پر ہوا جب وہ ایتھنز کی جیوری کو خطاب کررہا تھا۔ یہ روح کی سربلندی کا عقیدہ تھا جو قبیلوں میں تقدس پیدا کرنے کے کئی طریقوں میں سے ایک تھا۔ جو محض ممتاز طبقے ہی کے لیے نہیں تھا بلکہ اوسط درجے کے شہری کے لئے بھی ۔

ہومر کی الیڈ :

قدیم یونانیوں کے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں تھا جو ہمارے لفظ HOMOSEXUAL کا ہم معنی ہوتا ہاںPaiderastia جو اس کے قریب ترین ملتا ہے جس کے معنی 'لونڈے کی محبت' ۔یہ معنی ایک عمر رسیدہ اور کم عمر مرد کے درمیان ایک

رشتہ ہے جو عموماً چودہ سے بیس برس کے درمیان ہوتا۔عمر رسیدہ Erastes (معلِم) کہلاتا۔اس کی ذمہ داری یہ ہوتی کہ وہ لڑکے کا استاد ہونے کے علاوہ محافظ ہوتا اوراس کے لئے مینارہ جرات ، عقل و دانش اور خوبیوں سے معشوق کی رہنمائی کرتا۔یا پھر Eromenos (لونڈا) جس کی کشش اس کے حسن، نوجوانی اوراس توقع پر ہوتی کہ وہ مستقبل میں اچھے اخلاق، ذہانت اور جسمانی کمال کا مظاہرہ کرے گا۔سمپوزیم میں فائڈرسؔ اور دیگر مقررین اس معاملے میں ہمیشہ محتاط رہتے اور ان ہی دو اصطلاحات میں سے کسی ایک کوضرورت کے مطابق استعمال کرتے۔

یہ بات بالخصوص الیڈ میں ہونے والے مباحثے میں نمایاں ہے جو فائیڈرسؔ ادا کرتا ہے۔جہاں وہ اپنے لئے ایک مثالی معشوق سے ملتا ہے ۔کیونکہ آچیلزؔ اپنے جنگجو رفیق پیٹروکلسؔ کی موت کا بدلہ لینے کی قسم کھاتا ہے ۔حالانکہ اسے دیوتاؤں نے متنبہ کیا تھا کہ اس میں وہ اپنی جان داؤ پر لگا رہا ہے۔لیکن فائیڈرسؔ شش و پنج میں پڑ جاتا ہے۔کس شخص کو کون سا کردار دے ۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کے معروف ترین المیوں میں ایک Myrmidons میں آچیلزؔ محافظ اور عاشق بنتا ہے ۔لیکن فائیڈرسؔ سمجھتا ہے یہ ہومرؔ کے ہم پلہ نہیں ہے ۔کیونکہ الیئڈ میں آچیلزؔ کی قابل ذکر وجاہت کا ذکر آیا ہے ۔ جو فائیڈرسؔ کی نگاہ میں اسے معشوق کے کردار کے لئے موزوں جانتا ہے۔

افلاطونؔ نے سمپوزیم غالباً ۳۸۵ق م میں لکھی تھی ۔ اس وقت تک مستحکم یونانی روایات کے مطابق آچیلزؔ اور پیٹروکلسؔ کو نہ صرف رفیق جنگ سمجھا جاتا تھا بلکہ پورے جسمانی معاملات میں بھی وہ عشق میں ڈوبے ہوئے تھے ۔کیا ہومرؔ واقعی یہ چاہتا تھا کہ ہم آچیلزؔ اور پیٹروکلسؔ کو گرفتار محبت سمجھیں؟ افلاطونؔ کے زمانے تک تو یہ سوال موضوع بحث رہا۔ ایک صدی پہلے تک تو اسکائی لسؔ ان کے تعلقات کو جنسی سمجھتا تھا۔ہمیں معلوم ہے کہ اس کی مرمائیڈنز ایک مقبول 'المیہ' تھی اگرچہ اس کے چند اقتباسات ہی ہم تک پہنچے ہیں۔ یہ جستہ جستہ تحریریں ان کے معاشقے کو پرشہوت اورعریاں ظاہر کرتی ہیں۔ان میں آچیلزؔ اپنے متوفی دوست کی ملامت کرتا ہے کہ وہ مقتول بنا اوراپنے غم واندوہ میں پیٹروکلسؔ کی ننگی لاش کو ایسی زبان میں خطاب کرتا ہے جو اتنی دوٹوک ہے جس نے اہل ایتھنز کو ششدر کردیا

ہوگا۔'رانوں کے اس مخلصانہ اختلاط' نے اسکائی لس کے شہوانی تعلقات کا ماجرا اکثریت نے اپنی داستان سمجھی ہوگی۔(حالانکہ ہم دیکھیں گے یہ سب کے لیے نہیں کہا جاسکتا) یہ سب کچھ یونانی کلاسیکل عہد کے عروج کے زمانے میں ہورہا تھا۔

ہمیں اس تفسیر کی شہادت ایتھنز کے سیاستدان آئے شائینز کی اس تقریر میں ملتی ہے جو اس نے اپنی صفائی میں عدالت میں چلنے والے مقدمہ میں کی تھی جو ۳۴۵ء میں قائم ہوا تھا۔وہ مذکورہ تقریر میں یونانی تہذیب کے واسطے ہم جنس پرستی کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور یہ استدلال کرتا ہے کہ اگرچہ ہومر نے یہ صاف صاف بیان نہیں دیا کہ آچیلز اور پٹروکلس عشق میں گرفتار تھے اس کے باوجود شستہ یونانی بین السطور میں یہ پڑھ لیں گے ۔حالانکہ کئی مقامات پر ہومر پٹروکلس اورآچیلز کا ذکر کرتا ہے وہ ان کے عشق کو چھپاتا ہے اور ان کی دوستی کو کوئی نام دینے سے اجتناب کرتا ہے۔یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے عشق کی عظمت اتنی نمایاں ہے کیونکہ اس کے سامعین تعلیم یافتہ ہیں۔دیگر قدیم مصنفین اسی روایت کی پیروی کرتے رہے جو لگتا ہے تمام امور پر حاوی چلی آرہی ہے۔

یہ سوال تاریخی کے ساتھ ساتھ ادبی اہمیت کا بھی حامل ہے۔ہومر کے دونوں رزمیے جن کے متعلق عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ انہیں ۸۰۰ سے ۷۰۰ق م میں کہا گیا۔بڑی حد تک ہمارے لیے نہایت اہم منابع ہیں جن سے عہد قدیم میں یونانی اطوار اور اخلاقیات کا پتہ چلتا ہے۔ان کی معنویت ان معنوں میں اہم ہے کہ اس زمانے میں یونانی ادبی تحریریں کثرت سے سامنے آنے لگی تھیں۔یعنی ۶۰۰ق م سے پہلے۔اس لئے یہ توجہ طلب ہے کہ ہومر مردوں کو الیڈ میں بتانے کے لئے قدیم کلاسیکی اصطلاحات ERASTES اور EROMENOS نہیں استعمال کرتا۔اور نہ ہی ایسی واضح مثالیں دیتا ہے جیسی یونان سے مخصوص عشقیہ رشتوں کو بعد میں اکثر شاعری، فلسفہ اور سوانح نگاری میں جگہ ملی ۔لگتا ہے کہ ہومر کی (ایونی) تہذیب میں ہم جنس پرستی نے وہ شکل اختیار نہیں کی تھی جیسا کہ آگے چل کر یونانی دنیا میں یہ پھلی پھولی۔ چند علماء جیسے برنارڈ سرجنٹ اس پر مصر ہیں کہ اس وقت بھی یہ اسی زوروں پر تھی مگر ہومر نے بیان نہ کیا۔لیکن سرجنٹ کا یہ خیال کہ مرد لونڈے کے باضابطہ تعلقات پورے یونان اور یورپ میں زمانہ قبل از تاریخ سے پھیلے ہوئے تھے یہ

ایسا نظریہ ہے جس کے لئے شہادتیں ناکافی ہیں۔

یہ ناممکن ہے کہ آچیلز اور پیٹروکلس کا جو کردار الیڈ میں ہے اسے کلاسیکل یونانی روایات میں سمو دیا جائے۔ آچیلز واضح طور پر جوڑے کا غالب رکن ہے۔ وہ یونانی جو ٹرائے کے میدان میں جمع ہوئے تھے۔ اس کا مرتبہ بطور جنگجو اور کھلاڑی کے پر عظمت تھا۔ وہ احکام جاری کرتا اور پہل بھی کرتا۔ پیٹروکلس چند خانہ داری کے امور انجام دیتا مثلاً کھانا پکاتا اور زخمیوں کی تیمارداری کرتا جیسا کہ کوئی مصاحب کرتا ہے اس کو ایسے ہی دیکھنا چاہیے کہ وہ eromenos کے کردار میں بیٹھتا ہے۔ لیکن ہومر یہ بھی بتاتا ہے کہ پیٹروکلس آچیلز سے عمر میں بڑا ہے اور جیسا کہ فائیڈرس کا بیان جو آچیلز کی جوانی اور حسن پر مصر ہے۔ اور دونوں ہی صنف مخالف سے بھی جنسی تعلقات استوار کرتے ہیں۔ ایک موقع ایسا بھی آتا ہے کہ دونوں افراد اپنے خیمے میں مخالف سمتوں کا رخ کر لیتے ہیں تا کہ جنگ میں ہاتھ آئی ہوئی کنیزوں سے داد عیش دیں۔

باایں ہمہ آچیلز اور پیٹروکلس جو جذبات ایک دوسرے کے لیے رکھتے ہیں وہ نہایت گہری جاذبیت والے ہیں۔ آچیلز کا پیٹروکلس سے برتاؤ نرمی اور وارفتگی کا حامل ہے اور اس کے عمومی نخوت اور انانیت سے لبریز رویے سے کھلم کھلا مختلف ہے۔ یونانی جنگجو بالعموم ناموری یا پھر اپنے قبیلے یا پھر شہر کے لیے لڑتے تھے۔ کتاب۔١٦ میں آچیلز رومانی تخیل میں شناوری کرتا نظر آتا ہے جس سے دونوں کے تعلقات ایسی رفعت پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سے ہر شے پست لگنے لگتی ہے۔ وہ اس کے آرزومند ہوتے ہیں کہ دیگر یونانی مر جائیں تا کہ وہ اور پیٹروکلس ہی صرف دشمن کا سامنا کریں اور ٹرائے کو فتح کرنے کا اعزاز حاصل کر لیں۔ جب پیٹروکلس، آچیلز کی زرہ بکتر پہنے پہنے جنگ میں قتل ہو جاتا ہے تو آچیلز اس غم میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے مردہ دوست کی لاش کو کبھی لپٹاتا ہے اور کبھی تھپتھپاتا ہے، اپنے سر کے بالوں میں راکھ ڈالتا ہے اور کھانے پینے سے انکار کر دیتا ہے۔ بلا آخر وہ ہیکٹر کو قتل کرنے کی ٹھان لیتا ہے جس نے پیٹروکلس کو قتل کیا تھا۔ حالانکہ وہ پژمردگی میں لڑنے پر تیار نہیں تھا اگرچہ وہ جانتا ہے کہ اس میں اس کی بھی موت ہو سکتی ہے۔

اسکندریہ میں ہومر کے مسودات میں نہایت سنجیدگی سے علمی پیمانے پر مدیرانہ انداز

میں دوسری صدی قبل مسیح میں تدوین کی گئی۔سیموتھریس کے رہنے والے ایرسٹارکس جسے 'سائنسی علوم کی فضیلت کا بانی' کے نام سے یاد کیا جاتا رہا کا یہ خیال تھا کہ ہومر کی یہ نیت نہ تھی کہ آچیلز اور پیٹروکلس کو عاشق ومعشوق ظاہر کرے ۔کیونکہ 'ہم دونوں ایک ہیں' کے پیراگراف سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ ان میں عشقیہ تعلق تھا۔اس کا استدلال یہ ہے کہ ہو نہ ہو اس کا بعد میں الحاق کیا گیا ہے ۔لیکن زیادہ تر مدیروں نے ان سطور کو قبول کر لیا اور دیگر اقتباسات ایسے جذبات کو ظاہر کرتے ہیں جو ان سے کسی حد تک مطابقت رکھتے ہیں۔ ایرسٹارکس کا نظریہ بلاشبہ متناقض لگتا ہے ۔کوئی یونانی جو مردوں کے درمیان عاشقانہ تفسیر کو مسترد کرتا ہو اس کے خیال میں مذکورہ سطریں ایسے خیالات سے متصادم ہیں۔ بات صاف ہے کہ جدید علمی تبحر اس سوال سے حیرت میں پڑ جاتا ہے یہی حال یونانیوں کا تھا۔اعتدال کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہم دستیاب متن پر اعتبار کریں۔ اور یہ تسلیم کرلیں کہ ان میں عاشقانہ تعلقات تھے (جیسا کہ ایرسٹارکس کو مجبوراً ماننا پڑا تھا) اور اس کے باوجود ہمیں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا جو اسے صریحاً جنسی صورت میں پیش کردے جیسا کہ اکائی لس میں ہوا تھا۔

کریٹ، اسپارٹا، چالسس :

ہم چاہے جس نقطہ نظر کو قبول کرلیں، ہم ایک نظر فریب مسئلے سے دوچار ہوں گے ۔ چونکہ پایڈے راسٹیا (لونڈے کی محبت) کا ذکر ہومر کی تحریروں میں کسی اہم ادارے کے طور پر نہیں ہوتا جیسا کہ بعد میں ہوا۔ہمیں تو یہ پوچھنا چاہیے کہ یہ تبدیلی کس عہد میں ہوئی اور اس کا سبب کیا تھا۔اس کا سب سے معروف جواب تو ہمیں نام نہاد ڈورین مفروضے میں ملتا ہے جسے پہلی مرتبہ انیسویں صدی کے آغاز میں کے ۔او۔مولر نے پیش کیا اور اسے مزید قابل قبول بنا کر ۱۹۰۷ء میں ایرک بیتھ نے شایع کیا۔اس نظریے کے مطابق (لونڈے کی محبت) جنگجو ڈورین قبائل کے تمدن کا حصہ تھی جو جنوب مغربی یونان میں بارہویں سے گیارھویں صدی قبل مسیح میں پھیلے ہوئے تھے۔انہوں نے پیلو پونیسس کا زیادہ تر حصہ فتح کر لیا اور کریٹ جیسے جزیرے کے علاوہ تھیرا اور رہوڈز بھی ، انہوں نے وہاں کے اصل

باشندوں کو مار بھگایا۔ جو آیونیا کے یونانی تھے۔ مشرق میں ایشیائے کوچک (جدید ترکی) تک لیکن ایتھنز کے ہاتھ میں آیونیا کی نو آبادیاں رہنے دیں۔ اور ایوبوائے تک جو ایک تنگ اور طویل جزیرہ ہے جو مشرقی ساحل پر یونانی جزیرہ نما سے جاملتا ہے۔

بلاشبہ یہ طے ہے کہ مرد اور لونڈے کے تعلقات نے کریٹ اور سپارٹا کی ڈورین برادریوں میں جنم لینے والی سماجی تنظیموں میں قدرے اہم کردار ادا کیا۔ افلاطون دونوں تمدنوں کی اپنی کتاب (LAWS) میں گرفت کرتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اس کے نزدیک پروانہ اجازت جاری کر دیا تا کہ لوگ ہم جنس پرستی کے عشق کی عملی سرگرمیوں کو بیان کر سکیں۔ ارسطو نے بھی دعوی کیا کہ اہل کریٹ نے ہم جنس پرستی کی ہمت افزائی کی تھی محض اس لئے تا کہ بڑھتی ہوئی آبادی پر قدغن لگ سکے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ کریٹ 'قانون ساز' نے اپنی ساری خوش تدبیری اس میں لگائے رکھی تا کہ عورتیں بچے نہ جنے پائیں۔ لیکن بڑی حد تک سب سے زیادہ تفصیلات جو ہم تک پہنچیں ہیں کہ کریٹوں نے کس طرح ہم جنس پرستی کو رسومات کا حصہ بنایا اور انہیں اپنے تمدن میں ضم کیا۔ یہ سب کچھ سٹرابو کی Geography میں موجود ہے۔ سٹرابو، آگسٹس، کے عہد میں گذرا ہے۔ اس نے یہ سب کچھ سایم کے ایفورس سے کشید کیا جس کی تحریریں تقریباً ۳۸۰ ق م کی ہیں۔ یہ عبارت کا ٹکڑا ایسی بشریاتی دلچسپی کا ہے کہ اسے پورا بیان کرنا چاہیے۔

> اہل کریٹ اپنے عشقیہ معاملات میں ایک مخصوص روایت رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ اشیا کو محبت سے جیتتے ہیں بجائے رام کرنے کے۔ اس کے بجائے وہ اغوا کرتے ہیں۔ عاشق اپنے لونڈے کے دوستوں کو تین یا چار دن پہلے آگاہ کر دیتا ہے کہ وہ اسے اغوا کرنے والا ہے۔ لیکن دوستوں پر لازم ہے کہ وہ لونڈے کو چھپا لیں اور اسے طے شدہ راستے پر نہ جانے دیں جو بھی نہایت شرمناک بات ہے۔ ایک اعتراف کے مطابق جیسا کہ واقعی ہوا کہ لونڈا اپنے عاشق کے ہم پلہ نہیں کہ اسے حاصل کر لے اور جب دونوں کا آمنا سامنا ہوتا ہے اگر اغوا کرنے والا لونڈے کا ہم پلہ نکلے یا رتبے میں فایق یا دیگر معاملات میں تو احباب اسے مجبور کرتے ہیں اور اس کا گھیراؤ کر لیتے ہیں اگرچہ بڑی نرمی سے یوں رسم بھی پوری ہو جاتی ہے اور

اس کے بعد وہ لونڈے کو اس کے حوالے کردیتے ہیں تاکہ لے بھاگے۔ اور اگر عاشق کم تر یا نااہل ہے تو دوست اسے لے کر غائب ہوجاتے ہیں۔

یہاں لونڈے کا کیرکٹر اہمیت رکھتا ہے یا اس کی 'مردانگی' نہ کہ اس کی خوبصورتی جس سے عاشق اس پر نثار ہوا تھا۔ تب لونڈا اپنے عاشق کے ہمراہ کسی دیہی علاقے میں قیام کو چلا جاتا ہے جہاں اسے چار آئینہ بنایا جاتا ہے۔ ایک بیل (زیوس دیوتا پر قربان کرنے کو) اور پانی پینے کا ایک پیالہ اس کے علاوہ تین بیش قیمت کے تحائف۔

علاوہ ازیں یہ ان لوگوں کے لئے رسوائی کی بات ہے جو بظاہر وجیہہ ہوتے ہیں یا پھر ممتاز پرکھوں کی نسل کے ہوتے ہیں اور عاشقوں کی تلاش میں ناکام رہتے ہیں۔ مفروضہ یہ قائم کرلیا جاتا ہے کہ ایسا انجام انہیں اپنے چال چلن کی وجہ سے دیکھنا پڑا۔ لیکن وہ سب جو اپنے دیرینہ عشاق کے ساتھ جنگ میں ثابت قدم رہے انہیں اعزاز ملتے ہیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں مثلاً ناچوں اور دوڑنے کے مقابلوں میں بلند ترین اعزاز و درجات ملتے ہیں۔ اور باقی ماندہ کے برعکس انہیں بہتر پوشاک پہننے کی اجازت ہوتی ہے۔ جسے آپ ایک عادت کہہ سکتے ہیں جوان کے عاشقوں نے ان میں پیدا کر دی تھی۔ لیکن یہ سلسلہ رکتا نہیں ہے بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہتا ہے جب وہ جوان ہوکر کڑیل جوان ہوجاتے ہیں۔ وہ امتیازی لباس پہنتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس حقیقت سے لوگ آگاہ ہوجائیں کہ ملبوس شخص باضابطہ ممتاز مرد (Kleinos) ہوچکا ہے کیوں کہ وہ معشوق کو یہی کہتے ہیں اور عاشق کو Philetor۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل سپارٹا نے مرد۔ لونڈے کے عشق کے لئے اہل کریٹ کے اثر میں اپنا ہی کوئی اداراتی نظام وضع کر لیا تھا۔ سپارٹا میں ایسے جوڑے میں لڑکا 'سننے والا' کہا جاتا جبکہ اس کا مربی 'فیض رساں' کہلاتا۔ پلوٹارک ایک ایسی کہانی سناتا ہے جس میں ایک شخص کو اس لئے سزا ملی کیونکہ ایک لڑائی کے دوران میں ایک لونڈا چیخنے چلانے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ اس طرز کے مربیوں کا افتتاح سپارٹا کے داستانی 'قانون گو' لکرگس نے کیا جو کریٹ کا دورہ کر چکا تھا۔ سپارٹا کی رسوم کی تفصیلات بتاتے ہوئے زینوفون یہ کہتا ہے

کہ لکرگس نے جنسی تعلقات کی سختی سے ممانعت کر دی تھی اور سپارٹا والے اس پر کار بند بھی رہے اور کہتے تھے اس نوعیت کے جوڑے پاک دامنی پر قائم تھے۔ لیکن وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس پر حیران نہیں جب لوگ اس پر اعتبار کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کیونکہ کئی ریاستوں میں اس قسم کی ہوس رانی کی ضرورتیں پوری کرنے میں قوانین مانع نہیں ہیں۔ اہل ایتھنز زینوفون کے جائز شک کے ہم خیال ہیں۔ آٹک زبان میں "LACONIZE" کے معنی ہیں گانڑ مارنا یا وصلہ کرنا ہے۔ اشارتاً اس علت کو اہل لاکونیا سے منسوب کرتا ہے۔ جو اہل سپارٹا ہیں۔

چونکہ بیتھ نے یونانی پاڈیراسٹیا کے متعلق اپنے نظریے میں جو ڈورین منبع کا ذکر کیا ہے اور جس پر اکثر سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ کینتھ ڈوور اپنی کلاسک تحقیق میں اشارہ کرتا ہے کہ افلاطون سمپوزیم میں کریٹ اور سپارٹا کا نام نہیں لیتا بلکہ ایلس اور بویوشیا کا جو دونوں غیر ڈورین برادریاں ایسی تھیں جن کے قوانین لونڈوں سے محبت کی غیر مشروط حمایت کرتے تھے۔ ایلس شہر اولمپیا کے شمال مغرب میں چند میل پر واقع تھا اولمپک کھیلوں کے انتظام و انصرام کا ذمہ دار تھا۔ جہاں تک بویوشیا کا تعلق ہے اہل ایتھنز کی کہاوت میں گنوار و اور سالخوردہ خطہ تھا۔ اس کی راجدھانی تھیبز تھی۔ جہاں پر مشہور مقدس طایفہ جو مرد عشاق پر مبنی تھا بعد میں منظّم کیا گیا۔ کچھ بھی کہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ اہل آیونیا تھے (جن کی بولی ہومر نے استعمال کی) جو استثنائی طور پر اس شوق سے لاتعلق سے تھے۔

ابھی حال ہی میں ولیم پرسی نے اپنی شاندار تحقیق میں یہ استدلال کیا ہے کہ اس معاملے کی پہلی اور ادارہ جاتی شکل شمالی ڈورین میں نہیں وقوع پذیر ہوئی بلکہ یہ بھی کریٹ میں ہوا تھا وہ بھی ساتویں صدی عیسوی میں جا کر۔ پرسی نے یہ ظاہر کرنے کے لئے ایسی ذی وقار شہادتیں پیش کیں کہ یونانیوں کی اکثریت یہ سمجھتی تھی کہ تمام عاشقانہ روایات کا ممتاز ذریعہ کریٹ تھا۔ اس کا یہ بھی استدلال ہے کہ برّی علاقوں کے شہروں کے پاس اس بات کے لئے معقول وجوہ تھیں کیونکہ ان کی آبادیاں، آبادی کی کثرت سے پھٹنے والی تھیں یوں انہیں اہل کریٹ کے نقش قدم پر چلنا پڑا۔ اس کے باوجود ایک واقعہ ایسا ہے جو پلوٹارک کی کتاب (Dialogue on Love) میں ملتا ہے (۱۲۰ ق م) جس سے یہ لگتا

ہے کہ چند شہر ضرور ایسے تھے جو انتہائی ابتدا میں شمالی تمدن سے متاثر ہو گئے ہوں۔ چالسس کے مقام پر ایک واقعہ پیش آیا تھا جو ایوبویا کے ساحل پر آیونین شہر تھا۔ اس کہانی میں جو ایک نادر عنصر ہے اس کا یہ منشا ہے کہ وضاحت کی جائے کہ ایک برادری نے کس طرح لڑکوں کی محبت کے متعلق اپنے منفی تصورات کو بدل کر انہیں مثبت بنا لیا۔ اس کا تعلق ایک معرکے سے ہے جو نام نہاد کی لی لانٹاین جنگ میں پیش آیا۔ جو قیاساً ۷۰۰ ق م سے پہلے شروع ہوئی تھی اور غالباً ۶۵۰ ق م میں ختم ہوئی۔ اب پلوٹارک سے سنئے

'بلاشبہ آپ فارسالیا (تھیسالی میں) کلیوماکس کی کہانی جانتے ہیں اور لڑائی میں اس کی موت کا سبب بھی جانتے ہیں۔۔۔ کلیوماکس اہل چالسیڈ یہ کی مدد کو اس وقت آیا تھا جب جنگ لی لانٹاین اریٹریا والوں سے زوروں پر لڑی جا رہی تھی۔۔۔ اس کے حلیفوں نے کلیوماکس سے درخواست کی جو غیر معمولی شجاع تھا اور پہلا شہسوار تھا جو حالت جنگ میں گھوڑا بدل چکا تھا۔ اس کا لونڈا بھی وہیں موجود تھا یوں کلیوماکس سے بغل گیر ہوا اسے خود پہنایا۔ جوش شوق سے وارفتہ کلیوماکس نے تھیسالیا کے تمام جری لوگوں کو اپنے پاس جمع کر لیا اور پھر دھاوا بول دیا اور غنیم پر ٹوٹ پڑا۔ اس میں اتنا کس بل تھا جس سے دشمن کا رسالہ حواس باختہ ہو جانے سے گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا گیا یوں اہل چالسیڈ یہ کو فیصلہ کن فتح ہوئی۔ تاہم یہ کلیوماکس کی بدنصیبی تھی کہ وہ لڑائی میں مارا گیا۔ اہل چالسیڈ یہ اس قبہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو بازار کے وسط میں ہے اور جہاں آج تک ایک بلند مینار موجود ہے۔ اس سے پہلے وہ امرد پرستی پر تیوری چڑھاتے تھے۔ لیکن اب وہ نہ اسے قبول کرتے ہیں بلکہ اس کا اتنا احترام کرتے ہیں جتنا دوسرے نہیں کرتے۔

کلیوماکس کی کہانی کے گرد ایک رومانی ہالہ بھی ہے۔ پلوٹارک چٹپٹی کہانیوں کا بڑا شوقین تھا۔ ارسطو اسی واقعے کی کوئی اور روایت بیان کرنے کے واسطے ایک مقبول نظم کا سہارا لیتا ہے جو فرقہ واریت سے لبریز ہے۔

اے پر شکوہ لڑکو جو اعلی خاندانوں کے چشم و چراغ ہو

ان بہادر لوگوں کے متعلق دل میں میل نہ لاؤ جو تمہارے حسن پر گفتگو کرتے ہیں

جوشہر چالسس میں محبت کے علاوہ اعضاء گنواتے ہیں
مگر یہ سب کچھ شجاعت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے

یونانی شہروں پر چالسس کی فضلیت کی وجہ لونڈوں سے محبت تھی جس کی تصدیق ایک اور معتبر ذریعہ سے ہوتی ہے۔ ایتھنایوسؔ کی کتاب (The Sophists at Dinner) میں ایک غیر رسمی علمی مباحثے کا ذکر ملتا ہے جو مصر میں ۲۰۰ ق م میں ہوا تھا۔ یہ زمانہ پلوٹارکؔ کے بعد ایک یا دو پیڑھیوں کا ہے۔ اس میں لاتعداد موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جن میں سنجیدہ بھی ہیں اور بے مطلب بھی۔ عشق اس کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک ہے اور ایتھنا یوسؔ یہ بتا تا ہے کہ لونڈوں کے عشق کے معاملے میں اہل چالسیڈ یہ کا مقام اہل کریٹ کے بعد دوسرے درجہ پر آتا ہے جہاں تک لونڈوں کی محبت کی شان وشوکت کا تعلق ہے۔ اس نے یہ بھی دعوی کیا کہ زیوسؔ، گینی میڈؔ کو ماونٹ اڈا سے لے کر نہیں بھا گا تھا جو ٹرائے کے نزدیک ہے بلکہ چالسس میں واقع ولایتی حنا کے جھنڈ میں سے' جسے اس واقعے کی یاد میں ہرپاجین کہا جاتا۔ اہل ایتھنز اس روایت کو سلامی پیش کرتے اور انہوں نے یونانی زبان کی پرشہوت لغت میں ایک فعل 'چالسیڈ ایز' کا اضافہ بھی کرلیا۔ اگرچہ ہم یہ بات کسی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ قدیم یونان میں کب اور کہاں اغلام بازی کے ادارے کا آغاز ہوا۔ ہاں ہم یہ طے کرسکتے ہیں کہ یہ خصوصاً کریٹ اور سپارٹا سے وابستہ تھا اور بعدازاں آیونیا کی نوآبادیوں کالچس اور ایتھنز تک پہنچ گیا۔

ایتھلیٹک اور مسلک حسن پرستی:

علاوہ اس کے کہ اسے جرات پیدا کرنے کا محرک سمجھا جاتا یونانی تمدن کے تین اور گوشے مردانہ عشق کو تقویت پہنچاتے۔ یہ تھے یونانیوں میں ایتھلیٹک کا شوق، اس کی قبولیت کہ مرد ننگے رہیں۔ اور ان کا مردوں سے مخصوص مسلک حسن پرستی۔ زمانہ ابتدا سے یونانی جسمانی کھیل کے کھلاڑیوں کو سر پر بٹھاتے۔ پہلی وجہ تو یہ تھی کہ جنگجو بنانے کے لئے مفید تربیت مل جاتی جس میں کھلاڑی کا بھی فائدہ تھا۔ جسمانی کھیلوں کے مقابلے میں جو

الیڈ میں نمایاں ہیں۔ جس میں ان کھیلوں سے متعلق واضح تفصیلات ملتی ہین جو پیٹر وکلس کے جنازے کے وقت ہوئے تھے۔ یونانیوں نے دیگر واقعات کو اپنی تاریخ میں اس وقت سے درج کرنا شروع کیا جب انہوں نے اولمپک کھیلوں کو ضابطہ تحریر میں لانا شروع کیا۔ جو ہمارے خیال میں ۷۷۶ ق م میں شروع ہوئے تھے۔ سپارٹا میں انہوں نے بالخصوص اپنی فوجی حکمرانی کے جزو کے طور پر کھلاڑیوں کی ہمت افزائی کی۔

جہاں تک برہنگی کا تعلق ہے ایک مشکوک روایت چلی آرہی ہے یہ اس اولمپکس میں شروع ہوئیں جو ۷۲۰ ق م میں ہوئے جب دوڑ میں شریک میگارا کے ایک شخص نے ایک جگہ اپنا لنگوٹ اتار پھینکا۔ یا اپنا لنگوٹ گم کردیا۔ تاہم تھوسی ڈائڈس برہنگی کی اختراع کو حال ہی کی بات کہتا ہے۔ بالآخر نہ صرف کھلاڑی بلکہ مذہبی تقریبات میں یہی امتیازی رنگ ہوتا۔ سولہ سالہ سوفوکلیز نے میراتھن کی لڑائی میں کامیابی کی خوشی میں ہونے والی پریڈ کی اس طرح قیادت کی کہ وہ بالکل ننگا تھا اور جسم پر چپڑے ہوئے تیل کی وجہ سے بدن چمچما رہا تھا۔

بلدیہ کے اسکولوں نے کثرت کرنے کی اس روایت کو یہیں سے لیا ہے۔ ہمارا لفظ جمنازم یونانی لفظ 'جمنوز' سے مشتق ہے جس کے معنی 'ننگا' ہے۔ یہ اسکول دونوں مقاصد پورا کرتے یعنی جسمانی کثرت اور بطور سماجی مرکز کے جہاں مرد اور امرد مل سکیں۔ سیاست پر گفتگو کریں، فلسفیانہ رنگ دیں اور داؤ لگے تو عاشق تلاش کرلیں۔ کُشتی کے اکھاڑوں والے اسکول جو نوجوانوں کے لئے تھے ایسی ہی سرگرمیوں کے لئے قائم کئے جاتے تھے۔ ان میں سے چند ایک عمارات کو ایروز کے مجسموں سے بھی آراستہ کیا جاتا جس سے تحریک ہوتی کہ خوبصورت جسم ہی پرشوق مراسم پیدا کرسکتا ہے۔ افلاطون کے متعدد مکالمات والے معرکے کُشتیوں والے اسکولوں میں ہوئے۔ لایس کا مکالمہ کللکس کے اکھاڑے میں تخلیق پاتا ہے۔ مکالمہ چار مائڈس میں سقراط جو وجیہ نوجوانوں کا گہرا مداح تھا کہ ای ٹیاز سے پوچھتا ہے جو اپنے اکھاڑے کا حسین ترین جوان تھا جہاں دونوں پہلی مرتبہ ملے تھے۔ جب۔۔۔ چار مائڈس پہنچتا ہے تو مرد اور لڑکا ٹھٹک کر سناٹے میں آجاتے ہیں اور مبہوت ہوجاتے ہیں کہ دیگر بے خیالی میں اپنی بینچوں پر سرکنے لگتے ہیں اور دیگر اسے جگہ دینے کی پیشکش کرتے

ہیں ۔ ہمارے عہد میں اس سے ملتی جلتی مسحوریت اس وقت دیکھی جا سکتی ہے جب کوئی خاتون فلم اسٹار کسی ویران علاقے میں قائم کسی فوجی اڈے پر قدم رکھتی ہے۔ ایسا خیال تو کسی کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا کہ مردانہ حسین خدوخال کے لیے کوئی ایسی وارفتگی کا مظاہرہ کرے گا۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ایلس ایک ایسی برادری تھی جو اولمپک کھیلوں سے گہری وابستگی رکھتی تھی۔ افلاطون، زینوفون اور پلوٹارک سب ہی یہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا شہر ہے جس کا تحریری ضابطہ مردانہ تعشق کی ہمت افزائی کرتا ہے ۔ اس کے عوامی تہواروں میں مردانہ مقابلہ حسن بھی شامل تھا جس کو اول انعام دیا جاتا۔ جو بقول تھیوفراسٹس ہتھیاروں کا ایک مجموعہ ہوتا۔ یہ تقریب مذہبی کے علاوہ جمالیاتی اہمیت کی بھی حامل ہوتی۔ ایک متین جلوس کامیاب فرد کے ساتھ اتھینا کی قربان گاہ تک چلتا جہاں پر ہتھیاروں کو دیوی کے بھینٹ چڑھا دیا جاتا۔ اسی سے ملتا جلتا مقابلہ میگارا کے مقام پر بھی ہوتا جو کورنتھ کے قریب ایک ڈوریائی شہر تھا۔ ایک مرتبہ پھر وجاہت عشق اور جرات کا مشترکہ جشن برپا ہوتا۔ یہ میلہ ڈایوکلی یا کہلاتا ۔ یہ اتھینز کے ایک شہری ڈایوکلز سے موسوم تھا جو میگارا کے رہنے والے اپنے امرد کو لڑائی میں بچاتے ہوئے مارا گیا تھا۔ تھیوکریٹس نے دلفریب انداز میں اپنی بارہویں نظم میں بیان کیا ہے

میگاریا نیسائے کے مرد جو چپورانی میں ماہر ہوتے ہیں
تمہارے جیون پھلیں اور وہ بھی جو بعد میں آئیں گے
تمہارے زرق برق لباس والے مہمانوں کی عزت افزائی ہو ڈایوکلز جس نے اپنی
جان محبت پر نچھاور کی
موسم بہار کے آنے تک اس کے قبے کے چہار طرف
لڑکوں کا اژدھام ہو جاتا ہے اور وہ باہم سبقت کرتے ہیں کہ انہیں بھی چومنے کا
انعام ملے
اور وہ جو مزید شیریں انداز میں اپنے ہونٹوں کو دوسرے کے ہونٹ میں پیوست کرتا ہے
ہاروں سے لدا وہ پرافتخار انداز میں ماں کے پاس گھر لوٹتا ہے۔

نوجوانوں کے حسن کو یونانی فن میں بھی سراہا جاتا تھا۔ عہد عتیق اور کلاسیکی زمانے کی

مجسمہ سازی نے سب سے زیادہ ولولہ نوجوان مرد کھلاڑیوں، خداؤں اور جنگجوؤں سے کشید کیا۔ یہی سب کچھ گلدانوں پر رنگ و روغن سے کیا گیا۔ آراستہ گلدانوں کو موسومہ اشخاص سے منقش کیا جاتا جو نوجوان کا نام اور صفت ہوتی یعنی (Kalos) خوبصورت۔ ایسے کوئی پانسو سے اوپر ظروف ہم تک پہنچے ہیں۔ سکالرز کوئی دوسو سے اوپر مختلف نام اب تک گن چکے ہیں۔ سب ہی مرد ہیں ان تیس عورتوں کو چھوڑ کر جو ایتھنز والوں کی منظور نظر تھیں۔ معزز خواتین جنہیں نسوانی رہائش کے علاقوں میں گھر دے کر علیحدہ رکھا جاتا۔ انہیں مذکورہ طریقے سے نہیں منایا جاتا۔ کیونکہ اس چرچے سے ان کی توہین ہوتی اور انہیں متعدد مراعات سے دستبردار ہونا پڑتا۔ لیکن اعلی سماجی طبقوں کے خوبصورت لڑکوں کا معاملہ جدا تھا اور بہت سے نامور گلدانوں کو آراستہ کرنے والوں میں سے متعدد نے اپنی مصنوعات کو نامور لڑکوں کے ناموں اور عہدوں سے مزین کیا۔ جو نام ان میں دیکھنے میں آئے ہیں ان میں ملٹیاڈیس اور السی بایدیس کے نام ہیں۔ شاعر تھیوگنس اور ڈرامہ نگار آگاتھون۔ رابنس اور فلک دونوں نے سقراط کے حلقے کے کئی ناموں کا ذکر کیا ہے ان میں کئی فوجی جنرل اور ایک قابل ذکر تعداد میں خطیب اور مدبر شامل ہیں۔ ایسے نام جو تواتر سے ملتے ہیں۔ جو تقریباً چالیس مرتبہ ہے لیگروس جو ایتھینز کا جنرل ہے جو ۴۶۵ ق م میں تھریس کے مقام پر ایک بیڑے کی قیادت کرتا ہوا مرا تھا۔ ان لوگوں کو جو چاہے ان کو دکھایا گیا ادھیڑ یا پھر ضعیف سب ہی میں ولولہ خیز وصف 'جوان' ہی درج ہے۔

ناگزیر طور پر ہمیں سوچنا چاہیے آیا یہ تمام رشتے 'افلاطونی' تھے یا پھر یہ بدل کر جنسی تعلقات میں ڈھل گئے۔ کلاسیکی عہد کی تحریری شہادتیں تو مقابلتاً ادنی سی ہیں مگر پھر بھی کوزہ گری سے ہمیں چند اشارے ملتے ہیں۔ پراچین عہد کے آخر آخر میں جو ۵۷۰ سے ۴۷۰ ق م کا ہے نقاش نے تسلسل کے ساتھ گلدانوں کو شہوت انگیز مناظر سے مزین کیا۔ ان میں سے زیادہ تر گانڑ مارنے کے منظر ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ مرد طوائفوں سے اٹھکھیلیوں میں مصروف' چند عورتیں دخول کے لیے تیار' کچھ مقعد میں دخول کے لیے بے تاب اور باقی ماندہ مرد ساتھی کا آلت چوستے ہوئے۔ لیکن مناظر کی ایک معقول تعداد ہم جنس پرستی کی ہیں۔ جنس کاری اگرچہ اس میں زیادہ واضح نہیں ہے۔ مرد لڑکوں کو تحائف دے کر پرچاتے

ہیں ۔جو عموماً ہار یا ایک خرگوش یا چھوٹا سا مرغ۔کبھی کبھی لڑکا غائب بھی ہوتا ہے ۔ ایک گلدان پر ایک ادھیڑ عمر کا شخص ایک گدے پر لیٹا ہوا ہے ان لفظوں کو گنگنا رہا ہے جو گلدان پر کھدے ہوئے ہیں ''اے خوبصورت لڑکے'' (یہ تھیوگنس کی نظم کا مطلع ہے) جبکہ تحفہ دینے کے لئے خرگوش دبکا بیٹھا ہے ۔کہیں کہیں چھیڑ چھاڑ براہ راست ہے ۔ایک آدمی ایک لڑکے کے شانے پر اپنا ہاتھ بزور جمائے ہے جبکہ لڑکا مذہبی جلوس میں اس کے آگے آگے چل رہا ہے۔ایک اور گلدان میں ایک لڑکا اپنا چہرہ اس طرح بلند کرتا ہے جیسے وہ نہایت وجیہہ جوان کا بوسہ وصول کر رہا ہو جو جنگی ٹوپی اوڑھے ہے۔غالباً یہ اشرافیہ کی جنگجو نسل سے تعلق رکھتا ہے ۔ایک عام سی گھسی پٹی تصویر یہ دکھاتی ہے کہ ایک آدمی ہاتھ بڑھا کر لڑکے کی مسلمانی کو ایک ہاتھ سے چھونے کی کوشش کر رہا ہے اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی پھسلانے کے لئے سہلا رہا ہے ۔گاہ گاہ لڑکا اس طرح بازو پھیلاتا ہے جس سے دراز دستی کی ہمت شکنی ہو۔دوسرے لڑکے ہم آغوشی کے بے تاب ہیں۔کچھ تو اچھلتے ہیں تا کہ دراز قد مردوں کو چوم لیں ۔ایک بالکل جدا خاکہ تو یہ دکھاتا ہے کہ ایک شخص ننگا بیٹھا ہے۔اس کی جسمانی حالت بھی طاقتور ہے اور استادگی بھی ہے۔ وہ کھلاڑی کے عضو تناسل اور فوطوں کو سہلا رہا ہے اور اس کی دونوں رانوں کے درمیان کھڑا ہے اور بازوؤں کو مرد کی گردن میں لپیٹ رہا ہے زیادہ تر شبیہات میں فنکاروں نے عمر رسیدہ مرد اور نوعمر لڑکوں کو دکھایا ہے۔عشاق ہمیشہ باریش نہیں ہوتے ۔عرصہ معاشقہ کے مناظر میں نوعمر لڑکوں کو نوجوانوں کے ساتھ دکھایا گیا ہے ۔ایک مشہور گلدان کئی جوڑوں کو دکھاتا ہے ۔ایک جانب نوجوانوں کو دوشیزاؤں سے شائستگی سے چُہل کرتے دکھایا ہے اور دوسری طرف تین جوڑے جو سب ہی مرد ہیں بلاخوف تردید مارتے مراتے ہوتے نظر آتے ہیں۔

بھٹی میں پکے ہوئے ظروف صدیوں بعد بھی اصل حالت میں مل جاتے ہیں ۔ دیوار پر بنی ہوئی تصاویر مقابلتاً کم دیرپا ہوتی ہیں کیونکہ ان کا رنگ اڑ سکتا ہے یا پھر پلاسٹک کی پپڑیاں اکھڑ جاتی ہیں ۔ جو پر اثر شاہکار تھے جن کی تعریف میں یونانی نقاد تھکتے نہ تھے وہ ہم تک نہ پہنچے اور تعداد میں بہت تھوڑی سی دیوار گیر تصویریں بچی ہیں۔سن ۱۹۶۸ء میں بہت دلچسپی پیدا ہوگئی جب پایسٹم میں واقع ایک مقبرے میں تقریباً درست حالت میں دیوار

گیر تصاویر دریافت ہوئیں جو لگ بھگ ۴۷۰ ق م کے زمانے کی ہیں۔ یہ یونانی شہر نیپلز کے قریب ہے۔ڈایور مقبرے کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ڈھکنے کے اندر کی جانب نقش و نگار ملے ہیں۔ اس کے مناظر نشاط انگیز مے نوشی کی پارٹی کے ہیں۔ مرد جوڑوں کی حالت میں کشادہ کرسیوں میں قدیم یونانی روایت کے مطابق دراز ہیں۔ چند ایک اپنے خالی جام ساقی کی جانب بڑھا رہے ہیں۔ لیکن ایک شخص اپنے داہنے ہاتھ والی کرسی پر براجمان جوڑے کی طرف دلبستگی سے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے۔ یہ دونوں دنیا و مافیہ سے بے خبر بوس و کنار میں غرق ہیں۔ ایک وجیہہ باریش جوان مسکرا رہا ہے اور مسحور ہو کر اس نوجوان کی آنکھوں میں جھانک رہا ہے جو اس کی بغل میں لیٹا ہے۔ اس کا بوسہ لینے کی غرض سے اسے کھینچتا ہے جس سے اجتناب کے لئے نوعمر ہلکی سی مزاحمت کرتا ہے۔منظر کا حیات آفریں اغماض یہ ظاہر کرتا ہے کہ یونانی محافل میں اس قسم کے اطوار کتنے عام ہوں گے کہ جوں ہی شراب کا پہلا جرعہ حلق سے اترا یونانی سماج اپنی اصل جون میں آ جاتا ہے او وہ کس طرح عشق و محبت کے کھیل میں رنگ جاتا تھا۔

سیفوؔ :

ایتھنز کی اس زمانے کی کوئی بھی سیفوؔ نامور عورت کسی بھی سماجی اجتماع میں کبھی نہ آتی جہاں مرد بھی ہوں یہاں تک کہ اپنے گھروں میں بھی۔ ایسا کرنے کا مطلب بادی النظر میں یہ شہادت ہوتی کہ وہ طوائف ہے۔ پندرہ سولہ برس کی عمر میں خود سے دگنی عمر کے مرد سے شادی کے بعد وہ گھر میں مقید ہو کر رہ جاتی گھر سے اگر نکلتی تو محض تہواروں میں یا پھر رشتہ داروں کے ہاں جانے کے لئے۔عورتوں کو تعلیم اور دنیا کے بارے میں معلومات سے اتنا محروم رکھا جاتا جس سے ان کا مبلغ علم اتنا کم ہوتا کہ ان کے لئے خاوندوں سے گفتگو کرنا بھی دوبھر ہوتا۔ اس بنیاد پر چند مبصرین جیسے شلؔیے نے قیاس لگایا کہ کلاسیکل عہد میں عورتوں کی ادنی فکری صلاحیت نے عین ممکن ہے مردانہ ہم جنس پرستی کی ہمت افزائی کی ہو۔
مگر یوں لگتا ہے کہ عہد ہومرؔ میں بعد کے زمانے کے مقابلے میں کم پابندیاں تھیں۔

ایتھنز کی المیہ کہانیوں کی پر اثر ہیروئینیں اسی ابتدائی سورمائی دور میں پیدا ہوئی تھیں۔خواتین کی عظیم تر آزادی لگتا یوں ہے جیسے ایک تمدن میں یہ لشتم پشتم چلتی رہی ۔ وہ ہے لیزبوکا آئے یولیان تمدن ۔جس نے سیفوؔ کو جنم دیا۔ مائی ٹلین میں ہونے والے حسن کے مقابلوں میں نوجوان عورتیں حصہ لیتیں نہ کہ لڑکے اور وہ انعام حاصل کرنے کے لیے مسابقت کرتیں۔سیفوؔ کی ہم عصر شاعرہ الکائیسؔ نے ایک سالانہ عامی تہوار کا ذکر کیا ہے ''جس میں چپٹی کھیلنے کی شوقین لڑکیاں فرشی پوشاکوں میں آگے پیچھے پا پیادہ چلتیں تاکہ ان کے حسن کا فیصلہ ہوسکے اور ان ہی کے گرد عورتوں کی حیران کن مقدس چیخ ہر سال گنگناتی ہے ۔'' اس میلے سے لگتا ہے کوئی دینی رسم منسوب ہے۔

لزبو کے معروف ترین شہریوں کے وجود کا دارومدار حسن کی پرستش پر تھا۔سیفوؔ کی زندگی کے متعلق ہماری معلومات پارہ پارہ اور مسائل سے پر ہیں۔لیکن بات تو یقینی ہے کہ سیفوؔ پھولوں کی خوبصورتی ،سونے اور دھوپ پر' معبدوں کے چمن سایہ دار پر اور سب سے بڑھ کر حسن نسواں پر محیط ہے ۔ غالباًوہ کسی اشرافیہ کنبے میں ۶۱۰ ق م کے لگ بھگ پیدا ہوئی۔ وہ مائی ٹیلین کے شہر میں پروان چڑھی ،شادی کی اور ایک بیٹی کو جنم دیا۔اگرچہ ایک انقلاب کی وجہ سے اس نے سسلی کی عارضی ملک بدری بھی جھیلی۔وہ جلد ہی لوٹی' عورتوں اور لڑکیوں کی ایک ٹولی کی سرغنہ بنی جو اس کی جمالیاتی اور شہوانی معاملات میں ہم مذاق تھیں ۔اس کے نغمے ہمیں بتاتے ہیں کہ ان عورتوں نے اس کے اندر ہیجان خیز طاقت بھر دی۔

وہ ایسا خوش نصیب لگتا ہے جیسے کہ دیوتا مجھے لگتے ہیں
وہ شخص جو تمہارے سامنے بیٹھا ہو
اور قریب ہی سے تمہاری شیریں آواز اور دلفریب ہنسی سنے
سچ تو یہ ہے کہ میرا دل میری چھاتی میں پھڑ پھڑانے لگتا ہے
کیونکہ جب میں تمہیں ایک لمحے کے لئے دیکھتی ہوں
تو میری گویائی سلب ہو جاتی ہے
میری زبان سکڑ جاتی ہے

یکا یک بے صدا آتش میرے گوشت پوست میں اتر گئی
اب نہ آنکھوں سے سجھائی دیتا ہے نہ ہی کانوں میں کوئی صدا آتی ہے
کورا پنڈا پسینے میں نہا گیا اور ایک کپکپی کی کیفیت مجھ پر غالب آ چکی ہے
مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں لبِ دم ہوں

بڑے تسلسل کے ساتھ سیفوؔ اپنے امتیازی وصف 'شدت احساس سے ہمارے اعصاب کو جھنجوڑ دیتی ہے ''محبت تو یوں میرے دل کو جُھلا رہی ہے جیسے آندھی میں پہاڑ پر پیڑ کانپے''۔''ایک مرتبہ پھر ریشہ ریشہ کر دینے والی محبت سے لرزہ براندام ہوئی جاتی ہوں۔ یہ تلخ و شیریں عشق۔۔۔''تم آئے تو میں تمہارے ہی لئے تڑپ رہی تھی'تم نے کلیجہ تو ٹھنڈا کر دیا جو فراق سے تڑپ رہا تھا۔'' اس میں حیرانی نہ ہونا ہونی چاہیے کہ سیفوؔ کی پسندیدہ دیوی افروڈایٹ تھی۔ جس سے وہ ایک پر خشوع عبادت کے دوران میں فریاد کرتی ہے ۔یہاں ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو نام نہاد ''سافک'' بحر میں ہے جسے اس نے شہرت دی

چمکدار رنگوں میں ملبوس تخت پر جلوہ افروز ہے، امر' افروڈایٹؔ
جوزیوسؔ کی نازک ترین بیٹی ہے' اور اب میں دعا کرتی ہوں
میری روح کو غم کے کچوکے نہ لگا
اے دیوی' غم سے بچا
۲۔یوں نازل ہو جیسے ایک مرتبہ جھپٹا مار کر آئی تھی
میری التجا دور سے سن لی تھی اور میری دعائیں بھی قبول ہوئی تھیں
تم ایک مرتبہ اپنے باپ کے محل سے اتر پڑی تھیں ہر شے طلائی ہو گئی اور جگمگانے لگی
۳۔اس اندھیری دنیا تک جہاں تمہیں گوریاں لے کر آئیں
ان کے پر آسمان میں رقصاں تھے جب وہ اثیر میں تیر رہے تھے
اور وہ آسمان کے مرکز میں سے آ گئے
۴۔ ناگاہ وہ یہاں پہنچ گئے اور تم بھی اے بھاگوان
تمہارے جاوداں چہرے پر ایک تبسم کھیل رہا تھا، نرمی سے تم نے پوچھا

میرے دکھ کا سبب اور طلب کرنے کی وجہ
اور تم نے مجھے کیوں بلایا ہے
۵۔تب تم نے پوچھا کہ بتا تیری سب سے بڑی آرزو کیا ہے
جو میرے مضطرب دل میں، میں کس پر فتح چاہتی ہوں
اے حسین لڑکی مجھے پتہ تو چلے کہ میں تجھے کیوں چاہوں؟
سیفو، تجھے کون گزند پہنچانے والا ہے۔
۶۔کیونکہ جو بھی تجھ سے گریز کرتی ہے، جلد ہی تجھے چاہنے لگے گی
جو تیرے تحائف لوٹا دیتی ہے، تجھے جلد ہی بھیجنے لگے گی
اگرچہ فی الحال وہ تجھے نہیں چاہتی، جلد ہی وہ تجھ سے محبت کرنے لگے گی
اگرچہ آغاز میں بادل ناخواستہ
۷۔میرے پاس اسی طرح آؤ جیسے پہلے پہل تم آئیں تھیں! آکر
ہر غم سے مجھے بچاؤ، جلدی سے نکال دو میرے دل کی حسرتیں
لبریز کرو تم خود ہی اور میری جنگ بھی لڑو۔

بطور شاعرہ کے سیفو پر کئی یونانیوں کی نظر ہومر کے بعد پڑتی ہے جو عظیم ترین نغمہ نگار شبیہ شاعرہ اور وہ عظیم الشان رزمیہ گو شاعر ہے۔افلاطون نے تو اسے "The Tenth Muse" کہا تھا۔اس کی شبیہ تو اس کے آبائی ریاست مائی ٹیلین اور دیگر ریاستوں کے سکوں پر نمودار ہوئی۔اس کے مجسموں اور دستی تصاویر نے تو پورے بحیرہ روم کے خطے کی عزت افزائی کی۔یہ سب کچھ اس کے باوجود ہوا کہ اس نے متعدد مرتبہ اپنی نظموں میں عورتوں سے محبت کا اقبال کیا تھا۔ایسے اعترافات جنہوں نے لفظ "Lesbian" کو عورتوں کی ہم جنس پرستی کے ہم معنی بنا ڈالا۔ایک قدیم مبصر مکیسی مس جو ٹایر کا رہنے والا تھا دوسری صدی قبل مسیح میں لکھتے ہوئے اپنے چیلوں کے لئے اس کے عشق کا سقراط کے شاگردوں سے تعشق کا موازنہ کرتا ہے لیکن اس کی نظموں کے چند ہی قاری ان خیالات سے اتفاق کریں گے۔جہاں ایک ضبط نفس دکھائی دیتا ہے جو اس کے اشعار میں بہ مشکل ملے گا۔اس کے ہم عصروں کی تحریروں میں شہوانی آہنگ نہایت نمایاں ہے۔پھر ہم کیونکر سمجھیں

کہ اس یونانی دنیا کے ہم عصر اس تبصرے میں اپنا ردعمل ظاہر کریں گے۔

ہمیں قدیم یونان میں ہونے والی اغلام بازی پر دستاویزات کے دفتر حاصل ہیں لیکن اس کے مقابلے میں چپٹی بازی (سیفو ویت) کے عشق پر نہ ہونے کے برابر ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں عورتوں کی نجی زندگیوں کے بارے میں قلیل علم ہے۔ بعد میں مسیحی عہد میں سیفو کی شاعری کی نو کتابوں پر تعصّبات کی چھری چل گئی اور ہمیں دو نظمیں ملتی ہیں جن کا کہیں کہیں حوالہ دیا گیا ہے جو ہاتھ کی انگلیوں پر گننے کے لائق ہیں اور وہ بھی منتشر۔ تاہم ایسی شہادتیں ہیں کہ جن سے چھٹی صدی قبل مسیح کے یونان میں عورتوں کے درمیان عشق کی سر عام ستائش و تحسین ہوتی تھی۔ پلوٹارک سپارٹا کے لونڈے سے عشق کے بعد یہ کہتا ہے کہ ''اس نوعیت کے عشق کو وہاں اتنی مقبولیت حاصل تھی کہ دوشیزائیں بھی اچھی اور شریف زادیوں میں دوگانا (معشوق عورت) تلاش کر لیتی تھیں۔

لیکن مذکورہ رواداری کلاسیکی اور قدیم عہد کے آخر آخر تک عنقا ہوگئی۔ لوشین کی Dialoge of the Courstesans جو (۱۶۰ق م) کی تحریر ہے اس میں جو ہم جنس پرستی نظر آتی ہے وہ عیارانہ اور گھسی پٹی اور مردوں والی ہے اور اسے غیر ہمدردانہ نقطہ نظر سے پیش کیا گیا ہے ایک خطیب جو جعلی لوشین مکالموں کا ہے اور بعد کے زمانے یعنی ایک صدی یا اس کے لگ بھگ وہ چپٹی کے کھیل (Lesbeanism) کے متعلق کہتا ہے'' کہ یہ لفظ شاذو نادر سننے میں آتا ہے اور جسے منہ سے نکالنے میں مجھے شرم آرہی ہے''سیفو کی ایک نامکمل سوانح حیات جو ۲۰۰ ق م کے آس پاس لکھی گئی اور مصری پیپرس (کاغذ) پر چھپی لگتا ہے اس نے اس کی ذات پر منفی حکم لگایا۔ ''اس پر چند لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ وہ بے سروپا حرکتیں کرتی اور عشقِ زن میں مبتلا تھی''۔ یونانی سوانح عمریوں میں سے سب سے زیادہ اہم ذریعہ نام نہاد (SUIDA) ہے جو بازنطینی فرہنگ ہے جس کی تالیف ۹۸۰ء میں ہوئی یہ بھی اسی کی طرح ملامتی اور میکسی مس کے برعکس ہے۔ ''اس کے تین مصاحب اور دوست تھے اینتھس، ٹیلی سپا اور میگارا اور اسے ان سے نجس دوستی کی وجہ سے رسوائی ملی۔'' لیکن سُوڈا میں بالعموم بازنطینی مسیحی خصومت جھلکتی ہے۔

نہیں لگتا کہ سیفو کے ہم عصر ایسے مذمتی خیالات رکھتے ہوں۔ بے شک کسی کے بھی

یہ بات مشکل سے سمجھ میں آئے گی کہ کوئی مصنف ایسی صاف گوئی سے اظہار خیال کرے اوراس کے باوجود یہ سمجھے کہ اس کی نظمیں اس کے لئے ملامت کا باعث نہ بنیں گی ۔اس کی موت کے دوہزار برس کے بعد بھی سماجی ریت ایسی ہیں (مذہبی جذبات کی بات نہیں) کہ مغربی روایات نے عورتوں کے لیے یہ ناممکن بنادیا ہے کہ وہ سرعام ایک دوسرے کے لیے شوقِ عشق کوتسلیم کرلیں۔لیکن سیفو نے اس اعتماد سے بات کی جوتکبر سے مس کررہا تھااوراس میں ایسا کوئی کنایہ بھی نہ تھا کہ(Epater les Bourgeors)۔

یہ مخمصے مبصرین کے درمیان جنگ وجدل کا باعث ہوئے۔سو برس ہوئے ایک مشہور جرمن اسکالر ویلاموّٹز نے کہا کہ سیفو کسی صورت میں بھی ''چھٹی'' کی جدید تعریف میں نہیں بیٹھتی کیونکہ اس کی تقرری اچھے گھرانوں کی لڑکیوں کوگانے اور رقص کی تربیت دینے کے لئے کی گئی تھی تاکہ وہ مذہبی میلوں اور شادیوں میں حصہ لے سکیں ۔ڈینیز پیج نے اس وکٹورین عہد کے ذہن کا مضحکہ اڑایا ہے جوسیفو کو غیر جنسی مذاق کی حامل بنانے کی بھونڈی کوشش ہے ۔اس نے اس خیال پر بھی طنز کیا کہ اس کے اطوار ہو نہ ہو کسی اسکول کی استانی سے ملتے تھے۔لیکن یوں لگتا ہے جیسے دونوں اسکالروں کی نظروں سے یہ نکتہ اوجھل رہا جس کے نتیجے میں ایک چھوٹی موٹی ذونوعی نے جنم لے لیا۔سُوڈا میں بھی اپنی تمام کپٹ کے باوجوداس کی ''شاگردوں'' کی فہرست دی گئی ہے۔مائی لیٹس کی اناگورا' کولوفون کی رہنے والی گونگیلا اور یونیکا کی رہائشی سلامِس ۔وہ خواتین ہیں جن کی وجہِ شہرت یاتو ان کی اپنی ذات ہے یا پھرزیادہ قیاس یہ ہے کہ ان کے نام اس کی نظموں میں آتے ہیں۔سیفو کی بطور اتالیق شہرت اس عظمت کو چھوتی تھی جس سے نہ صرف ایونیا کی لڑکیاں بلکہ رنجین سمندر کے دوسری جانب سے بھی لڑکیاں کھنچی چلی آتی تھیں۔اس کا جستہ کلام ہجراور برہا کے وقت والے گیت ہیں۔جیسے بچھڑنے والی استانی ممکن ہے ان نوخیز عورتوں کو لکھے جو اسے چھوڑکر شادی کی غرض سے باپ کے گھر لوٹ رہی ہوں۔پیپرس پر ملنے والی اکلوتی تحریر جس کا سن اشاعت نہیں معلوم ہوسکا سیفو کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنے والی ''نیک ترین'' لڑکیوں کا بیان ہے جو لیز بوز اور آیونیا کی تھیں اور یہ صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ استانی مائی ٹیلین ''عالی ترین معزز شہروں کے گھرانوں کی تھی''۔ہمارے زمانے میں

استانیون کا چپٹی بازی میں ملوث ہونے کا افشاء ہونا اب بھی قدامت پسند علاقوں میں خطرے کی گھنٹی سمجھا جائے گا۔ لیکن لگتا ہے سیفوؔ کے زمانے کے تمدن میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔

مخالفت پر کمر بستہ مغربی سماجوں میں صدیوں سے سیفوؔ مصنفہ خواتین کے واسطے ایک مشعل بنی رہی اور جو خود جدید مفہوم میں چپٹی باز ہونے کا دعوی کرتی ہے۔ آج اس کی تحریریں بہت مختصر سی لیکن یہی باقیات نٹالی بارنیؔ اور غینی ویونؔ جیسی خواتین کے لئے ولولہ انگیز ہیں۔ امریکی بیسویں صدی کے آغاز میں پیرس میں آزادانہ رہائش پذیر ہوئے۔ سیفوؔ کا ترجمہ کرتے، اس کی شان میں نظمیں اور ڈارمے لکھتے اور لیزبو میں واقع ایک ولا میں سیفوؔ کے منظر ناموں پر ہاو ہو کرتے۔ ہلڈا ڈولٹلؔ نے اس کے جستہ جستہ فقرے اپنی شاعری میں نظم کیے۔ اور ایمی لوویلؔ نے اپنے زورِ تخیل سے اپنے تاحیات ساتھی ایڈا رسلؔ سے رنگ بھرا ہے۔ ولا کاتھرؔ نے ۱۸۹۵ء میں نبراسکا کے کسی اخبار میں ایک دلیرانہ خراج تحسین شائع کرایا تھا۔

''ایک ہی عورت شاعر ہے جسے ساری دنیا عظیم کہتی ہے۔ اگرچہ اس کی باقیات میں سے چند ہی منتشر تحریریں اب ہمیں ملتی ہیں جس میں ایک دنگ کر دینے والی افروڈایٹ کے لئے مناجات بھی ہے۔۔۔ عہد قدیم کا جو شاندار گم گشتہ اثاثہ ہے اگر کوئی نابغہ روزگار اسے عالم وجود میں لانے کی حامی بھر لے جن میں تمام فلسفی اور شاعر شامل ہیں تو پوری دنیا صرف یہی فرمائش کرے گی کی سیفوؔ کی نو کی نو کتابیں بازیاب کی جائیں۔ یہ شکستہ شذرے عالمی ضمیر کی بھٹی میں آگ کی طرح جل کر بھسم ہو چکے ہیں۔۔۔ بیس صدیاں بھی ان میں پائی جانے والی آتش شوق کو سرد نہ کر پائیں۔''

الکے یوسؔ، ابی کسؔ، انا کریونؔ:

سیفو کی تحریروں میں ہمیں پہلی مرتبہ کوئی ایسی سطر ملتی ہے جو ایک عورت کے دوسری عورت سے عشق کو بیان کرتی ہے۔ اسے آپ ادبی دنیا کی تاریخ کا حسن اتفاق کہیے وہ بھی ایک مائی ٹلین شہر ہی کا باسی تھا جس نے وہ اشعار کہے جس میں پہلی مرتبہ ایک امرد کی محبت

کو بیان کیا گیا۔ الکے یوسؔ سیفوؔ سے واقف تھا اور جیسا کہ شہرہ ہے اس نے اسے مخاطب کر کے کئی عشقیہ نظمیں کہیں۔ ایک مرتبہ جب وہ گھگھیایا تو ارسطوؔ کے بیان کے مطابق اس نے ایک ترش جواب بھیجا۔ الکے یوسؔ کے جستہ جستہ کاغذات جو مرور زمانہ سے بچ گئے ہیں ان میں وہ مستبد حکمرانوں کے نام لیتا ہے جنہوں نے لیزبو پر قبضہ کرلیا تھا۔ خصوصاً پٹاکسؔ جو سیفوؔ کے خاندان کا دشمن تھا۔ مگر سیسرو جو الکے یوسؔ کی جرات کا مداح تھا مگر اس کی شہوانی شاعری کو ناپسند کرتا۔ اس نے شکایت بھی کی الکے یوسؔ ''نوجوانوں کے مابین عشق'' کے بیان میں فضول خرچ واقع ہوا ہے۔ ہوریسؔ اس سے بھی زیادہ عریاں ہے اپنے معشوق کا نام لے کر ذکر کرتا ہے۔ اس نے الکے یوسؔ کی ستائش کی ہے جو اگرچہ میدان جنگ میں نہایت جری ہے پھر بھی میدان کارزار میں یا پھر جب وہ سمندر کے تھپیڑے کھائے ہوئے جہاز کو دلدلی ساحل پر لنگر انداز کرتا ہے تو ڈاینی سسؔ کے لئے نغمہ سرا ہوتا ہے اور وینس اور میوززؔ کے واسطے تانیں بلند کرتا ہے۔۔۔۔ اور پھر لای کسؔ کے لئے بھی جس کی آنکھیں سیاہ ہیں زلفوں کا رنگ آبنوسی۔

الکے یوسؔ ایک ایسا آدمی تھا جو سیاسی آشوب کا ستایا ہوا تھا۔ لیکن سب ہی ایسے شاعر جنہوں نے مردانہ عشق کے گیت گائے تلخ و شیریں حالات سے دوچار نہیں ہوئے۔ ابی کس اور اناکریونؔ جو چھٹی صدی ق م کے دوسرے نصف میں ہم عصر تھے بڑی رنگ رلیوں میں زندگی بسر کرتے اور انہوں نے شراب اور عشق کی مستی کی بڑھ چڑھ کر مدح و ثنا کی۔ ابی کسؔ جو رہجیم میں پیدا ہوا جسے آج رگیوڈی کلابریا کہا جاتا ہے پورے یونان کی سیاحت کرتا رہا۔ بعد ازاں وہ جابر پولی کریٹسؔ کے دربار سے وابستہ ہوگیا جس کا پایہ تخت ساموز تھا جو ایشیائے کوچک کے ساحل سے ذرا ہٹ کر تھا۔ زمانہ قدیم میں ابی کسؔ کی شہرت اپنی شاعری کی سات کتابوں کی وجہ سے اور اپنے شہوانی عاشقانہ مزاج کی وجہ سے ہے۔ سیسرو کی دسترس میں کئی دستاویزات تھیں جن میں سے چند ایک ہی ہم تک پہنچی ہیں۔ اس کے نزدیک ابی کسؔ، لکے یوسؔ اور اناکریونؔ کے مقابلے میں کہیں بڑھ کر شہوانیت پر مائل تھا۔ رہجیم میں اس کی قبر پر جو کتبہ لگا ہوا ہے وہ ہم تک یونانی منتخب مجموعہ کلام کے ذریعے پہنچا ہے۔ جس میں اسے یوں یاد کیا گیا ہے'' وہ یونی بربط (یونانی ساز) کا رسیا اور'' لونڈوں کا

عاشق'' تھا۔صرف چند مصروں نے جو اس کی نظموں کے بچے جس سے اسکندریہ کے نقادوں نے یونان کے نوغنائی شعرا کی صف میں اسے بھی شامل کرلیا۔ایک اقتباس میں وہ اس پر ماتم کناں ہے کہ حالانکہ بہار کا موسم آچکا ہے مگر عشق اس طرح میرے دل کو جھنجوڑ رہا ہے جیسے سرما کا موسم باد وباراں ہو۔کسی اور جگہ وہ محبت کی قربت سے لرزنے لگتا ہے جیسے کسی بوڑھے گھڑ دوڑ کے گھوڑے کو دوبارہ دوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہو۔تیسرے میں ایک لڑکا جشن کا باعث بنتا ہے جس سے وہ عشق کرتا ہے ۔۔۔ یوریالسؔ جو کسی عالی نسب خاندان کا چشم و چراغ ہے اور اس کی عشوہ طرازی سے خوش مذاقی جھلکتی ہے ۔۔۔ جو حسین لٹوں والے میوزز کا بھی محبوب ہے ۔۔۔۔ساپرلیس (ایفروڈائیٹؔ) کا شیرخوار اور سبک نگاہ کی ترغیب۔

پولی کریٹسؔ نے رتجین کے علاقے میں ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کی جس کا مرکز خوبصورت ساموز تھا اور عالیشان معبد قائم کئے اور یہاں علوم اور فنوں کا مرکز قائم کیا۔ابی کسؔ کے علاوہ اس نے انا کریونؔ کو بھی مدعو کیا جو ایونیا کے ساحل پر تھیوز کا باشندہ تھا۔امابعد انا کریونؔ کی شہرت نے بوڑھے شاعر کو گہنا دیا۔ بعد ازاں وہ یونان کے کلاسیکل عہد اور یورپی نشاط ثانیہ کے لئے اول نمونہ اور رسوم کی انجام دہی والا پروہت بن کر ابھرا جو شراب، عورتوں اور گانوں کا شوقین تھا۔اور چونکہ وہ ایک یونانی تھا اس لئے لڑکوں کا بھی رسیا تھا۔ چند حب الوطن امریکیوں کو جب ''تاروں بھرے پرچم'' کو سمجھنے کی خاطر بڑی توجہ کا متقاضی زیروبم سے یہ احساس ہوجاتا ہے کہ موسیقی تو ایک قدیم برطانوی مےنوشی کی دھن سے حاصل کی گئی ہے یعنی (To Anacreon in Heaven) سیفوؔ اور ابی کسؔ کی طرح وہ ایک طاقتور شبیہ سے التجا کرتا ہے جس سے عشق کی قوت کا بیان ممکن ہے ۔عشق ایک کاری گر ہے جس نے اسے ہتھوڑے سے پیٹا ہے اور پھر ٹھنڈے پانی میں ایسے غوطہ دیا جیسے ڈھلے ہوئے گرم لوہے کو دیا جاتا ہے۔اس کے شذرات ان خواتین کے واقعات بیان کرتے ہیں مگر زیادہ تر ذکر لونڈوں کا ہے۔ایک مدحیہ نظم پیلاٹاین کی بیاض میں اسے ۔۔۔ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ٹیرکا میکسی مسؔ اپنے تین معاشقوں کا ذکر کرتا ہے۔سمرڈائیزؔ با تھیلسؔ اور کلیو بولسؔ۔ دوا ولذکر پولی کریٹسؔ کے بھی منظور نظر تھے۔جس نے ہیرا کے معبد

میں جو ساموز میں تھا اس میں باتھیلس کا ایک مجسمہ بھی نصب کرایا تھا۔سمرڈایز سے اناکریون کا تعلق لگتا ہے دکھاوے کی محبت سے بڑھ کر کچھ گہرا ہی ہوگیا تھا۔ ایلین کہتا ہے کہ وہ اسے ''اس کی روح نہ کہ جسم کے لئے'' چاہتا تھا۔حاسد پولی کریٹس سمرڈایز کے بال کاٹ دیتا ہے۔اناکریون اس طرح اپنی نظم میں سمرڈایز کی ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے جیسے یہ خود لڑکے کی کارستانی ہو۔اس موقع شناسی کے کام پر اس کی تعریف کی گئی اور اس کی بزدلی کی مذمت ایسے لڑکے کے لیے جس کے نام سے ہم واقف نہیں ہیں اس نے چند سطریں لکھیں جو افلاطون نے اپنی فیڈرس میں جس تکبر سے رتھ بان کا ذکر کیا تھا۔اس کی ہم پلہ ہیں۔

اے نیم باز آنکھوں والے لڑکے

میں تجھے چاہتا ہوں اور تو میری نہیں سنتا

تو اس سے بھی بے خبر ہے کہ تیرے ہاتھ میں میری روح کی لگامیں ہیں۔

بالآخر پولیکریٹس ورغلانے میں آ کر ایرانیوں کے تیار کئے ہوئے پھندے میں آ گیا جنہوں نے اسے پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔تاہم یہ آیا کریون کی خوش نصیبی تھی اس نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔یہ نام وراستبدادیوں کا عہد تھا اور اناکریون کو فوراً ایتھنز میں ایک میزبان گھر مل گیا جہاں ہپیاز اور ہپارکس بھی تھے جو پس ٹراٹس کے فرزند تھے۔ہپیاز کو اپنے باپ کا سیاسی اقتدار ۵۲۷ ق م میں ملا لیکن اس کے چھوٹے بھائی ہپارکس کو سیاست سے کچھ کم ہی لگاؤ تھا اس کے بجائے عشق اور فن سے زیادہ۔اس لئے بطور وزیر تمدن اس نے اناکریون کو ایتھنز لانے کے لئے پچاس غلام ملاحوں سے کھینے والی کشتی ساموز روانہ کی۔وہاں پر شاعر صاحب اپنے لونڈے کے گھر پر براجمان تھے جس کا نام کریٹیاز تھا جس نے روایت کے برعکس عمر رسیدہ آدمی کی شان میں نظمیں لکھیں۔اہل ایتھنز نے بعد کے زمانے میں اناکریون کا ایک مجسمہ نصب کیا جس کے ہاتھ میں مے کا جام تھا اور اسے پرکلز کی صف میں کھڑا کیا۔

سسلی کا میگارا:

ہم جنس پرستی کے عشق پر نہایت وقیع تحریر جو چھٹی صدی ق م کی ہے وہ ایتھنز میں

نہیں لکھی گئی۔ یہ نظمیں جن کے شعراء کے نام یقین سے نہیں لیے جاسکتے تھیوگنس سے منسوب کیئے جاتے ہیں جو یا تو میگارا کا باشندہ تھا جو بویوشیا میں واقع تھا یا پھر اس کی نوآبادی سسلی میں۔ (غالباً وہ ایک شہر میں پیدا ہوا اور دوسرے میں جلاوطنی بسر کی)۔ سسلی کا میگارا' ڈوریا کی نوآبادی تھا جو اپنے عہد کی کئی یونانی موضوعات میں سے تھا جو طبقہ واریت کی بدامنی میں تباہ ہو گیا۔ انتہائی قدامت پسند اہل تھیوگنس نے اشرافیہ کا ساتھ دیا۔ جو ایک انقلاب میں تہہ و بالا ہو گئے جس نے تھیوگنس کو کٹ کھنا آوارہ گرد بنا دیا جس کی گذر اوقات مانگے تانگے پر تھی۔ پھر بھی وہ رثائی اور رمزیہ کلام جو اس کے نام کے تحت جمع کیا گیا وہ اپنی اخلاقی تعلیمات اور مثالی دانش کے لئے بہت سراہا گیا۔ اس کی مقبول معلمانہ عبارتیں۔ وہ زور بیان سے معمور اور جذبات میں قدیمی ہیں ''کھلنڈروں سے دور رہو'' یہ کہیں بہتر ہے کہ آدمی غریب اور نیک ہو بجائے دولتمند اور عیار ہونے کے'' تمام اچھے لوگ قوانین پر عمل کرتے ہیں۔

تھیوگنس کا زمانہ حیات کافی متنازعہ ہے۔ لیکن عہد عتیق کے اہل علم کے خیال میں اس نے تقریباً ۵۴۰ ق م میں لکھا۔ اس کی نظمیں دو کتابوں میں ہم تک پہنچی ہیں۔ مختصر کتاب جو چھیالیس مختصر نظموں کی حامل ہے جو سب کی سب لونڈوں کی محبت والی ہیں۔ چند مصرعے جو اس کے پسندیدہ لڑکے کرنوز سے مخاطب ہو کر کہی گئی ہیں۔ شیکسپیئر کی ان سونیٹس کو گہناتی ہیں جن میں اس نے دو ہزار سال کے بعد ''حیات جاودانی'' کی وعید بیان کی ہے۔

میں تمہارے پر لگا دیتا ہوں' تم بہت جلد عالم بالا پر پہنچ جاؤ گے
دھرتی سے اوپر اور چوٹیوں کے اوپر ہوتے ہوئے
ان بحروں پر جن پر مرد کھاتے ہیں اور جام لنڈھاتے ہیں
تم وہاں اترو گے خصوصاً مہمانوں کے ہونٹوں پر۔۔۔
بالآخر میرے لڑکے تم ہیڈز کے مسکن میں داخل ہو جاؤ گے
وہ تاریک مقام جہاں ہم سے رخصت ہونے والی ارواح فریاد کرتی ہیں
مگر وہاں بھی تمہارا جاہ وجلال کم نہ ہونے پائے گا

تمہارا محبوب نام منور رہے گا، اس پر کوئی داغ نہ آئے گا
جب تک روشنی کا وجود ہے دھرتی موجود ہے

لیکن اس معاملے میں سب کچھ ہموار نہ رہا اور اس قصیدے کے آخر میں جذبات بالکل شیکسپئر کی نظم کی مانند کروٹ لیتے ہیں۔

میں نے تجھے یہ دیا کس لئے؟ کہ دشنام طرازی ہو۔
بے وفائی ہو اور جھوٹ بولا جائے وہ بھی ایک بچے کی طرح

کتاب دوم کی نظموں میں یکے بعد دیگرے ملامت/شکایات ہوں (تم نا استوار اور احسان فراموش ہو جاؤ)۔ ازراہ کرم (مجھے مت ستاؤ، وہ دن آنے والا ہے جب تمہیں بھی ایک لڑکے کی نظر کرم درکار ہوگی) اس کے بعد تعریف کی چھوٹی سے خوراک (تم لائق محبت ہو اور وجیہہ ہو) چند نظمیں تو متین مواد کی حامل ہیں "عاشق وہ ہی اچھا جو دن بھر کثرت کرے، پھر گھر جائے اور سارا دن کسی خوبصورت لونڈے کے ساتھ سوئے" باقی لوگ عذاب جھیلیں۔ کسی وقت تو امردوں کی مدح وثنا ان کی عورتوں سے بڑھ کر وفاداری پر ہوتی ہے اور کہیں پر یہ کہہ کر تضحیک کی جاتی ہے کہ ہرجائی اور بے رحم ہیں۔ آخر میں شاعر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے۔

لونڈوں سے محبت ہونا خوب تر ہے اور علیحدگی بھی اچھی
کیونکہ نیا تلاش کرنا اس سے بہتر ہے کہ اس کی ہبیس مٹائی جائے
یوں تو دس ہزار خرابیاں آجاتی ہیں ہاں مگر اتنے ہی فائدے بھی ملتے ہیں
لیکن اس کے باوصف اس میں خصوصی کشش ہوتی

یہ گانے سمپوزیا میں نغمہ سرائی کے لئے موزوں کئے جاتے یا پھر میخواری کی محفلوں یا پھر اشرافیہ کی تقریبات کے لئے۔ یہ نظمیں ہمیں فلسفہ حیات تو نہیں دیتیں لیکن جو مواد اس میں ملتا ہے وہ ہزاروں تین تین مصرعوں کی متعدد بندوں والی نظموں اور ایک لاکھ مقبول نغموں کے لیے کافی ہے۔ شادمانی کا وفور اور قدیم یونانی اغلام بازی کے تمدن کا لازم وملزوم ہونا بھی جھلکتا ہے۔

ایتھنز کے حکمران:

سیفو اور الکے یوس ہم عصر لوگ تھے جن میں سولون نے جنم لیا تھا۔ جو ۶۴۰ ق م کے لگ بھگ پیدا ہوا تھا۔ جہاں دونوں نے شہرت پائی۔ سولون کی شہرت بطور مدیر کے ہوئی۔ اس نے یونانیوں پر حکمرانی کرنے میں جو مہارت دکھائی اسی وجہ سے اسے عہد عتیق کے سات قدیم حکماء کے ہم پلہ مانا جاتا ہے۔ وہ اشرافیہ کے پس منظر رکھنے کے باوجود ایک کامیاب کاروباری شخص تھا۔ اس نے اقتدار اس وقت سنبھالا جب شہر غریبوں اور امیروں کے درمیان ہونے والی خانہ جنگی کی دہلیز پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے اس منڈلاتی ہوئی بربادی کا منہ اس طرح پھیرا کہ ڈراکو کے بنائے ہوئے استبدادی فوجداری قوانین میں نرمی کردی۔ غریبوں کے قرض معاف کردیے اور ایتھنز کے جمہوری آئین سازی کے واسطے بنیادی کام کردیا۔

لیکن اپنی نوجوانی میں سولون نے نظمیں بھی کہیں۔ ایک نظم میں تو ایک جوان کا ایک امرد سے عشق کا ذکر ہے۔ ''جس میں اس کی رانوں اور اس کے شیریں لبوں کا ذکر ہے''۔ مردوں کے عشق سے متعلق اس کا سب سے زیادہ موثر اعلان تاہم اقوال سے لبریز مصرعوں میں ہوتا ہے جو بعد ازاں ایتھنز کی ادبی تعلیم کا جزو لاینفک بن گئے۔ اس سارے کلام کو تھیوگنیڈ یا (Theognidea) نام کی کلیات میں جگہ ملی۔ وہ خوش نصیب تھا کہ اسے اچھے لونڈوں، سبک رفتار گھوڑوں، شکاری کتوں اور غیر ملکی دوستوں کی رفاقت نصیب ہوئی۔ مردوں میں باہمی عشق نہ صرف حصول مسرت کا ذریعہ تھا۔ پلوٹارک کی تحریر کردہ سولون کی سوانح حیات کے مطابق اس نے ایتھنز کی سیاسی زندگی میں بھی ایک اہم کردار ادا کیا۔

سولون کی ماں۔۔۔(مستبد) پی سس ٹراٹس کی ماں کی سگی بہن نہیں تھی۔ ابتدا میں تو دونوں میں گاڑھی چھنتی تھی۔ اس کی بڑی وجہ نزدیکی قرابت داری اور پی سس ٹراٹس کی دلنواز نوجوانی تھی اور جیسا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سولون، پی سس ٹراٹس کی اٹھتی جوانی پر فریفتہ تھا۔ اور شاید یہی وجہ ہو کہ آنے والے برسوں میں جب مملکتی امور میں راہیں جدا ہونے لگیں تو ان کی عداوت نے سنگدلی اور وحشیانہ احساس کو جنم نہ دیا۔ اور ان کی سابق

آشنایاں ان کی ارواح کو سرشار کرتی رہیں۔۔۔اور یہ بھی کہ سولونؔ جوانی میں حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا مگر یہی عاشقانہ ضبط نفس اسے کسی جرات مندانہ اقدام سے روکتا اورنوبت یہ نہ آجائے کہ ''وہ ایک مکے باز کی طرح ٹوٹ پڑے اور دست بدست لڑائی شروع ہوجائے۔'' اس کی نظموں سے تو یہی استنباط ہوتا ہے۔اس نے ایک ایسا قانون بھی نافذ کیا جس کے مطابق جمنازیم میں کسی غلام کو(ننگا ہوکر) کثرت کرنے کی ممانعت اور نہ ہی لونڈا رکھنے کی اجازت تھی ۔یوں اس نے اس محترم شوق کومعزز اور باوقار مقام عطا کردیا۔تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ذی حیثیت لوگوں کو شہ دی اور بے حیثیت کو دھتکار دیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پی سس ٹراٹسؔ کا بھی ایک لونڈا چارمسؔ تھا۔اوراس نے ایک مجسمہِ عشق کواکیڈمی میں نصب کرایااوراس سے منسوب کردیا جہاں سے مقدس مشعل لے کر دوڑنے والے اپنی مشعلیں روشن کرتے۔

ارسطوؔ اپنے '' ایتھنز کے آئین'' میں استدلال کرتا ہے کہ یہ نہیں لگتا کہ پی سس ٹراٹسؔ اورسولونؔ عاشق ومعشوق رہے ہوں۔کیونکہ سولونؔ عمر میں کوئی پینتیس چالیس برس بڑا تھا ان کے مراسم کی چاہے جو بھی نوعیت ہو پلوٹارکؔ اور اس کے ہم عصر ایلیانؔ نے ارسطوؔ کے شکوک کونظر انداز کرنا پسند کیا۔شاید انہوں نے اپنی تواریخ میں معقول حدتک رومان رکھنا پسند کیا۔لیکن بحیثیت ایک یونانی کے پلوٹارکؔ نے یہ بھی محسوس کیا ہوگا کہ ایتھنز کی پراچینی سیاست میں نوآموز سیاستدانوں کے لئے جنسی تعشق بھی مباح ہے۔ چاہے ایسے رشتے موجود ہی نہ ہوں۔ یونانی مورخین کی دانست میں یہ ناگزیر تھے۔ یہ بھی درست ہے کہ پلوٹارکؔ نے شہوانی علم الانساب میں ایک نئے تعلق کا اضافہ کردیا۔اس کے بقول پی سس ٹراٹسؔ کو جو چامسؔ کا عاشق تھا جس نے ایتھنز کے مسلک عشق کوایک نشان عطا کیا جوایروز کے مجسمے کی صورت میں تھا۔کہیں اورہمیں معلوم ہوتا ہے کہ چارمسؔ ایتھنز کے کسی اورحکمران کا عاشق تھا۔یعنی پی سس ٹراٹسؔ کا بیٹاہپیاؔز جس کے بھائی کو کاتب تقدیر نے ہارموڈیسؔ پر عاشق ہونا لکھا تھا۔پانچویں صدی قبل مسیح میں فرد عاشقاں میں تھیمٹوکلزؔ (جس نے ایتھنز کی بحریہ کوسلاجز میں فتح مند کیا) شامل تھا۔ اریسٹی ڈیزؔ (جو سیاست اور سٹےسی لاسؔ کے عشق میں اس کا حریف تھا۔ جوجسمانی حسن میں تمام نوجوانوں میں ممتاز

تھا۔) کریٹی یاز (ان تیس استبدادی حکمرانوں میں سے ایک جسے اہل سپارٹا نے ایتھنز پر مسلط کیا تھا۔) اور پیریکلز کا سوتیلا بیٹا کالیاز۔

پاوسانیاس جس نے یونان کے لئے دوسری صدی ق م میں ایک جامع گائیڈ لکھی۔ اس میں چارمس کے ایروز کا ذکر کیا جو اس وقت بھی نصب تھا۔ وہ ایک اور یادگار کا بھی ذکر کرتا ہے جس کی قدامت نہ طے تھی مگر مقام طے تھا۔ یہ انٹی روز کی قربان گاہ کا چبوترہ تھا یا پھر "عشق کا انتقام"۔ شہر میں عشق کا وقار اتنا بلند تھا کہ یہاں تک کہ وہ غیر ملکی جو یہاں کے مستقل باسی تھے اور جن کے بطور شہری کوئی حقوق بھی نہ تھے اور جن کی حیثیت اکثر نازک ہوتی وہ دھڑلے سے ایسے تعزیے بناتے جن میں شقاوت جھلکتی۔ حالانکہ ان میں کنایتہً میزبانوں کی ملامت بھی ہوتی۔ پاوسانیاس کے مطابق ایتھنز کا میلیز جس نے ٹیما گورس کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا ایک پردیسی تھا، نے اس سے کہا کہ وہ (ایکروپولس) کے بلند ترین مقام تک چڑھ جائے اور اسے نیچے گرا دے۔ اب دیکھئے کہ ٹیما گورس نے اپنی جان کی پرواہ نہ کی اور نوجوان کو ممنون کرنے کی ہر فرمائش پوری کرنے کو تیار ہو گیا۔ یوں وہ اوپر چڑھ گیا اور وہاں سے خود کو گرا لیا۔ جب میلیز نے ٹیما گورس کو مردہ پایا تو اس کے اندر شرمندگی اتنی کربناک ہوگئی کہ اس نے خود کو اسی چٹان سے گرا کر ہلاک کر لیا۔ اس زمانے سے ہی بدیسی شہری انٹی روز کی پرستش کرنے لگے جس نے ٹیما گورس کی موت پہ جان دے کر بدلہ لیا۔ ایتھنز میں چھٹی صدی ق م کی اختتام کے وقت ایک اور محبت کا انتقام کا ڈرامہ پی سسٹراٹیڈ کا جبر ختم کر کے شہر کو نہایت نامور عشاق کا جوڑا دینے والا تھا۔ ظالم کش ایرسٹو جیٹن اور ہارموڈیس۔

ظالم کشی کرنے والے:

کئی بحرانی واقعات ۵۱۴ ق م میں وقوع پذیر ہوئے۔ "ہارموڈیس ان دنوں اپنی پرشباب جوانی میں تھا اور شگفتہ پھول کی طرح تروتازہ تھا۔ وہ ایرسٹو جیٹن کا منظور نظر تھا۔ جب ہپارکس نے ہارموڈیس کو پرچانا چاہا۔ ایرسٹو جیٹن نے اس ڈر سے کہیں بزور اپنے

مقاصد نہ حاصل کرلے ۔ اس نے ایک سازش تیار کی اور ہارموڈیئس اور اس کے بھائی مستبد حکمراں کا تختہ الٹ دیا۔ ایک اور اشتعال انگیزی ہوئی جب ہارموڈیئس نے ہپارکس کو دوسری مرتبہ مسترد کردیا تُس پر ہپارکس نے ہارموڈیئس کی بہن کی کسی عوامی تقریب میں توہین کردی۔ فخر اور حسد سے طیش میں آکر دونوں نے یہ داؤ مارا کہ عظیم پاناتھینائے میلے کے وقت پارتھینن معبد کے چھجوں پر امر کردیا گیا تھا۔ یہ واحد موقع تھا جس پر شہریوں کو اسلحہ لے کر آنے کی اجازت تھی۔لیکن جب دن چڑھا تو ان کے یہ دیکھ کر کان کھڑے ہوگئے کہ دیگر سازشیوں میں سے ایک ہپاز سے بے تکلفی سے گفتگو کررہا ہے۔ ڈر کے کہ انہیں فریب دیا جارہا ہے۔ وہ گھبراہٹ میں وسیع میدان کی جانب دوڑے اور ہپارکس کو قتل کرڈالا جو جلوس کو منظّم کرنے میں مصروف تھا۔ ہارموڈیئس خود بھی ہپارکس کے پیروکاروں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ایرسٹوجیٹن کی موت طویل ایذارسانی سے ہوئی۔ جنکا خاتمہ اس وقت ہوا جب اس کے متواتر طنز کے نشتروں نے ہپاز کو اسے قتل کرنے پر مجبور کردیا۔ (ارسطو اپنی تصنیف Athenian Constitution میں (۱۸:۱۔۶) ان ہی واقعات کی دوسری روایت کرتا ہے ۔وہ تھیٹالس جو پیپارکس کا سوتیلا بھائی تھا جس نے ہارموڈیئس سے لگاوٹ کی باتیں کیں اور توہین کی تھی۔)

مستبد پی سس ٹراٹس اور اس کے بیٹوں کا رویہ ابھی دلخراش نہیں ہوا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ ان کے شہر نے ان ہی کے عہد میں ایک عظیم تمدنی پیش رفت کی تھی۔ پی سس ٹراٹس نے ہی شہریوں کے لئے ایک پرشکوہ عمارت بنوائی تھی۔ کاش ہومر کے رزمیے ضابطہ تحریر میں آچکے ہوتے اور ڈاینی سس میلے کے زمانے میں اس عمارت کا افتتاح ہوگیا ہوتا اور وہاں المیوں والے ناٹک کھیلے گئے ہوتے۔ اپنے بھائی کے سیاسی قتل کے بعد ہپاز کی حکمرانی سخت گیر ہوگئی۔ بہت سے یا تو قتل کئے گئے یا شہر بدر کردئے گئے جب پورا شہر ان کے خلاف ہوگیا۔ چار برس کے بعد اس کا تختہ الٹ دیا گیا۔ جمہوریت بحال کردی گئی اور ایتھینز اپنے زریں عہد میں داخل ہوگیا۔

ایرسٹوجیٹن اور ہارموڈیئس کی مدح وثنا ہوئی جیسے کہ ان دونوں ہی کے طفیل آزادی ملی ہو۔ یہ 'ہیروز' کے مسلک کے نام سے مشہور ہوئے ۔ یہ جذبہ پھل پھول کر ایتھنز کی سیاسی

اورسماجی زندگی کا روح رواں بن گیا۔اس سے پہلے اہل شہرصرف خداؤں کی پرستش کرتے تھے اوران کے بت نصب کرتے اور مردوں کی کوئی حیثیت نہ تھی ۔اب یہ ہوا کہ عشاق کے متعلق ایک ڈرامائی نمائندگی کو جگہ ملی جو ہپارکسؔ کے ہم پلہ تھا اور اسے ایسی جگہ ملی جو میدان کے اس مقام پرتھی جہاں پرزندگی کا اصلی ڈرامہ کھیلا جاچکا تھا۔ یہ کانسی کے ڈھلے مجسمے ایتھنز کے دیوانی (secular) افکار کے نسبی نشان بن گئے ۔یہ شہر کے لئے اسی طرح لازم وملزوم بن گئے جیسا کہ نیویارک کا مجسمہ آزادی ہے ۔ان کی شبیہ ایک عرصے تک سکوں پر، مصوری میں اورعرصہ درازتک ان کی سنگ مرمر پرہونے والی نقلیں ایتھنز کی رہائش گاہوں پراور بعدازاں رومن ولاز پر دکھائی دیں۔ برس ہابرس تک مجسموں کی حیثیت علاقہ بازار میں اتنی مقدس بنی رہی کہ کوئی اور مجسمہ اس کے قرب و جوار میں نصب نہیں کیا جاسکتا تھا۔ایک سالانہ میلہ ان عشاق کی موت کی یاد میں منایا جاتا اور پیریکلز کے فرمان کے مطابق ان کی اولاد اکبر کی عوامی چندے سے پرائٹینیم کے لیے جمع کی جانے والی رقم سے کفالت کی جائے جواہل ایتھنز کا سٹی ہال تھا۔

ظالموں کوختم کرنے والے واقعات کومنانے کے واسطے نہ صرف عوامی عمارتیں تعمیر کی جاتیں اور تقریبات منعقد کی جاتیں بلکہ شہریوں کے گھروں میں نجی محفلیں برپا کی جاتیں۔ایک نجی سکولین یامخموری نغمے کے ذریعہ ان کامرانیوں کی مدح وثنا ہوتی ۔ارسٹوفینز نے اپنی کتابوں واپس اور لایس ٹراٹا میں ان کا ذکر کیا ہےاوراتھی نالیسؔ کے دانشوروں نے بھی اس کے سادہ نغموں کو یونانی شہرنوکریٹس میں ہونے والے عشائیے میں گایا۔اسی طرح مصر میں اس کارنامے کی تکمیل کے سات سوسال کے بعد یہ عزت افزائی دیکھنے میں آئی۔

میں ولائتی حنا کے خول میں اپنی تلوار لے کر چلوں گا
جیسے ہارموڈیسؔ اورایرسٹوجیٹنؔ نے کیا تھا
جب اتھینا کی بڑی ضیافت میں
انہوں نے مستبد ہپارکسؔ کوقتل کیا
تمہاری شہرت تاابد دھرتی پر رہے گی

پیارے ہارموڈیس اور اریسٹوجیٹن
تم نے محض اس غرض سے اس مستبد کا قلع قمع کیا
اور ایتھنز کو مساوی حقوق کا شہر بناڈالا۔

اس نغمے نے عام آدمی کے تصورات میں ایسا تلاطم برپا کردیا کہ مورخین کو احتجاج کرنا پڑا کہ اس طرح تو ایتھنز کی تاریخ کو سرسری انداز میں بیان کرنا ہوا۔ ہیروڈوٹس کو یہ ثابت کرنے میں دانتوں پسینہ آگیا کہ مذکورہ سیاسی قتل سے فی الواقع ایتھنز آزاد نہ ہوا بلکہ یہ جلاوطن الکمیو نائیڈ قبیلہ تھا جنہوں نے بڑے داؤں پیچ سے ڈیلفی فال گھر کو مائل کیا کہ سپارٹا کی فوج شہر پر حملہ آور ہو اور یوں ہپیاز کو چار برس میں تخت سے اتار دیا گیا۔ اور تھیوسی ڈائڈس جس کے ہم یوں ممنون ہیں کہ اس نے معاملات عشق کی تفصیلات مہیا کیں اور ہپارکس کی خلاف مصلحت مداخلت بتائیں اور ان دو نکات کی تصحیح کی جو مقبول نغمے میں گمراہی کا باعث تھے۔ یہ بھی واضح کیا کہ ہپیاز نہ کہ ہپارکس ایتھنز کا اہم مستبد حکمراں تھا اور یہ بھی کہ اس سیاسی قتل کا اول محرک ذاتی تھا نہ کہ سیاسی۔

مگر تاریخ کے حقائق اساطیری داستانوں کے خاک دھول میں اوجھل ہیں جن میں بڑی کشش تھی۔ اور عشاق کا مسلک ایتھنز کے سماجی ضمیر کا جزو لاینفک ہوکر توسیع پاتا چلا گیا۔ ملٹیاڈیس نے اپنے دستوں کو مہمیز دی، میراتھن کی لڑائی سے پہلے ایتھنز کے عظیم ترین سوماؤں کو بطور عشاق سلامی دی۔ اگرچہ ارسطو کی مقبول عام جوش و خروش سے بے تعلقی جس نے ظالم کُشی کو گہنا دیا۔ اس کا بھانجہ کالیس تھینز سے جب پوچھا گیا کہ وہ کون سے افراد تھے جنہیں اہل ایتھنز نے سب سے زیادہ عزت بخشی۔ اس نے بلا کسی پس و پیش کے جواب دیا ہارموڈیس اور اریسٹوجیٹن کیونکہ انہیں نے دو میں سے ایک مستبد کو قتل کیا اور استبدادی حکومت کا خاتمہ کیا۔ ڈیموستھینز نے اپنی خطابت (on the False Legatron) میں یہ کہا کہ ’’ ان افراد کو ان کے باعظمت کارنامے کی جوابی کارروائی میں، تم لوگوں نے بذریعہ قانون شراب کے نذرانے کو اور ہر معبد میں مے کی پیش کش کو اور ہر عوامی خدمت میں، حق نکالا اور جنہیں ہر مناجات اور پرستش کے وقت تم انہیں خداؤں اور نیم خداؤں کی طرح سمجھتے ہو۔

ان کے قوانین بطور جمہوریت کی علامت کے، جرات، شہادت اور جاں نثار محبت کی یادگاریں بنانے کو کہتے۔ ان میں ایسی کشش ہوتی جس کا موازنہ بہ مشکل کسی سازشی جلاوطن ، ایک بدعنوان کاہن یا پھر سپارٹا کے جنرل سے ہوسکتا۔ بے شک یہ شہری علامتیں شہر کی بہتری میں بڑے ڈرامائی انداز میں مددگار ثابت ہوئیں۔ رومن مورخ پلینی ہمیں یہ بتاتا ہے کہ پہلی یادگار جو کانسی میں ڈھلی تھی اسے انٹی نور نے تیار کیا تھا۔ اور اسے ۵۰۹ ق م میں قائم کیا گیا تھا جو ہپاز کے زوال کے بعد کا سال تھا۔ اگرچہ یہ تاریخ یقینی نہیں ہے۔ لیکن جب ۴۸۰ ق م میں خشیارشا کی فارسی افواج نے ایتھنز کو تاراج کرنے کے بعد جلا ڈالا اور وہاں کے تمام مجسموں کو اٹھا کر فارسی دارلحکومت سوسا لے گئے اور انہیں فتح کی ٹرافی بنالیا گیا۔ ڈیڑھ سو برس کے بعد سکندر کو وہاں ملیں جب اس نے اہل فارس پر فتح حاصل کرلی۔ تمام مجسموں کو لوٹا دیا گیا۔ دریں اثناء اہل ایتھنز دو اور نامور سنگتراشوں کو مامور کر چکے تھے۔ جن کا نام کری ٹیوز اور نیسیو ٹیز تھا تاکہ وہ ایسی ہی شباہتوں کو تراشیں جیسی ۴۷۷ ق م میں استادہ تھیں۔ یہ وہی مجسمے تھے جن کی سکوں پر نقش گری کی گئی اور تصاویر میں عکاسی کئی صدیوں تک کی جاتی رہی۔ ان کی بازیابی کے بعد انٹی نور کے اصل مجسمے نسبتاً نئے مجسموں کے پہلو میں نصب کردئے گئے۔ اور یہ اس وقت تک ساتھ ساتھ کھڑے رہے جب تک ۲۶۷ء میں بربر حیرولی نے شہر ہی کو نہ برباد کردیا۔

شہر کی جدید بحالی کئی مرحلوں میں اور سست رفتار میں ہوئی۔ نشاط ثانیہ کے دوران میں ارسٹو جیٹن کی فتح شدہ صورتیں روم کے مالدار اور دیدہ ور لوگوں کے ایوانوں کی راہ داریوں میں نصب ملیں۔ تب کہیں ۱۸۵۹ء میں جا کر جرمن سکالر کارل فریڈرک نے یہ محسوس کیا کہ دو کسرتی جسم والے کھلاڑیوں کے مجسمے جو نیپلز کے عجائب گھر میں بنام ''Gladiators'' رکھے ہیں۔ درحقیقت ایک ہی ہیں اور جابر کشوں ہی کی نقل ہیں۔ تاہم ہارموڈیس کا سر بدل کر ایک ہیلینی سر سے بدل دیا گیا تھا۔ جو پراچینی جسم سے بالکل مختلف تھا۔ بالآخر ۱۹۲۲ء میں ایک سرو یٹیکن کے ذخیرے میں چھپا ہوا مل گیا جو پورا اترا۔ اور ایک ہو بہو عکس ملا جو نیپلز کے جوڑوں کے لئے تھا۔ گلدستوں پر بنی ہوئی تصویروں کی مدد سے یہ ممکن ہوگیا کہ بازوؤں کی سمتیں درست ہوسکیں جنہیں نیپلز کے عجائب گھر والوں نے غلط سمجھ لیا تھا۔ نو تعمیر

شدہ جوڑا اب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہارموڈیئس آگے کی طرف ڈگ بھر کر اپنی تلوار سے وار کرنے والا ہے جبکہ ارسٹوجیٹن اپنے ایک بازو پر اپنا لبادہ لپیٹے اپنے نوخیز معشوق کو بچا رہا ہے۔ زمانہ قدیم سے لے کے یہ پہلی مرتبہ ممکن ہوا ہے کہ قدیم یونان کی بہترین شبیہوں میں سے ایک کی تفہیم ممکن ہوئی۔ جن سے اہل ایتھنز اور اس شہر کی سیاحت کو آنے والے گذشتہ سات صدیوں سے مانوس چلے آتے تھے۔

مردوں کے مابین معاشقے کو مستبد حکمرانی کے خاتمے سے پہلے کے زمانے میں ایک انتہائی معزز مقام دیا جاتا تھا۔ اب اس کے وقار میں مزید اضافہ ہوتا ہے کیونکہ سورماؤں کے مسلک کی جڑیں گہری ہو جاتی ہیں۔ ایتھنز والوں کی نظروں میں ہم جنس پرستی میں نئے مفاہیم داخل ہو گئے۔ کریٹ، سپارٹا اور میگارا میں امرد پرستی ایک ایسا ذریعہ تھا جس سے فوجی اشرافیہ نوخیز مردوں کو ان روایت کی مدد سے اپنے حلقہ اثر میں لاتی تھی۔ اب اسے مستبد حکمرانی کے خلاف مقبول عام آزادی کا پشتہ سمجھا جانے لگا۔ افلاطون کی سمپوزیم میں پاوسانیاس کے قصیدے میں جو عشق پر زور دیا گیا ہے اس سے سیاسی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

> آیونیا (ان دنوں ۳۸۵ ق م میں جو فارسی حکمرانی کا زمانہ تھا) اور دوسرے مقامات پر جہاں لوگ بربریت کے تابع تھے (مردانہ عشق) عزت کے منافی سمجھا جاتا کیونکہ وہاں آمرانہ حکومتیں ہوتیں۔ نوجوانوں کے باہمی عشق سے وہی خرابیاں منسوب تھیں جنہیں فلسفے اور جمنازیم پر عاید کیا جاتا کیونکہ یہ سب استبداد کے لیے ضرر رساں ہوتی ہیں۔ اس لیے میری دانست میں حکمران اپنے مفاد میں یہ چاہتے ہیں کہ ان کے محکوم جذبہ کی حد تک مفلس رہیں اور یہ بھی کہ ان کے درمیان میں کبھی بھی دوستی کا کوئی مستحکم بندھن نہ قائم ہونے پائے۔ جبکہ عشق تمام دیگر محرکات سے بڑھ کر لوگوں میں ولولہ پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اپنے تجربے سے ایتھنز کے استبدادی حکمرانوں نے سیکھ لیا۔۔۔ اور اس لئے جن سکیوں میں ان بندھنوں کو گرنا پڑا (آیونیا میں) اسے ہم یوں محمول کر سکتے ہیں۔۔۔ حکمرانوں کی لوٹ کھسوٹ اور محکوموں کی بزدلی۔

پولی کریٹس جو ساموز کا مستبد حکمران تھا اس نے ادبدا کر جمنازیموں کو بند کرادیا۔ اس کے نزدیک یہ ایسی جگہ تھیں جہاں اختلاف رائے کے جراثیم پرورش پا سکتے تھے۔

یہ تصور کہ مردوں کے درمیان ہونے والا عشق استبدادی حکومت کے واسطے ایک خطرہ ہوتا ہے یہ صدیوں سے عوامی گپ شپ کا عمومی موضوع رہا ہے۔ محبت پر پلوٹارک نے رومن شاہی عہد کے متعلق جو مکالمہ رقم کیا، وہ بڑی حسن وخوبی کے ساتھ ایتھنز کے ظالم کُشی کے واقعات اور دو مزید جوڑوں کا ذکر کرتا ہے۔ آیا تم ایتھنز کے اریوجیٹن کی کہانی جانتے ہو، میٹاپونٹم کے انٹی لیون اور اگری جنٹم کے میلانی پس کی داستان۔ ان لوگوں کی ابتدا میں اپنے مستبد حکمرانوں سے کوئی لڑائی نہ تھی۔ حالانکہ انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں کا رویہ مدہوشوں جیسا ہے اور یہ مملکت کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں۔ لیکن جب مستبدین نے ان کے معشوقوں کو ورغلانے کی کوشش کی تو انہوں نے اپنی جان کی بازی بھی لگا کر اپنے چہیتوں کو بچایا۔ جوان کے لئے مقدس اور بے حرمتی سے بالاتر معبد تھے۔

اگر اریسٹوجیٹن اور ہارموڈیس کی کہانیاں اچھی طرح مصدقہ حقائق پر قائم ہیں تو انٹی لیون اور میلانی پس کی کہانیاں کسی حد تک رومانی داستانیں لگتی ہیں۔ مگر مقبول اختراعات حقائق سے شاید کہیں زیادہ معنویت رکھتی ہیں جب وہ پوشیدہ تمدنی رویوں کو ظاہر کریں۔ کیونکہ اگر حقائق اصل واقعات پر منحصر ہوں تو کہانیاں، چاہے عاشقانہ ہوں یا سورمائی، اس کی عکاسی کرتی ہیں کہ لوگ کیا یقین کرنے کے آرزومند ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ کس نوعیت کا رویہ ان کے تخیل کے لیے پرکشش ہوتا ہے اور ان کے دل کو چھولیتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے پلوٹارک کی دو مثالیں دیکھنے کے قابل ہیں۔

میلانی پس کی کہانی کو پونٹس کا ہیراکلیڈز بیان کرتا ہے جو افلاطون کا شاگرد ہے۔ جس نے ایک گمشدہ کتاب ''عشقیہ معاملات پر'' لکھی۔ میلانی پس اگری جنٹم۔ سسلی کا باشندہ تھا جس کا استبدادی حکمران فلاس (۵۷۰تا۵۵۴ ق م) اپنی بے رحم طبیعت کے لئے بدنام تھا۔ اس کی خباثتوں میں سے ایک پیتل کا بنا ہوا بیل تھا جس میں وہ اپنے کشتگان کو جلایا کرتا تاکہ ان کی چیخیں جانور کے ڈکرانے کی آوازوں سے ملیں۔ ان بے رحمیوں سے ہراساں ہوکر میلانی پس نے اپنے معشوق چارٹین سے سازباز کر کے آمر کا تختہ الٹنے کا

منصوبہ تیار کرلیا۔کوشش گو ناکام ہوگئی مگر فلاسؔ کے متعلق وثوق سے بتایا جاتا ہے کہ عشاق پر ہونے والے تشدد کے باوجود ان کی ثابت قدمی سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے بطور استحسان انہیں آزاد کردیا۔جس کے نتیجے میں جیسا کہ کہاوت چلتی ہے ۔اپالو نے فلارسؔ کی موت کو ملتوی کردیا اور اس کا فال گھر جو ڈیلفی پر تھا اس نے ایک شعر میں ان عشّاق کی تعریف کی

خوش تھے چیریٹنؔ اور میلانی پسؔ

جو ربانی محبت میں فانیوں کے رہنما تھے

انٹی لیونؔ کی کہانی اریسز کے فانیازؔ نے قلم بند کی جو ارسطو کا شاگرد تھا ۔ جسے وقوع پذیر ہوئے لگتا ہے ابھی ایک صدی بھی نہ گزری تھی ۔فانیازؔ کے بقول انٹی لیونؔ کو ایک معزز اور وجیہہ شخص نے ملامت کا نشانہ بنایا تھا جس کا نام ہپا زینوزؔ تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تک اس نے بظاہر کوئی ناممکن کارنامہ نہ انجام دیا تھا۔انٹی لیونؔ نے ہرکلی لو کانیا پر مسلط مستبد حکمران کی گڑھی سے خطرہ ظاہر کرنے والی والی گھنٹی چرالی۔ یہ ایک چھوٹی سی یونانی نوآبادی میٹاپونٹم کے نزدیک جنوبی اٹلی میں واقع تھی۔جب یہ مستبد حکمران خود ہی ہپارنیوزؔ پر فریفتہ ہوگیا تو انٹی لیونؔ نے اپنے رقیب کو قتل کردیا اور یہ صرف اس وقت ہوا جب وہ بھیڑوں کے ریوڑ میں پھنسا ہوا تھا۔شہر نے آزادی کے بعد جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے ایتھنز کی پیروی کی اور عشاق کے مجسمے نصب کیے ۔اور بھیڑوں کو ایک دوسرے سے باندھ کر رکھنے پر قانوناً ممانعت کردی۔

یہ نکتہ ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ ان واقعات کے تمام سورما ہر پیمانے سے شریف خاندانوں کے چشم و چراغ تھے۔ رومانی عشق نے گیارہویں صدی عیسوی میں جنوبی فرانس میں دوسری مرتبہ جنم لیا۔ اور یہ اشرافیہ کا امتیازی مسلک ٹھہرا جبکہ سوداگر اور کسان دور ہی رہے ۔لیکن یونان کے طول وعرض میں ہر طبقے کے مردوں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ سورماؤں کی طرح ذات کو قربان کردیں۔تھیوسی ڈائڈسؔ کہتا ہے کہ ایرسٹوجیٹنؔ درمیانی درجہ کا عہدہ دار شہری تھا' یوں کہیے کہ ایک کاروباری یا پھر مرد حرفت تھا۔ زینوفونؔ اپنی تصانیف انا باسس میں ذکر کرتا ہے کہ ایک عام سپاہی لینتھسؔ نے ایک لڑکے کی زندگی چالسیڈیا کے اوتھسؔ سے

بچانے کی خاطر اپنی جان دے دی ۔ ایتھی نائیس اپنی کتاب میں نا قابل تسخیر لیڈر کا ماجرا کہتا ہے جو غلاموں کی بغاوت کا رہنما تھا جو یونانی جزیرے ایونس پر برپا ہوئی تھی جو ایشیائے کوچک کے ساحل کے قریب تھا۔وہ جب ضعیف ہوگیا تو اس نے اپنے امرد سے التجا کی وہ اسے قتل کردے تا کہ اس کی تعلیم کے اخراجات پورے ہوسکیں۔ میں نے تم سے اتنی محبت کی ہے کہ جتنی دنیا میں کوئی نہیں کرسکتا۔تم میرے محبوب ہو، میرے بیٹے کی طرح ہو اور وہ ہو جو کچھ میرے پاس ہے۔مگر اب میں کافی جی چکا ہوں جبکہ تم ابھی جوان ہو اور تمہارے پھلنے پھولنے کے دن ہیں۔پھر اب کیا بچا ہے؟ تمہیں ایک اچھا اور معزز آدمی بننا ہے۔ چونکہ چیان کی ریاست نے میرے سر کی بہت بڑی قیمت مقرر کی ہے جو ایسے شخص کو ملے گی جو مجھے قتل کرے گا۔اس کے علاوہ اسے غلامی سے نجات بھی ملے گی ۔ اس لئے تم میرا سر کاٹ کر چیوز کے پاس لے جاؤ۔اگر یہ کہانی سچی ہے تو اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یونانی سماج کے ہر طبقے کے لیے کس حد تک ہم جنس پرستی ولولہ انگیز تھی۔اگر یہ ذہنی اختراع ہے جیسا کہ شکی قاری کو شک ہوسکتا ہے۔تب بھی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یونانی تخیل کی پرواز کسی جانباز یونانی مجرم کو کس بلندی پر پہنچا سکتی ہے جو مردوں کی محبت میں کس سورمائی انداز سے آمنا سامنا کرتے ہیں۔

وہ کیا شئے ہے جو ایک غیر جذباتی شاہد، کلاسیکل عہد کے بعد کے زمانے میں مغرب کو بالکل مخالف سمت میں پاتا ہے جس میں تذلیل کرنا اور ہم جنس پرستی کو گناہ کے مترادف ٹھہرانا، جرائم اور بیماری سے منسوب کرنا اور پھر سیاسی دائرے میں اسے کمزوری اور غداری کہنا۔جدید دنیا میں ''اغلام باز ہیرو'' کی اصطلاح لوگوں کو یوں لگے گی جیسے

مرے بت خانے میں تو گاڑو کعبے میں برہمن کو

اس معزز رشتے کے قریب کوئی نہ پھٹکا۔ مردوں کے مابین عشق یا عورتوں کے درمیان محبت کو ایک ایسا راز بنا ڈالا گیا جسے ہر قیمت پر چھپایا جانا چاہیے۔لیکن اس صورتحال کو کس شے نے بدل ڈالا؟ اس تبدیلی کو سمجھنے کے لیے ہمیں کلاسیکل عہد کی صاف گوئی اور خاطر خواہ ریکارڈ کو اپنے سماج پر چھوڑ دینا چاہیے کہ زیر بحث موضوع پر حقائق صریح اور حتمی ہیں لیکن سماجی ماحول دھندلا تو ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے۔

باب:۲

چھوٹی سی جوڈیا سلطنت

۹۰۰ق م ۔۶۰۰ء

احبار کا فیصلہ:

یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ وہ دونوں تمدن جنھوں نے مغربی تہذیب کی تعمیر و تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کو تقریباً بیک وقت متناقض نظریات اختیار کرنا پڑے۔چھٹی صدی قبل مسیح کے یونان میں ہم جنس پرستانہ شاعری تخلیق پا رہی تھی جس میں سولون، تھیوگنس، ابی کس اور انا کریون وغیرہ ۵۱۴ء تک حصہ لے رہے تھے۔ایتھینز نے ظالم کُشوں کو شہید ہوتے بھی دیکھا جو بعد ازاں مردوں میں ہونے والی محبت کے سورمائی مظہر بن گئے۔ لیکن اسی صدی میں چند سو میل کے فاصلے پر واقع قدیم فلسطین میں ایک قانون کو عبرانی صحایف میں شامل کیا جا رہا تھا، مال کار جسے غیر معمولی اثر و رسوخ حاصل ہونا تھا۔اور یہ بھی درست ہے کہ اسے آنے والے دور میں آدھی دنیا کے ہم جنس پرستوں کے نصیب پر مہر لگانا تھی جو ہمارے زمانے تک چلی ۔ہمیں ٹھیک ٹھیک یہ بات نہیں معلوم کہ کب کتاب 'احبار' کے مصنفین نے اس قانون کا نفاذ کر دیا۔ کیونکہ عبرانی بائبل کی مختلف کتب کی تحریر کی تاریخوں پر انگنت اختلافات پائے جاتے ہیں۔مگر جدید علماء میں جس تاریخ پر اس نام نہاد مقدس ضابطے پر اتفاق پایا جاتا ہے جو احبار میں درج ہے وہ ۵۵۰ ق م کے لگ بھگ ہے۔یہ وہ زمانہ ہے جب یہودی بابل میں مقید تھے۔

جیسا کہ توریت یا قانون کی پانچ کتابوں میں سے ایک کتاب احبار ہے جو قانون کا

ایک کتابچہ لگتی ہے جسے موسیٰؑ نے مقصود و منتہا ظاہر کرنے کے لیے بذریعہ فرمان نافذ کیا تھا ۔لیکن آج کل یہ سمجھا جاتا ہے کہ جناب موسیٰؑ ۱۳۰۰ ق م میں گذرے ہیں۔ اوراس پر بھی علماء بائیبل میں عمومی اتفاق پایا جاتا ہے کہ پانچوں کتابیں (پیدائش ،خروج ،احبار ، گنتی اور استثنا) جنہیں یہودی روایات کے مطابق انہیں موسیٰؑ سے منسوب کیا جاتا ہے ۔ اور قدیم مسیحی مذہب نے ان کتب کو بہت بعد میں قبول کیا تھا۔ مثال کے طور پر موسیٰؑ اپنی موت کا حال کیونکہ لکھ سکتے تھے جس کا ماجرا استثنا میں درج ہے ۔ اس سے بھی بڑھ کر توریت کی کتب اس طرح بیان کرتی ہیں جیسے یہودی ایک عرصہ دراز سے فلسطین میں بسے ہوئے ہوں ۔ جبکہ موسیٰؑ کے نصیب میں یہ نہ تھا۔ ہم اس لئے یہ قیاس کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اگرچہ چند قوانین ممکن ہے قدیم ہوں یا موسوی بھی ہوں مگر زیادہ تر بعد کی صورتحال کو دیکھ کر وضع کئے گئے تھے ۔ احبار کی ابتدائی فصلیں ان مناسک کا ذکر کرتی ہیں جو سوختنی قربانی کا ہی کفارہ اور کوڑھ کے علاج کے علاوہ غذائی احکام کہ کس طرح پاک اور نجس جانوروں میں تمیز کی جائے ۔ راسخ العقیدہ مسیحیوں اور یہودیوں کو چھوڑ کر ان احکام کو آج کل ہماری دنیا میں دقیانوسی اور مکروہ سمجھا جاتا ہے تاہم فصل ۔ ۱۸ میں چند جنسی افعال کی ملامت کی گئی ہے جس میں تزویج محرمات (incest) اور مردانہ ہم جنس پرستی شامل ہیں ۔ یہودیوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ''مکروہات'' اہل کنعان میں بالعموم ہوتی ہیں جو اہل اسرائیل کے فتح کر لینے سے پہلے فلسطین پر حکمران تھے ۔ اور یہودی بھی اپنے مفتوحین کی طرح محروم کردئے جائیں گے ۔

> '' تم ان کاموں میں سے کسی میں پھنس کر آلودہ نہ ہوجانا کیونکہ جن قوموں کو تمہارے آگے سے نکالتا ہوں وہ ان سب کاموں کے سبب آلودہ ہیں۔ اوران کا ملک بھی آلودہ ہوگیا ہے۔ اس لئے میں اس کی بدکاری کی سزا اُسے دیتا ہوں ایسا کہ وہ اپنے باشندوں کو اگلے دیتا ہے۔'' (احبار ۱۸:۲۴)۔ ہم دیکھیں گے کہ نئ دنیا کو فتح کرنے میں کس طرح ہسپانوی فاتحین ایسے ہی جواز پیش کرتے ، جب وہ خطوں کا تبادلہ کرتے تھے۔

فصل ۔۱۸ میں دی گئی ایک عمومی ملامت اور مردوں کے مابین جنسی رشتوں پر

مخصوص سزاؤں میں فصل ۔۲۰ کے ذریعے مزید اضافہ کیا جاتا ہے ۔ اس قانون کو اس طرح ضابطہ تحریر میں لایا گیا کہ احبار کے مصنفین نے دو درجن الفاظ میں مغربی دنیا کے مردوں کے انجام کو چودہ سو برس کے لئے سر بہ مہر کر دیا جو اپنی ہی صنف پر عاشق ہوتے ۔ جیسا بادشاہ جیمزؔ کی بائیبل کے مترجمین نے بیان کیا ہے، جو یوں ہے

''اور اگر کوئی مرد سے صحبت کرے جیسے عورت سے کرتے ہیں تو ان دونوں نے نہایت مکروہ کام کیا ہے ۔ سو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں ۔ ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا ۔ (احبار۲۰:۱۳)

مناسک کے متعلق بنائے جانے والے قوانین کے برخلاف یہ قانون ان غیر یہودیوں پر بھی نافذ ہوگیا جو یہودیوں کی قلمرو میں رہتے تھے ۔ جان بوسولؔ کو مغالطہ ہوا جب اس نے یہ دلیل دی کہ مناسک پر نفاذ کے عمل کو نہ جانے کیوں غیر یہودیوںؔ کے لئے لازمی سمجھ لیا گیا ۔ (احبار ۱۸:۲۶) صراحت سے کہتا ہے کہ یہ ممانعت حاوی ہے ''تم میں سے کوئی خواہ دیسی ہو یا پردیسی جو تم میں بودوباش رکھتا ہو۔'' اس لئے یہ قانون ان نام نہاد نوحی ضابطوں میں شمار کیا جاسکتا ہے جس کا اطلاق نوحؑ کی تمام باقیات پر ہوتا ہے یعنی پوری انسانیت پر۔

عبرانی بائیبل جس اخلاقیات کی حامل ہے وہ زیادہ تر انسانیت نواز ہے۔ اس کے انبیا اور قوانین ساز کچلے ہوئے اور کمزور لوگوں کے متعلق ایک حساس فکرمندی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ مصر میں مظلوم تھے کیونکہ وہ ایک پرشکوہ سلطنت سے جوجھتے رہے جو اکثر ان کی آزادی سلب کر لیتی جس نے ان میں ایک مخصوص ترس کھانے کا جذبہ پیدا کر دیا۔ عبرانی صحیفے ''اجنبیوں'' یا اغیار کے واسطے ہمدردی ظاہر کرتے جس میں غریب اندھے اور بہرے' یتیم اور بیوائیں یہاں تک کہ بھوکے جانور بھی جن کی ان کا قانون محافظت کرتا۔ یہ وہی احباری ضابطہ تھا جس نے ہم جنس پرستوں کی شہر بدری کا حکم دیا یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ میاں بیوی کو اس طرح پڑوسیوں سے محبت کرنا چاہیے جتنا وہ اپنی ذات سے کرتے ہیں۔ لیکن احبار کے لکھنے والے مقدس کاہنوں کی نظر میں ہم جنس تعلقات والا شخص پڑوسی نہیں بن سکتا۔ اس کے بجائے وہ ایک مہلک خطرہ تھے جس کا قلع قمع کرنا لازمی

تھا۔مشرقی بحیرہ روم میں یہودیت ایک چھوٹے سے قبیلے کا مذہب رہا ۔ایسی ہٹ دھرمی اگرچہ قابل مذمت تھی اس کا نسبتاً معمولی سا ہی اثر ہوتا۔کسی شخص کو صرف یہ کرنا ہوتا کہ چند دنوں تک چلتا رہتا تا کہ ان کی حدود سے بچ نکلے۔لیکن یہودیت دنیا کے ایک بڑے مذہب کی مربی بن گئی جسے مسیحیت کہا جاتا ہے اور اگرچہ مسیحیت نے غذا اور مشاطگی سمیت مختلف اناجوں کو ایک ساتھ بونے کی روش ترک کردی یا پھر سوت اور ریشم سے بنے پارچہ جات سے تیار ہونے والے ملبوسات پہننا ترک کردیا پھر بھی عہد نامہ عتیق میں درج جنس سے متعلق قوانین پر قائم رہی۔

یوں احباری ضوابط ان قوانین کے لیے مثالی نمونہ بن گئے جن میں پورے یورپ میں ہم جنس پرستی کے لئے سزائیں مقرر کی گئیں۔اور یہی سب کچھ باقی دنیا میں بھی ہوا جہاں جہاں اٹھارویں صدی کے خاتمے تک یورپ کا اثرورسوخ پہنچا بلاشبہ احبار کا اخلاقی اختیار آج بھی فیصلہ کن امر ہے۔امریکی عدالتیں آج بڑے تواتر سے اسے پیش کرتی ہیں تاکہ اغلام بازی کے قوانین کو نہ چھیڑا جائے۔ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے ۱۹۸۶ء میں ''اخلاقی تعلیمات کے ہزاریے'' کو دہائی دی اور کہا کہ وہ ہم جنس پرستوں کو کیوں خلوت کا کوئی آئینی حق نہ دے گا۔یہ اخلاقی تعلیم جیسا کہ چیف جسٹس وارن برگر نے وضاحت کی درحقیقت مسیحی تعلیمات کا اٹوٹ انگ ہے جس کی جڑیں قدیم بائبل کے عقائد میں پیوست ہیں۔

جب چوتھی صدی عیسوی میں رومن سلطنت نے مسیحیت کو قبول کرلیا تو عہد نامہ عتیق میں مرد ہم جنس پرستوں کے لئے مقررہ سزائے موت رومن قانون میں شامل کرلی گئی۔بعد ازاں اسی بات کو نظیر کے طور پر پیش کیا گیا جب فرانس، ہسپانیہ اور برطانیہ میں ہم جنس پرستی کے رویے کے خلاف سزائیں تجویز کی جارہی تھیں۔اسی طرح مقدس رومن سلطنت، اطالوی ریاستوں، اسکینڈے نیویائی ممالک اور ہر اس علاقے میں کیا گیا جہاں یورپی استعماریوں نے اپنے مسیحی مذہب کے مطابق نوآبادیاں بنائیں۔اپنی تمام قلمرو کی حدود میں نام نہاد لونڈے بازوں کو جان کے لالے پڑگئے۔ولیم بلیک اسٹون اپنی تصنیف بنام (Commentries on the laws of England)(۱۷۶۵۔۱۷۷۹ء) میں

یہ استدلال کرتا ہے کہ سزائے موت کا قانون خدا نے پوری کائنات کے لیے بنایا ہے'' اور یہ کوئی صوبائی (مراد یہودی) قاعدہ نہیں ہے۔ اسی طرح چپٹی کھیلنے والیوں کو بھی تیرہویں صدی کے بعد فرانس، ہسپانیہ، اطالیہ، سوئٹزر لینڈ اور جرمنی میں سزائے موت کا سامنا کرنا پڑا۔ ابھی داستان ختم نہیں ہوئی۔ وہ مرد و زن جنہوں نے براہ راست قانون کا بوجھ نہیں محسوس کیا پھر بھی اس کے آسیب تلے جینے پر مجبور تھے۔ انہوں نے دھمکیوں اور تذلیل کے علاوہ اس نوعیت کے ماورائے قانون تشدد کا سامنا کیا جن امور کو رائج اخلاقی ضوابط میں رفع دفع کر دیا جاتا تھا۔

جب قانون سازی کی روایات نے لاکھوں افراد کے لئے رنج و اندوہ کے پہاڑ درجن بھر ممالک میں کھڑے کر دیے تو ہم فطرتاً اس کے منبع کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ سوال کی نوعیت خصوصاً اس وقت مزید گراں ہو جاتی ہے جب تمدنوں کی عالمی تاریخ سے موازنے میں ____ مثلاً کنفیوشس کے چین، بدھ مت والے جاپان اور ہندوستان کے ہندومت سے سامنا ہوتا ہے۔ مگر اس کا جواب پانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے ذرائع محدود اور مخفی ہیں۔ اور ہمیں اکثر قیاس آرائی کرنا پڑتی ہے جب حقیقت گریزاں ہو۔ قوانین جنہیں بالاعلان امر ربی کہا گیا ہو جیسے احبار جن کی صراحت کے لیے نہ کوئی تمہید ہوتی ہے نہ ہی جواز۔ اور ایسی دستاویز کی قلت ہے جنہیں دیکھ کر ہمیں کوئی سراغ مل جائے۔

آبادی کو خطرہ:

قدیم جوڈیائی سلطنت میں ہم جنس پرستی سے متعلق جو خلاف معمول خوف پایا جاتا تھا اسے کئی مصنفین نے سمجھنے کی کاوشیں کی ہیں اور وضاحتیں اس کے سیاسی اور فوجی نظام میں تلاش کیں جو قابل فہم بھی ہیں۔ بائیبل کے مطابق اسرائیلی بنیادی طور پر خانہ بدوش تھے جو ایسی زمین کی تلاش میں سرگرداں تھے جس پر بس سکیں۔ ارض فلسطین پر ان کا دعوی اور اس کا نظریاتی جواز اس عقیدے پر قائم ہے کہ یہوہ (خدا) نے انہیں ارض کنعان کی ملکیت اس

کے کاہنوں کی تشکیل دی ہوئی شرع سے وابستگی کے عوض دی ہے۔ دائمی خارجی خطرات کی وجہ سے قبائیلی یکجہتی ـــــ جس نے امتداد زمانہ سے مذہبی یکجہتی کا روپ دھار لیا ـــــ جو نہایت اہم بھی لگتی ہے۔ یہ کچھ گمبھیر ضرورت یعنی یہودیوں کی تمدنی تاریخ اور یونانیوں کے مابین پائے جانے والے اختلافات کی تشریح کرنے میں مدد کرتی ہے۔یونانیوں نے اہل فارس پر غلبہ پالیا۔ یہودی تو پہلے ہی سے مفتوح تھے۔یہودیت کے مقابلے میں یونانی مذہب یوں لگتا ہے جیسے قلب روح اور ترس کھانے کے معاملے میں افتادگان خاک کی نظروں میں کم مایہ لگتا۔جب عہد بائیبلی کی یہودیت کا قدیم یونانی تہذیب سے موازنہ کیا جائے تو اول الذکر تخیل پرستی اور ہیسٹیریائی خوف کا آمیزہ معلوم ہوتی ہے۔

ایک چھوٹا سا قبیلہ جسے ایک مہیب اور جارح طاقتوں کا سامنا ہو۔یعنی مصر اشور یہ اہل بابل اور فارس۔یہودی فطرتاً اپنی تعداد بڑھانے میں کوشاں تھے یہ عسکری تحفظ کے لئے ضروری تھا۔افزائش نسل کے لئے احبار میں ہم جنس پرستی کے خلاف معین قانون سازی سب سے بڑھ کر دلیل تھی جو پیش کی جاتی رہی۔یہودیوں کی مقبول روایت سب سے زیادہ شادی پر اور بڑے کنبے پر زور دیتی ہے۔تالمودی (بائیبلی کے بعد) عہد میں غیر شادی شدہ مردوں کی ملامت کی جاتی اور کبھی کبھی تو زبردستی بیاہ دیا جاتا۔قدیم یہودی مجرد زندگی پر تیوری چڑھالیتے اور یہ بھی ایک مفروضہ ہے کہ ہم جنس پرستی پر بھی۔اس کے باوجود یہ یقین کر لینا دشوار لگتا ہے کہ اس صورتحال نے معاملات کو اتنا بگاڑا کہ وہ شیطانی ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور سزائے موت نافذ کرادی۔ایسے سماج جو مجرد زندگی اور بے اولاد فرد کی اکثر ہمت شکنی کرتے اور جیسا کہ قدیم روم کا حال تھا جہاں غیر شادی شدہ مردوں پر سماجی پابندیاں عائد ہوئیں،ٹیکس لگے یا پھر افزائش نسل کے واسطے مناسب ترغیبات دی گئیں۔

استثنائی صورت تو نازی جرمنی کی ہے جہاں ہیزک ہملر جو ہولوکاسٹ کا (مبینہ) معمار اعظم تھا جنون کی حد تک اس بات پر کمربستہ تھا کہ ناروی آریاؤں کی تعداد میں اضافہ ہو۔اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے جرمنی کے تمام ہم جنس پرستوں کو نیست و نابود کرنے کی ٹھان لی۔ ’’ہمیں ایسے لوگوں کی جڑیں اور شاخیں بھی مٹا دینا چاہیئے‘‘ اس نے لکھا۔’’صرف یہ سوچیئے کتنے بہت سے بچے اس وجہ سے کبھی نہ پیدا ہوں گے اور لوگوں کے

اعصاب اور روحیں کس طرح پاش پاش ہوجاتی ہیں۔ جب ان پر ایسا موذی خیال غلبہ پالیتا ہے ۔آخری دنوں میں ہٹلر اور نازیوں نے ہزاروں ہم جنس پرستوں کو موت کے کیمپوں میں بھیج دیا تھا(ا)۔اس کے باوجود فیلو اور پرانے اہل شریعت کس تواتر سے تخفیف آبادی کا ہوّا کھڑا کرتے رہے ۔اس سے ملتا جلتا کوئی بھی خیال ہمیں عبرانی مصاحف میں یا تالمود میں نہیں ملتا۔ بلکہ ممانعت کے محرکات اور سزائے موت کے اسباب مذہبی یا پھر مسلکی ہوسکتے ہیں۔جن کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے'اس کی تشویش کہ کہیں ''آلودہ'' نہ ہوجائیں جس سے یہووہ کا قہر نہ نازل ہوجائے۔

احباری ممنوعات میں ایک معاملے میں متعلقہ وضاحت یہ تشویش تھی جسے ضایع شدہ 'بیج' کہا جاتا۔ تاہم عبرانی بائبل درحقیقت ایک معاملے میں خاموش ہے جسے مشت زنی کہتے ہیں۔ جب پیدائش ۳۸ میں یہوداہ کے بیٹے اونان کو خدا کا حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی بیوہ سے بیاہ کرے اور اس سے بچے جنوائے ۔تس پر اونان وظیفہ زوجیت کے درمیان قصداًاپنے ''بیج گراتا'' ہے زمین پر۔اور بطور عذاب اس کو ہلاک کردیا جاتا ہے۔ حالانکہ مشت زنی اس واقعے کے بعد''اونانزم'' کہلائی۔ پیدائش کے مصنفین کی نظر میں اونان کا گناہ محض یہ تھا کہ اس نے احبار میں دی ہوئی نام نہاد شادی کی ذمہ داریاں نہ انجام دی تھیں۔ اکلوتا قانون جو ضایع ہونے والی منی پر ہے صرف یہ چاہتا ہے کہ ''اگرکسی مرد کی دھات بہتی ہوتو وہ پانی میں نہائے اور شام تک ناپاک رہے''۔ (احبار۱۵:۱۶) دوسرے لفظوں میں گویا اس کا کفارہ ایک چھوٹے سے منسکی عمل طہارت سے ہے۔قدیم اہل تالمود کی گوہرافشانیوں اورعہد وسطی کے فقیہوں کی چرب زبانی کے باوجود جنھوں نے مشت زنی سے منی کے زیاں کو انسان کے ہاتھوں انسانی قتل کے مترادف قرار دیا ہے ۔دنیا کے کسی سماج نے اس بنیاد پر آج تک قانون سازی نہیں کی۔

''سدوم کا سونا '':

ولیم بلیک اسٹون کا یہ کہنا کہ مردوں کے مابین اغلام بازی کے جرم کی سزائے موت

کے لئے اس بنیاد پر صرف یہودی قانون کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا کیونکہ ''دوشہروں کی بذریعہ آسمانی آتش زنی'' حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے ہوئی تھی۔لیکن آیا سدوم اور عمورہ شہروں کی کہانی نے فی الواقعی احبار کے مصنفین کو متاثر کیا تھا ۔ اور یہ پوری دنیا میں تقریباً تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایسا ہی ہوا تھا اور ابتدا میں مسیحی مصنفین سدوم کے خاتمے کا سبب آگ کو معمول کے مطابق بتاتے کہ کس طرح ان لوگوں نے عذاب کو دعوت دی جس سے خدا کی ناراضی ظاہر ہوتی۔ اور یہ ان لوگوں کے خلاف ہوا تھا جو ''مغلِم'' تھے۔لیکن کیا اس کے وہی معنی ہوتے ہیں جو قدیم عہد نامے کے زمانہ تحریر میں تھے؟ متن کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے اور قدیم تفاسیر پڑھی جائیں اور ان مقبول روایات کو مدنظر رکھا جائے جو تالمود میں درج ہیں تو لگے گا کہ ایسا نہیں ہے۔

سدوم اور عمورہ کا تعلق تو جے (J) روداد سے ہے۔ پیدائش کا یہ تاگا اس لئے نام نہاد ہے کیونکہ اس میں خدا کو یہووہ کہا گیا ہے۔اسے قدیم ترین مختلف دستاویز کو گوتھ کر بنایا گیا ہے تاکہ کتاب پیدائش میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔اس پر عموماً اتفاق رائے ہے کہ یہ کتاب ۸۵۰ ق م سے پہلے مکمل ہوچکی تھی۔ اگرچہ جے۔اے۔لوڈؔر نے اپنی موثر تحقیق کے ذریعے سدوم کی داستان کوابتدائی یہودی روایت میں دیکھ کر یہ استدلال کیا ہے کہ پیدائش کا آخری حصہ آٹھویں صدی عیسوی تک نہیں شامل کیا گیا تھا۔سدوم کی بربادی طویل ابراہیمی داستان کا حصہ ہے۔ جسے اگر ہم تاریخ کے سیاق وسباق میں رکھیں تو اس کا زمانہ ۲۰۰۰ ق م بنے گا۔ لیکن موجودہ شکل میں سدوم داستان کتنی قدیم لگتی ہے اور وہ کون سی تفصیلات تھیں جنہوں نے ابتدائی روایات کو متصف کیا تھا ۔ جن سے ہم واقف نہیں۔ وہ ناگہانی آفت جس نے سدوم کو دبوچ لیا بظاہر یوں لگتا ہے جیسے کسی آتش فشانی سے پیدا ہونے والی تباہی کا عوامی حافظے میں کوئی تصور رہے ۔ اگرچہ تاریخ کے صفحات میں بحر مردار کے علاقے میں کوئی سراغ نہیں ملتا کہ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو۔طوفان اور نوحؑ کی کہانی کا انداز بیان سبق آموز حکایت کی طرح لگتا ہے جس کا منشا خدا کے قہر کو جتانا ہو۔ یہ ادیبانہ طرز بیان ابراہیم کی خدا سے متواتر التجاؤں سے لگتا ہے جو پیدائش ۔۱۸ میں درج ہیں کہ مالک اس شہر کو بچالے اگر اس شہر میں پچاس ،۴۵۔تیس ۔۲۰ یا پھر صرف دس ہی نیک شہری

موجود ہوں۔مگر سدوم کی حکایت کی روایتی تفسیر کے باوجود ہم جنس پرستی کا بظاہر کوئی اشارہ نہیں ملتا جب تک کہ اگلے باب میں پیامبر فرشتے نہیں اتر آتے۔اس سے پہلے ہمیں صرف یہی بتایا جاتا ہے ''اور سدوم کے لوگ خداوند کی نظر میں نہایت بدکار اور گنہگار تھے''۔(پیدائش۱۳:۱۳) سدوم کو اس کی خلقی کجی کی وجہ سے تباہ کردیا جائے گا۔بزور گانڑ مارنے کی دھمکی اس وقت ملتی ہے جب شہر کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔کہیں بھی اس نوعیت کا کوئی ایسا کلام نہیں ملتا ہے کہ وہ کون سے اسباب تھے جس نے قہرالٰہی کو دعوت دی۔

پیدائش۔۱۹اس کے برعکس تفصیلات سے پُر ہے۔جب فرشتے ابراہیمؑ کے بھتیجے لوطؑ کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ شہر سے فرار ہوجائیں۔تو وہ انہیں پناہ دیتے ہیں اور وہ اس وقت دہشت زدہ ہوجاتے ہیں جب اہل سدوم۔''چاہے جوان ہوں یا بوڑھے تمام لوگ چہار جانب سے'' یہ تقاضہ کرتے ہیں کہ نو واردان کے حوالے کیا جائے تاکہ ان سے ''محبت'' کی جائے۔مہمان نوازی کے قانون کی اس بے حرمتی سے انہیں صدمہ ہوتا ہے اور لوطؑ اپنی کنواری بیٹیوں کو پیش کرتے ہیں ''جو مرد سے واقف نہیں ہیں''۔لیکن پیشکش کو رد کردیا جاتا ہے۔اہل سدوم حملہ آور ہوتے ہیں مگر خدا انہیں اندھا کر دیتا ہے۔یوں لوطؑ اور فرشتے جان بچا پاتے ہیں۔اس کے بعد شہر اور اس کے باسیوں کو آسمانی آگ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے جس میں بچے اور عورتیں بھی ختم ہوجاتی ہیں۔

ہم اس ناٹک سے کیا نتیجہ اخذ کریں؟ چند اہل علم جیسے ڈیرک شرون بیلی کا یہ کہنا ہے کہ ''محبت'' کے اس سلسلے میں سادہ سے معنی ہیں یعنی فرشتوں کی ''شناخت'' کرنا مقصود تھا۔جو مشتبہ اجنبی لگتے تھے مگر بیٹیوں کی پیشکش سے تو لگتا ہے جیسے ان کی ہوس رانی کو ٹھنڈا کرنا ہو جس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنسی روایت کی حمایت کی جائے۔اس سب کے باوجود اس اساطیری امرد پسندی کے قصے کو اغلام بازی کی مخالفت کے لئے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا جو قطعاً بے جا تھا۔یہاں نزاع کس بات پر ہے آیا کوئی ایسا آمادگی والا اقدام ہے یا پھر کسی ہجوم کا جبری گنڈ مرّا ہے۔جسے دو ملکوتی پیام بروں سے پوری برادری کا جنسی تشدد کہنا پڑے گا۔

بالآخر ''اہل سدوم کا گناہ'' چرچ کے اکابرین نے شناخت کرلیا جس کا تعلق مردانہ ہم جنس پرستی سے تھا۔ چاہے اس میں منشا شامل ہو یا نہ ہو۔ لیکن یہ تفسیر اصل کہانی سے کہیں مترشح نہیں ہوتی۔ ''اہل سدوم کا گناہ'' کسی بھی عبرانی نبی کی نظر میں جہاں بھی ذکر آیا لگتا ہے جیسے ہم جنس پرستی کے ہم معنی نہ ہو۔ جیسا کہ بیلی اور لوڈر کا یہ کہنا بجا ہے کہ نبیوں نے جب بھی سدوم کا ذکر کیا تو شہرِ بد کہا لیکن کہیں بھی اس کی ہم جنس پرستی کا ذکر نہ کیا۔ یسعیاہ، یرمیاہ، عاموس اور صفنیاہ نے صرف عمومی گفتگو کی۔ یرمیاہ نے تو یروشلم کے جعلی نبیوں کی مذمت کی اور کہا کہ یہ جھوٹے ہیں اور یہ شادی شدہ عورتوں سے بدکاری کرتے ہیں اور بری باتوں کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔ یہ اضافہ کیا ''یہ میرے لئے اہل سدوم کی مانند ہیں''۔ ممکن ہے اس کا مفہوم یہ لیا ہو کہ اہل سدوم کے گناہوں میں سے ایک شادی شدہ عورتوں سے جنسکاری ہو۔ مگر یہ کسی طرح واضح نہیں ہے۔

صرف ایک نبی کا بیان اہل سدوم کے جرم کی نوعیت پر واضح ہے۔ ایزاقیل جو سیفو اور سولون کا ہم عصر تھا۔ جوڈیا سلطنت میں یرمیاہ کے زمانہ نبوت میں پروان چڑھا تھا اور ۵۹۷ ق م میں اہل بابل اسے گرفتار کر کے لئے گئے۔ اور کچھ ہی سال بعد اس نے بھی تبلیغ شروع کردی۔ وہ سدومیوں کی برایوں کی ایک نایاب فہرست پیش کرتا ہے ''ارے دیکھو یہ ہے تمہاری ہمشیرہ بہن سدوم کا کچا چٹھا۔۔۔ جنہیں اپنی دولت پر ناز تھا اور خوراک کی بہتات، چین وراحت بھی تھی اس کے باوجود انہوں نے غریبوں اور بدنصیبوں کی کبھی مدد نہ کی (۴۹:۱۶ نیو انگلش بائبل) یہ قابل ذکر ہے کہ ایزاقیل کسی بھی قسم کے جنسی جرائم نہیں بیان کرتا ماسوا خیرات والے گناہ کے۔ سدوم صاحب ثروت لوگوں کا شہر ہے جس سے وہ مغرور، عیش کوش اور بافراغت تھے جن سے وہ غریبوں کی حالت سے بے اعتناعی برتتے تھے۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایزاقیل کے خیالات کہیں انوکھے تو نہیں ہیں یا پھر کسی مخصوص تفسیری روایت کے امین تو نہیں۔ اب آپ نام نہاد عوامی قصہ ہگادوتھ (کتاب القصص) کی سنئے جو بابلی تالمود میں ملتا ہے اور ثابت کرنے میں مفید ہوگا۔ ولیم آرباخ نے ان قصوں کو ایک کھڑکی کہا ہے جہاں سے '' یہودیوں کی اجتماعی نفسیات اور ان کے نظریات'' دیکھے اور سنے جاسکتے ہیں۔ جب ہم ان کی چھان پھٹک کرتے ہیں تو ہمیں یہ ملتا ہے کہ ایک

روایت پائی جاتی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعی ایزاقیلی نظریات کا کبھی چلن تھا۔ بابلی تالمود ۵۰۰ ق م سے ۳۷۰ء کے درمیان مرتب کی گئی جس میں سدوم سے متعلق کہانیوں کا ایک سلسلہ موجود ہے جو معنی اور لہجے میں حیران کن ہیں۔ بدنام حد تک اپنے روایتی اور زاہدانہ شعار کے برخلاف ہم طنزآمیز لطیف مزاح پاتے ہیں۔ سدوم کو بے پناہ دولت و ثروت والا شہر بنا کر پیش کیا گیا ہے جس میں وہ کسی کو شریک نہیں بنانا چاہتا۔ وہ کہتے ''چونکہ روٹی ہماری دھرتی سے پھوٹی پڑ رہی ہے اور اس سے سونے کے ذرات چپکے ہوتے ہیں تو پھر ہم ایرے غیروں کے لیے کیوں گھلیں۔ جو ہم سے ملنے محض اس لئے آتے ہیں تا کہ ہماری دولت میں سیندھ لگائیں۔ آؤ مل جل کر اس دیس میں سفر کرنے والوں کے وطیرے کو ختم کر دیں۔'' مدِراش تفسیر میں ایک شارح نے اسے اتنا امیر و کبیر کہا ہے جس کی ترکاریوں کو جب کھیت سے اکھاڑا جاتا تو ان سے سونے کے ذرات بھی جھڑتے تھے۔

ہگادوتھ قصص کے مطابق اہل سدوم اجنبیوں کے داخلے کی ہمت شکنی کرنے میں اس حد تک چلے جاتے کہ ایسے واقعات کا ایک سیلاب ہے جس سے ایسی صورت ابھرتی ہے کہ ان کی قانونی عدالتیں ناانصافی کی تمام حدود پھلانگ جاتیں۔ ہمیں بتلایا جاتا ہے کہ اگر کوئی اپنے پڑوسی کے گدھے کا کان کاٹ لیتا تو منصف یہ حکم دیتا۔ ''یہ اس کے حوالے کر دیا جائے جب تک اس کا کان دوبارہ نہ اگ آئے۔'' کسی آدمی نے اگر کسی اور کی بیوی کو زخمی کر دیا ہو جس سے اسقاط ہو گیا ہو تو کوئی بھی ظریفانہ مزاج کا مجسٹریٹ حکم دیتا کہ وہی عورت کو دوبارہ حاملہ کرے۔ جب کوئی اجنبی شخص کسی سدومی پر یہ الزام لگاتا کہ مجھے اس نے زخمی کیا ہے تو قاضی صاحب یہ حکم دیتے کہ مضروب ایک مخصوص رقم بطور ''خوں بہا'' ادا کرے۔ صرف ابراہیمؑ کے ہوشیار ملازم الیزر نے اس نامعقول انصاف کے خلاف عیاری سے کام لیا۔ چونکہ اس پر حملہ ہوا تھا اس لئے اسے حکم ہوا کہ وہ حملہ آور کو مضروب ہونے کی رقم ادا کرے۔ جس پر الیزر قاضی پر حملہ کر دیتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ اس پر واجب رقم حملہ آور کو منتقل کر دی جائے۔ ایسی گھٹن کی ماری دنیا جہاں مظلوم ہی مجرم گردانے جائیں اور قلاش بدیسیوں کو اس منافقانہ فیاضی کا نشانہ بنایا جائے' جیسا کہ اس مجمل کہانی سے ظاہر ہے '' اگر کوئی آدمی اتفاق سے وہاں آنکلتا تو ہر باسی اسے ایک دینار (سونے کی ٹکیہ) دیتا

لیکن اسے کوئی روٹی نہ دیتا۔ جب وہ مرجاتا تو لوگ آجاتے اور اپنا اپنا سکہ لے جاتے''۔

گاہ گاہ تالمود جنسی افعال پر بھی نظر دوڑاتی ہے جب یروشلم کی عدالت عظمی اہل سدوم کو''اپنے جسموں سے بدچلن''، مگر ہمیں مزید تفصیلات نہیں دی جاتیں۔ یہاں سے وہاں تک زیادہ تر جو ملامت ملتی ہے وہ خیرات نہ کرنے پر ہے۔تیسری صدی عیسوی کے ایک ربیّ نے یہ ذمہ داری لی کہ وہ اس اقدام کی ٹھیک ٹھیک وضاحت کرے گا جس نے خدا کے غضب کو للکارا اور اس نے شہر کو صفحہ ہستی سے مٹادیا۔ پیدائش ۔۱۸ میں خداوند ابراہیمؑ سے کہتا ہے''چیخ (دعا) جو سدوم یا عمورہ'' کے متعلق تھی مجھ تک پہنچ گئی۔ ربیّ جوڈا کی خشونت آمیز کہانی ''چیخ'' کی تخصیص یوں کرتا ہے''کسی کنواری لڑکی نے ایک غریب آدمی کو روٹی دی جو ایک گھڑے میں چھپا ہوا تھا۔ جب یہ راز فاش ہوا تو انہوں نے لڑکی کو شہد میں لتھیڑ کر دیوار کی منڈیر پر رکھ دیا یوں شہد کی مکھیاں آئیں اور اسے چٹ کر گئیں۔اس لئے یہ لکھا ہے اور خداوند نے کہا سدوم اور عمورہ کی چیخ۔۔۔ بہت فلک شگاف تھی۔جس پر ربیّ جوڈا نے تبصرہ کیا۔۔۔ یہ سب کچھ کنواری کی وجہ سے ہوا۔

ان ہگادوتھ قصص سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ یہ انداز بیان'' سدوم والے اطوار'' کی طرح سے مراد جنسی رویہ نہیں بلکہ وہ ہیں جنہوں نے مدد کرنے سے دریغ کیا اگرچہ ایسا کرنے میں ان کے پلے سے کچھ نہ جاتا۔ہم جسے بعد میں''ناند میں پڑا کتا'' کہیں گے۔ اب کس طرح فرشتوں کی جبراً گانڑ مارنے کی کہانی اہل سدوم کے سماجی جرم والے گناہ کے کھانچے میں بیٹھے گی۔ پیدائش کی تفسیر میں ۔ایسی شرح جو ۷۰۰ ق م میں لکھی گئی تھی ڈکیتی اور مردانہ جبریہ گانڑ مارنے کا ڈھنڈورا کرکے اجنبیوں کی ہمت شکنی کرتے تھے۔ایسے جملوں کو کسی غیر قانونی مسرت کا ذریعہ سمجھنے کے بجائے دراندازوں کو مار بھگانے کا حربہ سمجھا جانا چاہیے____ بالکل اسی طرح جیسے رومی سلطنت کے باغوں میں خدائے پریاپس کے آلت والے مجسمے نصب کیے جاتے۔جن پر جماع بالجبر کی دھمکیاں نقش ہوتیں اور جس کا مقصد چوروں اور دخل اندازی کرنے والوں کا سدباب کرنا تھا۔

ایزاقیل کی کتاب کے مطابق شہر سدوم حاجتمندوں کے واسطے سنگدل شہر تھا۔جس کا وجود عموماً ۵۹۰ ق م میں مانا جاتا ہے۔لیکن اس وقت تک نہیں جب فی لو کی تحریروں میں ہم

جنس پرستی کو کھلم کھلا سدوم شہر کی بودو باش کا جز و اور بلا خوف تر دید یہ سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ یہ وہاں کی زندگی میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے اور گناہ کبیرہ ہے____ یہی نقطہ نظر چرچ کے ابتدائی فادروں نے اختیار کرلیا۔ہم جسے ''امارت والی خودغرضی کا سدوم'' کہتے ہیں بڑی حدتک لگتا ہے فیؔلو اور پطرسی نظریات یعنی ''ہم جنس پرستی والا سدوم'' نام پڑنے سے پہلے کے ہیں۔ نئے عہد نامے کے ابتدائی چار صحیفوں میں سے کوئی ایک یا پھر جناب عیسیٰؑ جو فیؔلو کے ہمعصر تھے۔ جو اکثر سدوم کا حوالہ دیتا ہے لیکن ہمیشہ اسے غیر مہمان نواز شہر کہتا ہے اور کبھی بھی اسے ہم جنس پرست نہیں کہا۔

''مقدس لوگ کون تھے'':

اگر آبادی والا نظریہ مشکوک سمجھا جائے اور سدوم کی کہانی بہ مشکل قابل قبول تو ایک سوال پھر بھی سر اٹھائے رہتا ہے کہ' احبار' کے خون آشام قوانین بنانے میں کون سے محرکات کارفرما تھے۔جس کا کنایے میں جواب ممکن ہے ہمیں بادشاہ جیمزؔ کی بائیبل میں مل جائے۔جس کے مترجمین نے یہ مناسب سمجھا کہ لفظ''sodomite'' بمعنی فاعل) مغلم وضع کر کے کوئی آدھ درجن مرتبہ استعمال کیا۔اسے عبرانی لفظ''کیدش'' (طہارت خانہ) (جمع کیدشم)یا مقدس شخص مفہوم میں استعمال کیا جو اس کے لغوی معنی ہیں۔لیکن وہ ذات مقدسہ کون تھیں جنہوں نے اسے 'ہم جنس پرستی' سے منسوب کردیا۔اس سوال نے بڑے بحث ومباحثے کا در کھول دیا اور مفسرین میں اختلاف پیدا کر دیا۔مگر یہ تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ شہادت چھدری اور چیستانی ہے۔اس کے باوجود حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ایسے متفرق کنایہ کی حامل ہے جس سے بائبل کی ہم جنس پرستی کا خوف جھلکتا ہے۔کیدشمؔ کا پہلا مرتبہ ذکر''سلاطین'' کی پہلی کتاب میں آتا ہے وہ بھیؔ حضرت سلیمانؑ کے بیٹے رحبعامؔ کے عہد حکومت (۹۲۲ ق م تا ۹۱۵ ق م) میں۔ رحبعامؔ جس کے مستبد عہد نے دس قبایل کو بغاوت پر اکسایا اور وہ یروشلم سے علیحدہ ہوئے۔'موصوف عمّونی عورت کے بطن سے تھے جو فطرت پرستی کی طرف مائل تھی۔'سلاطین' والی کتاب کے مصنفین نے اس پر متعدد بدعتی

اعمال کا الزام لگایا جن میں 'بلند و بالا' عمارتیں تعمیر کرانے کا جن میں غیر ملکی شبیہوں کی پرستش ہوتی خصوصاً عشق کی دیوی آشرہ کی۔ امابعد بادشاہ جیمز کا نسخہ یہ بتاتا ہے ''اور اس ملک میں لوطی بھی تھے۔ وہ ان قوموں کے سب مکروہ کام کرتے تھے جن کو خداوند نے بنی اسرائیل کے سامنے سے نکال دیا تھا'' (۱۔ سلاطین ۱۴: ۲۴)

اس کے برعکس رحبعام کا پوتا، آسا نے کہا جاتا ہے ''وہ کام کیا جو خدا کی نظر میں ٹھیک تھا'' کیونکہ ''اس نے ان سب بتوں کو جن کو اس کے باپ دادا نے بنایا تھا دور کر دیا''۔ اور ''اس نے لوطیوں کو ملک سے نکال دیا'' (۱۵: ۱۱۔۱۲) اس کے باوجود کیدشم کا فرقہ ثابت قدم نکلا۔ کیونکہ ہمیں بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ یہوسفط (۸۷۳۔۸۴۹) نے (باقی لوطیوں کو جو اس کے باپ آسا کے عہد میں رہ گئے تھے ملک سے خارج کر دیا'' (۱ سلاطین ۲۲: ۴۶)۔ بے شک ان کا ذکر قدرے تاخیر سے بادشاہ یوسیاہ (۶۲۱ ق م) میں ہوا ہے۔ یہ ذکر بھی اس سلسلے میں ہوا ہے کہ اس نے ہی مسمار کیئے ''لوطیوں کے مکانوں کو جو خداوند کے گھر میں تھے'' مراد یہ ہے کہ انہیں پہاڑی ہیکل میں مراعات یافتہ جگہ حاصل تھی۔ (۲ سلاطین ۲۳: ۷)

یوسیاہ کے عہد میں راسخ العقیدگی نے قدم جما لئے۔ کاہن خلقیاہ نے کہا کہ مجھے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب ملی ہے جسے موسیٰ نے کوئی چھ سو برس پہلے باور کرانے کے لئے لکھا تھا۔ جب کتاب کی تلاوت کی گئی تو نوجوان بادشاہ نے اپنی پوشاک پھاڑ ڈالی اور گریہ کرتے ہوئے کہا ہائے اسرائیلی اس کی تعلیمات سے کس قدر بھٹک چکے ہیں۔ جو نسخہ خلقیاہ کو ملا اس کے متعلق ابتدا میں یہ سمجھا گیا کہ یہ صحف استثنا کا کوئی جزو ہے یہ خیال جرمن سکالر ایم ایل اے ڈی ویٹ نے ۱۸۰۵ء میں ظاہر کیا جسے قبولیت عام مل گئی۔ علاوہ ازیں 'استثنا' بابلی تاریخ کو سمجھنے میں ایک کلید ثابت ہوئی۔ جدید ماہرین علوم کی نظر میں دونوں سلاطین صحایف اسی سے بدرجہ اتم متاثر ہیں۔ کیونکہ حکمران کی مدح وثنا کی گئی یا پھر اس طرح ان کی چمڑی ادھیڑی گئی ہے جیسے ان کے مذہبی مسالک استثنا کے مصلحین سے مطابقت رکھتے ہوں۔ استثنا میں ہم مندرجہ ذیل ممانعتیں پاتے ہیں۔ ''اہل اسرائیل کی بیٹیوں میں کوئی عصمت فروش (kadeshah) نہ ہو اور نہ اہل اسرائیل کے بیٹوں میں

کوئی اغلام باز(kadesh) ہو۔ نہ ہی تو کسی کسبی کو قیمتاً لائے گا۔ اور نہ ہی کسی منت کو پورا کرنے کی غرض سے قیمت بقدر کتا (kelebh) خداوند کے گھر میں لائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں خداوند خدا کی نظر میں مکروہ ہیں۔(۲۳:۱۷۔۱۸) قبرص میں کیٹین کے مقام پر ایک فنیقی معبد سے ایک قُرص انیسویں صدی کے آخری دنوں میں ملا تھا جس میں درج تھا کہ ''کتے'' ایسا عملہ تھے جو نقدی جمع کرتے تھے اور لوگ ان کو رقوم حوالے کرتے تھے۔ تاہم قرص ان کے فرائض کے متعلق مزید کوئی اشارہ نہیں کرتا۔

عہد جدید کا قاری عبرانی اصطلاح (kedeshah) مقدس عورتیں واحد (kadesh)لیکن بد مذاق مترجم اس کا ''کسبی'' ترجمہ کردیتا ہے۔لیکن مقدس عورتوں کے رویوں کے متعلق ہم نسبتاً ہی پر یقین ہوسکتے ہیں۔نسوانی جنس فروشی چند مذاہب میں قدیم مشرق قریب میں ایک قدرے مانوس مظہر رہا ہے۔ ہیروڈوٹس نے یہ سب کچھ بابل میں دیکھا تھا۔اشتر یا ایفروڈایٹ کے معبدوں میں مقدس جسم فروش عورتیں ہوتی تھیں یہ فنیقیہ' قبرص اور سسلی کا ذکر ہے۔کورنتھ میں افروڈایٹ کے معبد میں کلاسیکل زمانے میں کوئی ایک ہزار جسم فروش عورتیں موجود رہتیں۔مندروں میں دیویوں کے لئے جنسی خدمات مہیا کرنے کی ریت کے تحت بیسویں صدی کے بھارت میں ہزاروں عورتیں موجود رہتیں۔قدیم عبرانی بھی ان رسوم سے مانوس تھے جن کی اکثر پیغمبروں نے بالاعلان مذمت کی ۔جیسا کہ بلاشبہ مندرجہ بالا عبارت واضح کرتی ہے لفظ (Kadeshah) یا ''مقدس عورت'' (zonah) کا مترادف ہوگیا جس کے سادہ سے معنی کوچہ گرد ہوئے۔نظرثانی شدہ بائبل کے معیاری نسخے میں کادشیا کا ترجمہ اب مستند ''نسوانی مسلک کی جسم فروش'' ملتا ہے۔

لیکن اب اس کے مرد ہم عصر کا بھی ذکر ہوجائے جو (kadesh) ہے؟ اس میں بہت گھپلا ہے۔ استثنا کی عبارت جدھر چاہے اشارہ کرے کہ وہ بھی مذہبی نقطہ نظر سے جسم فروشی میں مبتلا ہوتا تھا۔تو کیا ہم جنس پرستی مشرق قریب کے ملکوں میں مذہبی مسالک سے لازم و ملزوم تھی۔حضرت مسیح کے زمانے کے متعلق لکھتے ہوئے سٹرابو اپنی جیاگرافی میں نشاندھی کرتا ہے کہ یونان کے شہر کورنتھ اور سسلی کے اریکس میں جسم فروش عورتوں کی طرح

معبدوں میں دیوداس اور خدمتگار بھی ہوتے ہیں۔لیکن جب وہ آرمینیا کی عشق کی دیوی اناہِیتس کا ذکر کرتا ہےتو دیوداسوں اور دیوداسیوں دونوں کا بطور خاص ذکر کرتا ہےاس کا منشا یہ ہے کہ خدائی مرد اپنی ہم عصر خواتین کی طرح مقدس داشتاؤں کے فرائض انجام دیتے ہیں۔اس نوعیت کی شہادت تاہم شاذ ونادر ہی ملتی ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری معلومات کا بڑا ذریعہ ایسے مرد ہیں جو زنانہ لباس میں پادریوں یا متبرک اشخاص کی طرح خدمات انجام دیتے۔یہ اکثر خواجہ سرا ہوتے یا پھر خود ہی خصی کیئے ہوئے ہوتے اور جان صاحب (Pseudo-women) جیسی زندگی بسر کرتے' زنانہ لباس زیورات بالوں کی آرائش کے علاوہ ویسے ہی اطوار بھی اختیار کر لیتے۔

قدیم آشوری تحریریں مذہبی کار اندازوں کے متعلق بتلاتی ہیں جنہیں (Assinu) کہا جاتا اور جنہیں دیوی اشتر نے'' مرد سے عورت بنادیا تا کہ لوگوں کو اتقاد کھائی دے'' تا کہ انہیں ماورائے فطرت طاقت سے مرعوب کیا جاسکے۔خواجہ سرا پادری یا عاملوں کو ہندوستان داھومی میں اور آج کل کے اہل افریقہ اور برازیل کے علماء بشریات نے اس طرح وضاحت کی ہے۔سائبیریا اور الاسکا کے اسکیمو میں ایسے افراد جو علامتی طور پر کسی صنفی تبدیلی سے دوچار ہوئے ہیں انہیں بطور عامل خصوصی احترام ملنے لگتا ہے کیونکہ وہ سفلی جادو کے حامل سمجھ لئے جاتے ہیں۔امریکہ کے کئی مقامی قبائل جو عظیم میدانوں کے باسی ہیں اور جنوب مغرب میں نام نہاد berdash۔جنہوں نے تیسری صنف اختیار کر لی ہو اور گاہ بگاہ مردوں سے بیاہ رچالیں۔سمجھا جاتا ہے کہ ان میں مخصوص مافوق الفطرت طاقت پیدا ہوجاتی ہے۔کسی کی صنفی شناخت میں کسی تبدیلی کو اتنی خلاف معمول بات سمجھا جاتا اور یہ سمجھ لیا جاتا کہ ہو نہ ہو اس میں الوہی طاقتیں کارفرما ہیں۔

کلاسیکل عہد میں اس قسم کے مردوں کو دیویوں کے کاہن کا مرتبہ مل جاتا جنہیں بحیرہ روم کی تہذیب کا خطہ عظیم ماں یا سابیل پکارتا۔اس دیوی کا مسلک بڑی شان وشوکت سے بحیرہ روم کے علاقے میں پیونک جنگ کے زمانے ۲۰۴ق م میں متعارف کرایا گیا تھا۔ جب روم کے رہنماؤں میں یہ آرزو جاگی کہ قومی خود اعتمادی میں اضافہ کیا جائے تاکہ ہنی بال کے خلاف چلنے والی جدوجہد میں اس مقدس پتھر کو قریجیا سے اٹھا کر پلاٹائن پہاڑی پر

رکھ دیا جائے ۔لکریشیسؔ اور اووڈؔ نے بڑی صراحت سے تفصیلات ظاہر کی ہیں جس میں جنوں خیز موسیقی ، گانا اور سایبل کے پادریوں کا رقص روم کے جلوسوں کا حصہ ہوتا ۔اسی طرح لوشیئنؔ شامی دیوی ہیراپولس کے مقبرے پر ایسے ہی مظاہر کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔ جب مسلک کی جنوں خیز رسوم اپنے عروج پر ہوتیں تو امیدوار خود کو آختہ کرنا شروع کر دیتے اور انہیں زنانہ پوشاکیں دی جاتیں۔

اس ادبی انداز بیان سے تو لگتا ہے کہ زور اس پر ہوا کہ ان مردوں کو چھیل چھبیلا اور ناٹکی انداز میں دکھایا جائے اور نسوانیت کے بیان کرنے میں مبالغہ۔ غیر عملی ہم جنس پرستی تاہم لگتا ہے کہ ان پر تھوپ دی گئی ہے بجائے اس کے کہ اسے کھلم کھلا ان کی رسوم کا حصہ تسلیم کر لیا جاتا ۔آ گسٹائینؔ اپنی تصنیف (the city of GoD) میں اسی جانب سے اشارہ کرتا ہے جہاں وہ لوگ بطور مذہبی فقیر کے نمودار ہوتے ہیںؔ ''بال تیل میں چپڑے ہوئے اور چہروں پر سفیدی ملی ہوئی'' نرم و نازک اعضا اور کارتھیج کی سڑکوں اور چوراہوں میں زنانہ چال میں گذرتے تھے ۔ پھیری والوں کی طرح گڑگڑاتے تا کہ انہیں اتنا مل جائے جس سے شرمناک زندگی چلتی رہے ۔اپولیسؔ اپنی کتاب (The Golden Ass) میں ناقابل تردید انداز میں انہیں ہم جنس پرست ٹھہرا دیتا ہے۔اسی طرح گالس جو لاطینی اصطلاح سایبل کے پادریوں کی مترادف ہے خلط ملط ہوکر گانڈو(CINAEDUS) بن گئی یعنی چڑھی کرانے والا مرد۔ ان مردوں سے غیر مبہم انداز میں یہ توقع کی جاتی کہ وہ نجی جنسی خلا ملا کے موقع پر عورتوں کی طرح پیش آئیں گے اور اسی طرح عوامی تقریبات میں بھی۔

کیا مقدس لوگ واقعی مذہبی سیاق وسباق میں جنسی تعلقات پیدا کر لیتے تھے؟ نظر ثانی شدہ معیاری نسخے کے ترجمے میں اس اصطلاح کو''طوائفوں کا مردانہ مسلک'' کہا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ کرتے تھے۔ یہ خیال کہ وہ عورتوں کی خدمت کرتے تھے (یہ بیلی کا نظریہ ہے جس کی حمایت بوسولؔ اور بارخؔ نے کی)۔ممکن نہیں لگتا ۔اگر ہم انہیں ''طوائف'' کہیں تو ہم پر یہ حقیقت آنکھیں نکالے گی کہ تاریخی نقطہ نظر سے مردانہ طوائف سے یہی معنی نکلیں گے یعنی ہم جنس پرستی ۔بیلی کا استدلال یہ ہے کہ ہم جنس پرستی کے

تعلقات کا ’’زرخیزی کے مسلک‘‘ میں کوئی ہاتھ نہیں ہوسکتا ۔لیکن اصطلاح زرخیزی کا مسلک ایک اورسوال پیدا کردیتی ہے ۔وہ ملاح جو کورنتھ میں افروڈیٹ کے معبد میں بغرض تفریح گئے تو ان کی نیت توالد و تناسل کی نہ تھی ۔ایسے مسالک جنسکاری کی طاقت کو محض فطرت کی طاقت کا اظہار سمجھتے ہیں۔اور باآخ جو ایک قدامت پسند یہودی ہے بیلی کے افکار سے مطمئن ہو گیا ۔کیونکہ اس سے ابتدائی یہودیت پر ہم جنس پرستی کو چھینٹ بھی نہیں پڑتی تھی ۔جبکہ دوسری جانب بوسوآل صرف یہ کہتا ہے’’ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ ہم یہ فرض کرلیں کہ اس نوعیت کے مرد طوائف اپنی ہی صنف کے لوگوں کی خدمات انجام دیتے تھے ۔‘‘

ہمیں متنوں کو غور سے پڑھنا چاہیے تاہم ان کے مفاہیم کو بڑی احتیاط سے تولنا ہوگا۔سب سے اہم دستاویز جو عبرانی صحایف کی زبان کے رموز کی گرہ کشائی کرتی ہے اسے ’’ہفتادی‘‘ کہتے ہیں جو تورات کا یونانی ترجمہ ہے جسے اسکندریہ میں ۲۸۵۔۱۵۰ ق م کے درمیان میں کیا گیا تھا ۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب عبرانی کو سمجھنے والے خال خال رہ گئے تھے اور اصل متن بہت سے مصری یہودیوں کے لئے ناقابل فہم بن چکا تھا۔مگر ہفتادی (Septuagint) کے نسخوں کے متن بھی مستند ہونے تک ایک دوسرے سے بڑی حد تک مختلف تھے ۔جیسے کہ قدیم ترین عبرانی متون سے موازنہ کرکے دیکھا جاسکتا ہے ۔اسکندریہ میں رہنے والے یونانی بولنے والے یہودی اصل عبرانی نسخے کے معنوں کی حد تک اکثر نہایت الجھن میں رہتے تھے ۔جب مترجمین نے (Kedeshim) ’’مقدس لوگوں‘‘ کو یونانی میں منتقل کرنا چاہا تو انہیں نرالے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔انہیں ممکن ہے کہ یہ دشواری آپڑی ہو کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں اس کے صحیح معنی معلوم ہوں لیکن اس کے لئے درست یونانی مترادف تلاش کرنے سے قاصر ہوں ۔ یا پھر وہ اس لئے دامن بچا کر نکل جانا چاہتے ہوں تا کہ رسوائی آمیز ماضی سے آمنا سامنا نہ ہو۔ استثنا (۲۳:۱۷) میں جو ممانعت ہے جس میں پابندی ہے اور انھوں نے کیلاش ’’اسرائیل کے بیٹوں میں ترجمہ کردیا‘‘ جیسا کہ ’’اہل اسرائیل کے بیٹوں میں کوئی عصمت فروش نہ ہو‘‘۔اسی طرح رحبعام والا حصہ ’’اس زمین پر مقدس لوگ تھے‘‘ بڑی سادگی سے ’’اس زمین

پر مجامعت (Syndesmos) تھی ''بن گیا۔آسا کے عہد کی تطہیر میں لفظ کیدشیم (TELETAS) میں بدل جاتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں ''تقریبات کا آغاز'' ۔یعنی لوگوں کو مذہبی رسم کی جانب موڑنا ۔ یوسیاہ کی اصطلاحات کی وجہ سے ہفتادی نے دستبردار ہوکر صرف عبرانی لفظ پر اکتفا کرکے یونانی صوتی مترادف درج کرلیا ۔یوں چند ایسے لفظوں کا انتخاب ہوگیا جن سے جنسی تاثر ملتا ہے اور دیگر سے مذہبی ۔ چونکہ یونانی میں معبد میں مرد ملازم کے لئے کوئی لفظ نہ تھا جس نے دونوں مفاہیم کو یکجا کردیا۔

سب سے زیادہ دلچسپ لفظوں کا انتخاب تاہم یہوسفط کے واقعے میں ہوتا ہے جس میں ہفتادی مترجمین نے اصطلاح کادش (اغلام باز) کا لغوی ترجمہ'' وہ جو بدل دیا گیا ہو'' کردیا ۔ اگرچہ یونانی ترجمہ جو کیدشم (مقدس لوگ) سے ملحق ہے اپنے اندر جنسی اور مذہبی وظائف کا بھی مفہوم رکھتا ہے۔یہ بھی ممکن ہے یہ سب استثنا (۲۳:۲۶۔۲۷)(وہ آیات جوان کا عورت مثیل سے موازنہ کرتی ہوں) سے ماخوذ ہیں۔کیدشم کا یہ مفہوم کہ ایسے لوگ جو بدل چکے ہوں کو اس آسانی سے اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عجیب وغریب اور تخصیص سے کہا جارہا ہے کہ مترجم چند تاریخی روایات سے باخبر تھا جنہیں متن میں کھول کر نہیں بیان کیا گیا تھا۔ان میں سے ایک تولازماً موازنہ کرنے میں آشوری Assinnu سے متصادم ہوگی جسے دیوی کے مرتبے سے ''تبدیل'' کرکے عورت اور دیگر ایسے اور معاملات ہیں جب مذہبی حدود میں صنفی غیر مقلدین کی جمیعت نمایاں ہوئی جیسے Galli کا معاملہ ہے۔

ایک واضح اشارہ جسے بعد کے یہودی علماء نے کادیش کی تشریح کرتے ہوئے ہم جنس پرستی سمجھا وہ حصہ سانی درن میں آتا ہے یہ تالمود کا وہ حصہ ہے جس میں قانونی طریقوں کو بتایا گیا ہے ۔ ربیؒ بن الیسہا جو دوسری صدی قبل مسیح کی پہلی نصف صدی میں معلّمی کرتا تھا۔اس نے کدیش کی ممانعت کو جو استثنا میں آئی ہے کو گانڈو کے خلاف ایک عمومی مذمت سمجھا۔راشیؒ (۱۰۴۰۔۱۱۰۵ء) کی معروف تفسیر نے بھی کدیش کو ایک ہم جنس پرستی والی معنویت دی ۔سینٹ جیرومؒ نے بھی یہی معنی اختیار کئے جب اس نے عبرانی بائیبل کو (۳۹۰۔۴۰۵ء) میں لاطینی میں منتقل کیا ۔جیروم نے کدیش کو

Scortator (چودنے والا) کہا جیسا کہ استثنا میں آیا لیکن دیگر مقامات پر اسے Effeminatus کہا جس سے مراد ایسا مرد ہوتا ہے جو مفعولی رشتوں میں مصروف ہو۔ یہی وہ روایت ہے جس پر بادشاہ جیمز کے نسخے کے مترجمین غالباً آج تک عمل پیرا ہیں۔

آبادی میں اضافے والی تشویش یہ مشکل لگتی ہے کہ استثنا والی سزا کی موجب ہو۔لیکن مذہب اور قبائیلی یکجہتی عین ممکن ہے اس کی قبولیت کا سبب بنی ہوں۔اس سلسلے میں قانون میں پائی جانے والی خشونت سے تو بائیبل کا عمومی انداز بیان ظاہر ہوتا ہے۔اب یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ صحایف سلاطین میں ہم جنس پرستی کو قدیم کنعانی مذاہب کے ہم معنی سمجھ لیا گیا۔اور وہ مرد جو اس میں ملوث ہوئے ان پر مرتد، ہونے کا شک کیا جانے لگا۔قدیم جوڈیا میں ارتداد کو سزائے موت کا مستوجب جرم سمجھا جاتا تھا بالکل اسی طرح جیسے مسیحی عہدو سطیٰ میں اور چند جدید مسلم ریاستوں میں بھی۔(استثنا۱۳:۶۔۱۰) میں درج بھیانک الفاظ اس کٹر نظریے کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں رہنے دیتے۔

> اگر تیرا بھائی یا تیری ماں کا بیٹا یا تیرا بیٹا یا تیرے دل کی ملکہ بیوی یا تیرا دوست گو ایک روح مگر جدا جدا قالب، تجھے اعتماد میں لے کر ورغلایں اور کہیں، کہ آؤ ہم چلیں اور دیگر خداؤں کی خدمت کریں جن سے تو واقف نہیں ہے تو، نہ تو نہ تیرے بزرگ اور نہ خداؤں کے لوگ جو تیرے چہار طرف پھیلے ہوئے ہیں، نہ تجھ پر یا جو تجھ سے دور دور رہتے ہیں یہاں تک کہ دنیا کے اس کنارے سے آخری سرے تک۔۔۔تو انہیں لازماً قتل کرے گا۔تیرا ہاتھ اسے قتل کرنے کے واسطے سب سے پہلے اٹھے اور اس کے بعد دوسرے لوگوں کا۔اور تو اس پر پتھر سے سنگباری کرے گا یہاں تک کہ وہ مرجائے۔

یوں مقدس لوگ بدعتی مذہب کے ماننے والوں کی نظر میں مندرجہ بالا سزا کے کسی نہ کسی حد تک سزا کے مستحق ہوتے۔

اسکندریہ کا فی لو:

زمانہ قدیم کے چند ہی یہودی مصنفین گذرے ہیں جنہوں نے ہم جنس پرستی کا ذکر کیا

ہو وہ بھی بڑے اختصار سے ہمیں صرف ایک ہی ملتا ہے جس نے تفصیلاً روشنی ڈالی۔ یہ اسکندریہ کا فی لو تھا۔ صاحب فقہ اور صوفی جس نے یہ چاہا کہ موسوی قانون کو افلاطونی فلسفے سے مربوط کر دے۔ چونکہ اس کا عرصہ حیات جناب عیسی اور پال دونوں کی زندگیوں پر محیط ہے۔ اس لئے فی لو کی تحریریں خصوصی دلچسپی کی حامل ہیں۔ وہ ہمیں اس زمانے کے راسخ العقیدہ یہودی کے ذہن میں پائی جانے والی بصیرت کی ایک واضح تصویر دکھاتا ہے جب مسیحیت آنکھ کھول رہی تھی۔ جس کا مسیحی فقہا نے کثرت سے مطالعہ کیا۔ فی لو کو چرچ کے فادرز کا فادر کہا گیا۔ حالانکہ وہ زندگی بھر ایک مخلص یہودی رہا۔ کون سی ایسی بات تھی جس نے اسے اتنی فضیلت دی۔ وہ تھی اس کی جوڈیائی اور یونانی روایات سے بدرجہ اتم آگاہی۔ اسی طرح وہ افلاطونی فلسفہ اور بائیبلی علوم میں بھی ید طولی رکھتا۔ اس نے اس کام کو رضا کارانہ اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا کہ وہ یہودی مذہب اور قانون کی یونانی اور اہل روم کے قارئین کے سامنے مدافعت کرے گا۔ یہ ایک ایسا منصوبہ تھا جس نے ابتدائی عہد کی مسیحیت کے حمائیتوں کو بے انتہا متاثر کیا۔ کیونکہ یہ لوگ بھی یہودیوں اور پراچینی یونان کی دو دنیاؤں میں پائی جانے والی خلیج کو پاٹنے میں کوشاں تھے۔

وہ ''خصوصی قوانین'' جو ۳۰۔۴۰ ق م میں ضابطہ تحریر میں لائے گئے فی لو استثنا کے قوانین کے تحت ہم جنس پرستی پر عائد ہونے والی سزاؤں کی حمایت کرتا ہے۔ اور ربانی حکام کو معقول بنا کر انہیں باور کرانے میں کوشاں تھا جو یونانی اور رومی روایات سے متصادم تھے۔ اس نے سب سے پہلے ایک قسم کی ہم جنس پرستی کے خلاف سر عام ایک قضیہ کھڑا کیا اور یہ سوچ کر کہ مجمع میں جو غیر یہودی بیٹھے ہیں وہ اس سے نفرت پر مائل ہوں گے جن میں منتری (Effeminate) گانڈو بھی ہوں گے۔ فی لو کے تبصرے والے جملے تفصیلی صراحت میں نادر ہیں۔

> غیر شادی شدہ مرد و زن کے درمیان جنس کاری سے بھی سنگین ایک اور بدی ہے جس نے شہروں کا رخ اختیار کر لیا ہے اور اندھیر مچائے ہوئے ہے جس کا نام لونڈے بازی ہے۔ گذشتہ زمانے میں اس کا زبان پر لانا ہی بڑی بدچلنی میں شمار ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ بات دونوں کے لئے باعث فخر ہے چاہے وہ مارنے والا ہو یا

مروانے والا۔انہیں اس کا کون خوگر بناتا ہے جس سے انہیں زنانہ پن کے اطوار اختیار کرنے کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے۔جس سے روح اور جسم دونوں کا زیاں ہوتا ہے اور ان میں مردانہ جنس کاری کی فطری آتش شوق بجھ جاتی ہے یہاں تک کہ راکھ سے چنگاری بھی نہیں نکلتی۔ دیکھو تو ذرا کہ وہ کس طرح اپنے سر کے بال سنوارتے ہیں کہ کس شان سے ان کی چوٹی گوندھتے ہیں اور کس چاؤ سے ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔کس نزاکت سے وہ چہرے پر جھاواں کرکے اس پر رنگ و روغن لگاتے ہیں۔سامان آرائش سے چہرے کوسنوارنے کے بعد قدرتی رنگ یا اس سے ملتے جلتے رنگ لگاتے ہیں اور لیس دار خوشبوؤں سے خود کو جوالہ بنا لیتے ہیں۔۔۔حقیقت تو یہ ہے مردانہ فطرت کو زنانہ روپ میں ڈھالنے میں ان کے تمام حربوں کو ایک فن کا مقام حاصل ہے اور جس سے کسی چہرے پر حیا کی سرخی بھی نہیں آتی۔وہ لوگ حق بجانب ہیں جو ان لوگوں کو سزائے موت کا مستحق جانتے ہیں۔یہ وہی لوگ ہیں جو موسیٰؑ کے قانون کو مانتے ہیں۔جو یہ حکم دیتا ہے کہ ایسے مرد اور عورتیں جو فطرت کے کھرے سکےّ کو خراب کرتے ہیں انہیں فی الفور ختم ہوجانا چاہیے اور ان کا کوئی خوں بہا نہ ہو۔وہ نہ تو ایک دن چلیں نہ ہی ایک گھنٹہ جینے پائیں کیونکہ وہ اپنے لئے ہی وجہ لعنت نہیں ہیں۔ان کا گھر ان کا وطن مالوف اور پوری نوع انسان بھی۔

چونکہ رواج کے مطابق فیؔ لوؔ بھی عورتوں کو مرد سے ادنی سمجھتا ہے اس لئے نرزائیہ یا ہیجڑہ پن سے وہ خوفزدہ ہے: جب کوئی مرد قصداً زنانہ اوصاف اختیار کرتا ہے تو وہ میری نظر سے ہمیشہ کے لیے گر جاتا ہے۔

یونانی اور رومن ان مردوں کا مضحکہ اڑاتے جو اپنی مردانگی پر بھاؤ تاؤ کر لیتے اور زنانہ کپڑے پہننے لگتے۔لیکن رسوم اور میلوں ٹھیلوں کے مواقع پر ایک دوسرے کی صنف کی پوشاک زیب تن کرنے پر چشم پوشی کی جاتی۔ ہرکولیسؔ اور آچیلزؔ مردانہ سورمائی کے مثل اولی تھے۔یہ سمجھا جاتا ہے کہ دونوں نے مقابلے میں زنانہ لباس پہنے تھے۔ہرکولیسؔ کے کاہن باقاعدگی سے زنانہ مردانہ لباس بدلا کرتے۔اگرچہ عورتوں کا داخلہ اس کے معبدوں

میں ممنوع تھا۔ اسپارٹا میں ایک دلہن نے زلفیں تراش کر چھوٹی کیں اور مردانہ لباس فاخرہ پہن کر اس نے اپنے شوہر کا پہلی مرتبہ استقبال کیا۔ آرگوس کے مقام پر اس نے مصنوعی داڑھی بھی لگائی۔ کوز کے جزیرے پر سب کچھ اس کے برعکس ہوتا اور دولہا لڑکی کی طرح کپڑے پہنتا تا کہ اپنی نئی بیوی سے مل سکے۔ دوجنسیہ (Hermaphroditic) ایفروڈائی ٹوز کے مسلک میں ہر دوجنس نے صنف مخالف کے لباس زیب تن کئے۔ مگر عبرانی قوانین نے جنس مخالف کے کپڑے پہننے پر پابندی عائد کردی اور کہا ''وہ خداوند تیرے خدا کے نزدیک مکروہ ہے'' (استثنا ۲۲:۵) اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ایسے خیالات دیگر مذاہب سے بھی منسوب ہوں۔

لیکن فی لو کے تشدد میں جو چیز سب سے زیادہ تعجب خیز ہے ____ اس کی دانست میں مادہ رو مردوں کو جینے کا حق نہیں دیا جانا چاہیے۔ ''ایک دن کے لئے یا ایک گھنٹے کے لئے بھی''۔ فی الحقیقت وہ اسکندریہ میں اپنے ہم مذہبوں کو اکساتا ہے کہ وہ حملہ کر کے انہیں پاتے ہی قتل کر دیں۔ جبکہ کوئی یونانی یا رومی کوئی زنخا دیکھ کر استہزا کرے یا پھر طنز۔ فی لو اس صنفی تبدیلی کو ایک تخریبی عمل جانتا ہے اور اس کا طیش قاتلانہ ہو جاتا ہے۔ اس کی یہ حمایت کہ روایتی طریقہ کار کو اس لئے ایک طرف کر دیا جائے تا کہ لوگ ماورائے عدالت حربے اختیار کریں خصوصاً اس لئے دہشت زدہ کرنے والا ہے جب ہمیں یہ یاد آتا ہے کہ فی لو ایک قدرے مشہور قانون داں بھی تھا۔ وہ اسکندریہ میں مقیم یہودی برادری کا ایک نہایت محترم رکن تھا۔ جہاں اس کا انتخاب بطور نمائندہ اس لئے کیا گیا تا کہ ایک نامور سفیر برائے روم کی حیثیت میں وہ شہنشاہ کالیگولا کے نافذ کردہ قانون کے خلاف پیروی کرے یہ ایک ایسا موقع تھا جب اس نے بڑی جرات کا مظاہرہ کیا۔

اغلام بازی سے فی لو کی غیر رواداری یہودیت کے ایک اور قانون کے قسم کی تھی جس میں مرتدوں سے رواداری نہ برتنے کو کہا گیا ہے۔ اس نے لکھا کہ ان لوگوں کو ''کسی عدالت میں'' نہ لے جایا جائے بلکہ انہیں مجمع کے ہاتھوں سرسری انداز میں سزا دے دی جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایسا مجمع اپنے کو ''عارضی طور پر خود کو سب کچھ جانے' قانونی مشیر، قضات' رومن مجسٹریٹ' ارکان قانون ساز اسمبلی' مدعیان' گواہان' قوانین اور عوام کو چاہیے

اس طرح عمل کریں تا کہ بلا رکاوٹ اور بے خطر ہو کر وہ بے جگری سے مقدس جنگ کو انجام تک پہنچائیں۔'' جیسا کہ ایرون گڈانیف نے کہا ہے ''شاید یہ بہت دشوار لگتا ہے کہ دنیا کے کسی ادب میں بے قانون وقاعدہ قتل عام کے اذن کا کوئی ایسا شاہکار مل سکے۔'' امرد پرستی کے خلاف گلی کوچوں میں ان دنوں میں جو تشدّد دیکھنے میں آتا ہے وہ نوجوان مردوں کا اظہار ذات ہے جس میں وہ یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی مردانگی منوالیں اور پھر کبھی کبھی ''مقدس مقصد کے لیے لڑائی'' ہو جائے۔ حالانکہ ان ہی بنیادوں پر متعدد قتلوں کو جائز ٹھہرایا جاچکا ہے۔ یہ بات عیاں ہے کہ اس روایتی تشدد کی روایات مذہبی تعصب کی زمین میں گہری تاریخی جڑیں رکھتی ہیں۔

علم بشریات کی خصوصی دلچسپی کے نقطہ نظر سے فی لو کی شاندار تصویر کشی جو اس نے زنانے پادریوں کی جو پرشکوہ انداز سے دستوں کی شکل میں پہلی صدی عیسوی میں اسکندریہ کی سڑکوں پر قطار اندر قطار عوام کے ہجوم میں چلتے۔ یونانی نقطہ نظر سے لونڈے بازی کو چار چاند لگ گئے۔ لیکن سب سے پہلے ایسا جنگجو سورماؤں سے تعلق کی بنا پر ہوا تھا۔ فی لو نے اپنی معاندانہ نگاہوں سے یہ بھانپ لیا کہ زنانے ہم جنس پرستوں نے کیسا ممتاز مقام چند مذہبی مناسک کے ذریعے حاصل کرلیا ہے۔ ان مکروہات کی مقبولیت کا سبب اس کی دانست میں بہترین طریقے سے یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

> ۔۔۔کئی قوموں میں زنانہ پن اور عیاشی کے لئے جو انعامات دئے جاتے ہیں۔ بالیقین تم نے ایسے پیوندی نسل کے مردوزن دیکھے ہوں گے جو منڈی کے ہاؤ ہو میں مستانہ گھومتے پھرتے ہیں۔ میلوں کے مواقع پر جلوسوں کی اگوائی کرتے ہیں اور انہیں متبرک معاملات چلانے کے واسطے نجس مختار کار تعینات کردیا جاتا ہے۔ اس طرح وہ رموز معرفت کی مجالس کی سربراہی کرتے ہیں اور ڈیمٹر (ماں دیوی) کی رسوم کا آغاز کرنے کے ساتھ مناتے بھی ہیں۔ ان میں سے وہ سب۔۔۔ نے یہ تمنا کی تھی کہ پوری طرح بدل کر عورت بن جائیں اور وہ اس حد تک چلے گئے کہ انہوں نے اپنے اعضاء تناسل مسخ کرڈالے وہ ارغوانی شاہانہ لباس میں یوں لگتا ہے جیسے اپنے وطن کے لئے اشارہ خیر دینے والے ہوں اور

جلوس کی رہنمائی کرتے ہیں اور ایک محافظ حال ان کو چال سے چال ملا کر چلتا ہے ۔ یہ ان لوگوں کے لئے باعث توجہ ہوتے جن کی ان پر نظر پڑتی ہے ۔لیکن ایسی برہمی جیسی کہ ہمارے قانون دینے والے (موسیٰ) کو محسوس ہوئی یہ ایسے ہی لوگوں کے خلاف تھی جو اپنے مذکورہ طرز عمل سے باز نہیں آتے ۔انہیں عوام کا دشمن کہ کر اور کسی رو رعایت کے بغیر قتل کر دیا جائے تو یہ جائز ہوگا کیونکہ ان میں سے ہر شخص ایک لعنت ہے اور ملک کے واسطے ایک تعفن ہے ۔ ان جیسے بہت سوں کو عبرت بھی ہوگی۔

ڈیمیٹر کے جو کاہن تھے وہ جنس مخالف کے کپڑے پہننے والے نہیں تھے ۔فی لو نے غالباً اسے سائیبل سمجھ لیا ۔ جسے عام طور پر سیچرن کی بیوی رحیا سمجھ لیا جاتا تھا جو خداوں کی ماں تھی ۔فی لو اپنے قتل عام کا پروگرام مخالف جنس کی پوشاک پہننے والے کاہنوں کی ہلاکت سے شروع کرنا چاہتا ہے جو ہم جنس پرستی کا ایک وحشیانہ مظہر ہے ۔لیکن استثنا (۱۳:۲۰) کا مطالبہ ہے کہ اغلام بازی میں ملوث دونوں مردوں کو موت کی سزا دی جائے ۔اس طرح فی لو پر لازم تھا کہ وہ فاعل ساتھی کو قتل کرنے کا جواز مہیا کرے ۔جب اس کے ہوش وحواس معمول پر تھے تو وہ آبادی پر عذاب آنے کے لیے گڑگڑاتا ہے ۔اس کے دعوی کے مطابق فاعل مرد شہروں کو ویران کر کے اجاڑ دیتا ہے اور نسل کشی ختم کر دیتا ہے ۔لیکن اب یہ عیاں ہے کہ فی لو اس پر کوشاں ہے کہ دلائل مہیا کرے بجائے اس کے کہ غضبناک احساسات کی نکاسی کرے ۔جب وہ مغلم کے لئے سزائے موت تجویز کرتا ہے تو اس کے دلائل بعد از وقوعہ والے اور لشتم پشتم چلانے والے لگتے ہیں اور بلاشبہ جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے کہ اس کے دلائل کی آواز افلاطون کے ''قوانین'' کی زبان لگتی ہے اور اس کی بازگشت بھی۔

تالمود:

عبرانی مصاحف میں چپٹی کی علت کا کہیں ذکر نہیں ملتا ،مردانہ ہم جنس پرستی کے برعکس ایسا نہیں لگتا کہ یہ کبھی جرم سمجھی گئی ہو ۔تالمود میں یہ ملتا ہے کہ ربی حونا (وفات ۲۹۶ء)

نے یہ فیصلہ کیا کہ ''ایسی عورتیں جو آپس میں شہوتی رشتہ رکھیں گی وہ کاہنوں سے شادی کرنے کی اہل نہ رہیں گی۔'' (یہودی قانون یہ چاہتا ہے کہ کاہن کی ہونے والی بیوی باکرہ ہو) لیکن تالمود اس ہلکی سی پابندی کو بھی مسترد کردیتی ہے لیکن اس کے بجائے ربیّ علیا زاار (مسیح ۱۵۰ء) جس کی دانست میں چپٹی بازی کاہن سے شادی میں مانع نہیں ہے کیونکہ ''ساری کارروائی کی حیثیت محض بیہودہ پن ہے۔''

کئی صدیوں کے گذرنے کے بعد قرون وسطی کے یورپ میں زنانہ اور مردانہ ہم جنس پرستی کو مسیحی مملکتوں میں قانون کی نظر میں ہم پلہ مانا جاتا تھا اور عورتوں کو بھی سزائے موت دی جاتی۔ تو پھر ہم کس طرح یہودیت کی رواداری کی وضاحت کریں؟ ظاہر ہے چپٹی بازی امرد پرستی کی طرح ممکن ہے آبادی کے لئے خطرہ سمجھی جاتی ہو۔ ایک قیاس تو یہ ہے کہ اس سے کم تشویش محسوس کی گئی ہو کیونکہ اس میں کوئی تخم ضائع نہ ہوتا۔ یا پھر مردوں نے کبھی اس کی فکر ہی نہ کی کہ ان کی عورتیں آپس میں کیا کررہی ہیں (حالانکہ یہ خیال اس وقت بہ مشکل اختیار کیا گیا جب معاملہ جادوگری کا ہوتا)۔ اگر مردوں کے خلاف قانون سازی میں مقدس لوگوں کے خلاف تعصب کارفرما رہا تو پھر اس سے فرق کی وضاحت ہوجاتی ہے۔ چپٹی بازی کے خلاف کوئی بھی تعصب عصمت فروشی سے متعلق مذہبی شعایر سے ماخوذ نہ ہوں گے۔ جو فطری اور بنیادی طور پر مخالف جنسی تھے۔

چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں یہودی اہل قلم نے اپنی پوری توانائیاں سینہ بہ سینہ چلنے والے عظیم قوانین کو ضابطہ تحریر میں لانے میں صرف کردیں اور نکات کی تشریحات کو بھی شامل کرلیا اور اس مواد سے تالمود باحیثیت ہوگئی۔

سانہیڈرن میں وہ مقالہ جو قانونی طریقہ کار کے متعلق ہے اور فوجداری مقدمات سے بحث کرتا ہے۔ اس میں ربیّ صاحبان نے مردانہ تعلقات میں 'احبار' سے سزائے موت کا قانون مستعار لیا ہے۔ لیکن یہاں اور دیگر مقامات کی طرح وہ فی لوؔ اور پالؔ یا چرچ کے فادرز کی طرح خطیبانہ انداز نہیں اختیار کرتے۔ سدوم کی حکایت کو ہیجانی خوف پیدا کرنے کے واسطے بھی استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ ہمعصر مسیحی ادب میں معمول تھا۔ ہم جنس پرستی کی ہمیشہ سے مذمت ہورہی تھی لیکن وہ خال خال ہی ایک موضوع بنا کر خصوصی توجہ پاتا۔ ربیّ

جونا کا عقیدہ انوکھا ہے۔''سیلاب عظیم کی نسلیں صرف اس لئے صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں کیونکہ انہوں نے اغلام بازی پر مناجاتی نغمے تحریر کئے تھے''۔ایک اور ربیؒ کا خیال تھا کہ لونڈے بازی کی وجہ سے گہن پڑتا ہے اوراسی طرح ایک منصف کی موت بھی ہوگئی تھی جس کا باضابطہ سوگ نہ منایا گیا۔ہم جنس پرستی کو ایک حسیاتی ترغیت سے کمتر بنا کر پیش کیا گیا ۔تالمود کے زمانے میں یہودیوں پر امرد پرست ہونے کا کبھی شک بھی نہ کیا جاتا۔کہ کہیں کسی یہودی کی نازیبا اہانت نہ ہوجائے۔جیسی کہ شہر سدوم میں فرشتوں کو حملے کی دھمکی ملی تھی ۔مغوی مردوں کو عورتوں سے ترجیحاً پہلے تاوان دے کر چھڑایا جانا چاہیے کیونکہ یہودی مردوں کی بے حرمتی مہیب اعلانیہ تذلیل ہے ۔ ایک کہانی جس کی مثیل تاریخ میں کہیں نہیں ملتی ہمیں بتاتی ہے کہ کس طرح تین بحری جہاز بھر یہودی مردوں کو ویسپاسیئن نے روم کے چکلوں میں رکھنے کے لیے روانہ کیا تھا۔

تالمود کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو دردمندی اور گداز سے خالی ہو یہاں تک کہ جب وہ فوجداری قوانین پر ہاتھ رکھتی ہے چند حالات میں ماورائے قانون بدلہ لینے کو بھی مکروہ سمجھا گیا ہے جیسا کہ فی لوؔ نے تجویز دی لیکن کچھ ربیّوں کے خیال میں یہ بات شرمناک ہے کہ سزائے موت پر سات برس میں ایک مرتبہ یا پھر ستر سال میں عمل کیا جائے۔شہادت کے تفصیلی قوانین گاہ بگاہ سزایابی میں مانع ہوتے ہوں گے ۔ اس سب کے باوجود اس معاملے میں تالمود بہت ہموار کتاب ہے جب وہ تندرست مردوں کے مابین تعلقات کو واجب القتل جرم سمجھتی ہے ۔ یہ بھی درست ہے کہ وہ سزا کی تکمیل کے لئے نہایت سنگین طریقہ اختیار کرنے کو کہتی ہے یعنی۔ بذریعہ سنگساری ۔تالمود میں وہ طریقہ عمل بھی درج ہے جس کی تفصیل نہایت دلخراش ہے۔

> ''جہاں پر سنگسار کرنا ہوتو جگہ آدمی کے قد سے دوگنی ہو ۔گواہوں میں سے کوئی ایک مجرم کے کولھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے ڈھکیلے تاکہ وہ منہ کے بل گر پڑے ۔ پھر اس کو چت لٹایا جائے ۔اس میں اگر اس کی موت ہوجائے تو گواہ نے گویا اپنا فرض پورا کردیا۔اگر ایسا نہ ہوتو دوسرا گواہ پتھر لے اور اسے اس کی چھاتی پر دے مارے ۔اگر وہ اس سے مرجائے تو اس نے اپنا فرض ادا کردیا لیکن اگر ایسا نہ ہو کہ پورے

بنی اسرائیل کی سنگباری سے مجرم محفوظ رہے۔اس صورت میں یہ لکھا ہے کہ گواہوں کے ہاتھوں اسے موت کے گھاٹ اتارا جائے اور اس میں تمام لوگ ہاتھ بٹائیں۔"

مذکورہ پتھر جب بلندی سے گرایا گیا وہ اتنا بھاری تھا کہ اسے اٹھانے کے لئے دو افراد درکار تھے۔جیسا کہ زیادہ تر جرائم کے واسطے بائیبل میں سزائے موت درج ہے ہمیں کوی دستاویز نہیں ملتی جس میں فی الواقع سزائے موت پر عمل درآمد کی تفصیلات موجود ہوں۔ممکن ہے ایسا ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسکندریہ میں ہم جنس پرستوں کو بطور سزا مار ڈالا گیا ہو اور دیگر یہودی آبادیوں میں بھی۔لیکن ۷۰ عیسوی سال کے بعد رومن سلطنت نے یروشلم کی عدالت کو اس کے قانونی اختیارات سے محروم کردیا تھا۔اس لئے ہمیں نہیں معلوم کہ یہودی برادری کی آبادیات میں اور ان کے چہار جانب پھیلی ہوئی آبادی میں ہم جنس پرستوں سے کیسا سلوک کیا گیا۔

دور حاضر میں تاریخ کی سب سے پہلی ہم جنس پرستی کی موافقت میں اور آزادی کی تحریک جرمنی میں انیسویں صدی کی آخری دہائی میں شروع ہوئی اس کی رہنمائی میگنس ہرش فلڈ کررہا تھا جو ماہر سماجیات یہودی اور مصلح تھا۔سال ۱۹۲۰ء میں نازی ٹھگوں نے اس کی ٹھکائی کردی اور مردہ سمجھ کر اسے چھوڑ کر چل دیے۔جب ہٹلر نے اقتدار سنبھالا تو ہرش فلڈ کا تحقیقاتی انسٹیٹوٹ مسمار کردیا گیا اور اس کی تحریک کو جس کا وہ بانی تھا کچل دیا گیا۔قدامت پسند اور سامیت دشمن ویانا میں سگمنڈ فرائیڈ نے ہم جنس پرستی سے متعلق قوانین میں اصلاح کے لئے آواز بلند کی۔ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں (Reform Judaism)ریفارم جوڈازم تمام مسیحی چرچوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ آزاد خیال نکلی۔قومی تنظیموں میں (The American union of Hebrow congregation)نے متعدد ایسے کنیساوں کو تسلیم کرلیا جو ہم جنس پرستوں کو بالاعلان قبول کرنے لگے تھے۔جبکہ دوسری جانب کٹر یہودیت کے حامی امریکیوں نے ہم جنس پرستوں کے لئے شہری حقوق کی سخت ممانعت کی۔وہ عدالتی سماعتوں میں احبار میں سے قلع قمع کرنے والی آیات کو پڑھ کر سناتے ہیں۔وہ اس مقالے پر جو ہم جنس پرستی کے خلاف

ہے جامع مگر مختصر انسائکلو پیڈیا جوڈایکا (جو ربی اعظم برائے دولت مشترکہ کی لکھی ہوئی ہے) میں شائع ہوا تھا۔ یہ جدید اور ''آزاد'' نظریات کا کٹر مخالف ہے۔ مگر عصری پیش رفت جو اسرائیل میں دیکھنے میں آرہی ہیں ان کی وجہ سے معاملات آزاد روی کی جانب سرکتے لگ رہے ہیں۔ اسرائیل کی پارلیمنٹ نے ۱۹۸۸ء میں اغلام بازی کو جرائم کے زمرے میں سے خارج کر دیا۔ یہ اس سرزمین پر ہوا جہاں سے مغربی قوانین نے ماضی بعید میں جنم لیا تھا۔ اور جنوری ۱۹۹۲ء میں نیسٹ (پارلیمنٹ) نے ایک اور تدبیر کی منظوری دی' ملازمین کو مساوی تحفظانہ حقوق دیئے گئے۔ وضاحت یہ کی گئی کہ آجرین ملازمین اور ملازمت کے خواستگاروں میں ان کی جنسی ترجیحات کی بنیاد پر کبھی امتیاز کو در نہ آنے دیں۔ یروشلم میں ۲۰۰۲ء میں یہودیوں اور عربوں نے مل کر ہم جنس پرستی کا پرافتخار جلوس نکالا۔

''دنیا کو ایک مان کر یہودیت کا ہم جنس پرستی کے مستقبل پر بہت معمولی سا اثر پڑسکتا ہے۔ تاہم بالواسطہ طور پر وہ تمام تعصّبات جو اس نے میسیحیت پر لادے تھے ان کا اثر و نفوذ بے پایاں رہا ہے۔ دوسرے مذاہب کی تعلیمات جنہوں نے آزار دہی اور خوں ریز جنگوں کو پروان چڑھایا۔ جادوگرنیوں کا جلایا جانا، عورتوں کی زبان بندی اور محکومی اور غلامی کا پھلنا پھولنا، عبرانی مصاحف کے شائستہ اور فیاضانہ گوشوں کا طاغوتی طاقتوں کے ہاتھوں اکثر و بیشتر گہنا دیا جانا۔ ستم بالائے ستم یہ عالمی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ رہا کہ ان یہودیوں نے جنہوں نے میسیحیت اختیار کی انہوں نے ہی نئے مذہب کی فقہہ اور جنسی اخلاقیات کی تشکیل اور فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ــــ یعنی سینٹ پآل ــــ ہی تھا جس نے اس موضوع کو چھیڑا مگر اس میں فی لوکی تندی اور تیزی آگئی بجائے اس کے کہ اس میں نئے عقیدے کے بانی کی حلیمی آجاتی۔''

(1) دوسری عالمگیر جنگ کے چار اہم راویوں چرچل، ڈیگال، آیزن ہاور اور فیلڈ مارشل منٹگمری نے اپنی سوانح میں ہولوکاسٹ کا ذکر نہیں کیا۔

(م م)

باب:۳

کلاسیکل یونان

۴۸۰۔۳۲۳ق م

پنڈار کے اوڈز:

پراچینی یونان کا کلاسیکی عہد عموماً یہ سمجھا جاتا ہے جیسے میراتھن کی جنگ سے ۴۸۰ ق م سے شروع ہوا اور یونانی حلیفوں کی مقدونیہ کے فلپ کے ہاتھوں چاپرونیہ کے مقام پر ۳۳۸ ق م میں شکست سے اختتام کو پہنچا ہو۔اس کی نفیس ترین کامیابی کا اگر شمار کیا جائے تو وہ ایتھنز میں جمہوریت کا قیام تھا۔ایتھنز کا الم ناک ڈرامہ اور ارسٹوفینز کے طربیے، اولمپیائی زیوس کے بنائے ہوئے فیڈیاس کے سنگی مجسمے اور چوتھی صدی قبل مسیح میں افلاطون کے لکھے ہوئے فلسفیانہ مکالمے اور ــــــ اگر ہم اس عہد کی مدت کو ایک یا دو اور نسلوں تک وسعت دے کر ــــــ رواقیوں کی تعلیمات تک بڑھا دیں۔یونان کی سیاسی قیادت ۴۰۴ ق م میں ایتھنز سے سپارٹا منتقل ہوگئی اور پھر تھیبز کو۔مقدونیہ کے دستوں نے چاپرونیہ کے مقام پر یونانی جذبات آزادی کو سرد کر دیا مگر انھوں نے یونانی تمدن کو ان دور دراز مقامات تک پہنچا دیا جو کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ آئے ہوں گے اور یہ سب سکندر کی مہمات کے طفیل ہوا۔ان تمام روبہ عروج ترقیات میں مثلاً ادب ،فنون ،فلسفہ، جنگ اور مردوں کے درمیان عشق جو کبھی ایک رنگ میں کبھی کسی اور رنگ میں ظہور پاتا پھر بھی اپنا اثر ڈالتا۔

اس تمدن کے بے کنار پھیلنے کا منادی شاعر پنڈار تھا۔وہ اس وقت تیس برس کا تھا جب اہل ایتھنز نے میراتھن کے مقام پر اہل فارس پر فتح پائی۔وہ تھیبز کے قریب ایک

گاؤں بوایوشین میں پیدا ہوا۔ اسے سیفو کے بعد ہیلاز کا دوسرا غنائی شاعر تسلیم کیا گیا۔ اپنے پیشرو الکے یوس اور تھیوگنس کی طرح پنڈار بھی اشرافیہ سے تعلق رکھتا تھا اور کئی اعلیٰ خاندانوں سے اس کے تعلقات تھے۔ اس وجہ سے اس نے جوان مردوں کی شان میں جو قصائد لکھے انہیں اس کی پیدائش اور پرورش کے ماحول کے سبب بہت توجہ ملی۔ مگر اپنے پیش رووں کے برعکس وہ سیاسی ہلچل کے زمانے میں بے لطف نہ ہوا۔ پنڈار اپنے فن کو ایک شریف پیشہ سمجھتا تھا جس میں آمد اور انتہائی اعلیٰ درجہ کی ہنرمندی کا مرکب عظیم مقاصد میں کام آیا۔ اس کی غنایہ اور عشقیہ نظمیں پر شکوہ پر تمکنت اور ارفع ہیں۔ اس کا فضیلت بخش انداز ابی کس اور اناکریون کے چاک گریبان اور سرسری طرز کا اتنا ہی حریف تھا جتنی کہ ملٹن کی سترہویں صدی کے انگلستان کی متانت کے مقابلے میں ڈونے کی روزمرہ یا دوسرے مصاحبت چکانے والے شعرا۔ لیکن پنڈار اگر اپنے پیش رووں سے انداز بیان میں مختلف ہے تو وہ ایک مشترکہ خوبی بھی رکھتا ہے۔ ایتی نالیس نے اسے ابی کس اور اناکریون کا ہم پلہ کہا اور بطور خاص ”بے اعتدالی“ کی حد تک شہوت انگیز شاعر بھی کہا۔ پنڈار کی چند ایسی نظموں کو پیش کرنے کے بعد جس میں اس نے کڑیل جوان کھلاڑیوں کی جی بھر کے تعریف کی وہ یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے ”من جملہ بہت سے افراد اسے ترجیح دیتے ہیں کہ وہ امردوں سے راہ و رسم رکھیں بجائے عورتوں کے“۔

ایک روایتی کلاسیکی علمی کارنامے میں ایک پٹے پٹائے فقرے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ”ہم جنس پرستی کا وطیرہ لگتا ہے جیسے اشرافیہ کے ذیلی تمدن تک محدود تھا“۔ لیکن پنڈار کی غنائیہ اور عشقیہ نظمیں جن کا لب ولہجہ قطعاً عوامی ہے اور جنہیں ایسی تقریبات میں رسماً گایا جاتا جو ہالوں میں، معبدوں میں یا پھر فاتحین کے دولت کدوں کے سامنے منعقد ہوتیں۔ جب حالت وجد میں ہم جنس پرستی کی آرزو کا بیان ہوتا۔ پنڈار اپنی پہلی اولمپائی غنائی عشقیہ نظم میں یونانی اساطیر کو دوبارہ لکھتا ہے۔ ہم تک پہنچنے والے دیومالائی کہانی کے مطابق ٹانٹالس نے اپنے بیٹے پی لوپ کا گلا دبا کر اس کے خداوں کی ضیافت کر دی اور عشائیے میں یہ آزمانے لگا کہ وہ حاضر و غائب کا کتنا علم رکھتے ہیں۔ پنڈار اس کہانی کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتا ہے کیونکہ اس سے ان کی اہانت ہوتی ہے۔ پی لوپ عارضی طور پر پنڈار

کی غنائیہ نظم میں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ اسے دیگ میں ابال دیا گیا تھا بلکہ اس لئے کیونکہ پوسیڈان نے اسے بغرضِ عشق اغوا کر لیا تھا۔ یوں اس نے زیوس کے لیے ایک نظیر مہیا کر دی جس نے بعد میں گینی میڈ کی جبراً گانڑ ماری۔ پنڈار کے کہانی کا رخ موڑنے کا مقصد یہ تھا کہ پی لوپ کو خراجِ تحسین پیش کیا جا سکے جس کی تاریخ سنگ مرمر پر نقش ملی ہے۔ جو اولمپیا کے ایک مشہور معبد کو زینت بخش رہی ہیں۔ اور ایلس کو بھی جو قریب ہی ایک شہر ہے جس کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا اساطیری بانی ہے۔

اگرچہ اس نے گینی میڈ کی نظیر کو للکارا اور پنڈار نے اپنی دیگر غنائیہ نظموں میں اس دیو مالائی کہانی کو نظم بھی کیا۔ دسویں اولمپک کو بیان کرتے ہوئے وہ نوجوان مکہ باز ہے جیسی ڈیمس کا اس طرح ذکر کرتا ہے "دیکھنے میں عمدہ" اور "وہ اس شگفتگی سے آراستہ ہے جس سے ماضی میں ایفروڈائیٹ کی رحمت سے گینی میڈ پر آنے والی جان لیوا بلا ٹل گئی تھی ____ وہ ہے زیوس کی محبت والی اخلاقیات جو اس پر سایہ فگن ہے۔ لیکن یہ صرف شکیل چہرہ ہی نہیں ہے بلکہ کثرتی اجسام بھی ہیں جو پنڈار کے لئے وجہ کشش ہیں۔ اپنی چھٹی پا یتھیان (نزول) میں وہ تھراسی بولس کے انکسار کی بھی ستائش کرتا ہے' اس کی ادبی صلاحیتوں کی اور اس کی خوش مزاجی کی بھی جو "شہد" کی مٹھاس سے بھی بڑھ کر تھی۔

اگرچہ پنڈار نے عشق میں میانہ روی کی تلقین کی اور محتاط انداز سے اسے "مناسب موسم" تک محدود رکھنے کی فرمائش کی۔ اس کے جذبات ہمیشہ اس کے اقوال سے مطابقت نہ رکھ سکے۔ اپنی ضعیفی میں ٹینوڈوز کے اس رہنے والے تھیوزینس کے عشق میں وہ گرفتار ہو گیا۔ جس نے اس میں وہ خوابیدہ آتش شوق کو پھر سے بھڑکا دیا۔

میرے دل یہ کہیں اچھا تھا
کہ مناسب موسم میں تو محبت کے پھول توڑتا۔ جب زندگی پر شباب تھی
لیکن کوئی بھی ہو جب اس کی کرنیں دیکھ لیتا ہے
جو تھیوزینس کی آنکھوں سے نکل کر منور کر رہی ہیں
یہ آرزوں کی لہروں میں غوطہ زن نہیں ہیں
دل تو دہک کر سیاہ ہو چکا ہے۔ یہ سرد شعلہ ہیرا یا فولاد ہے

اب تک اس پر ایفروڈائیٹ نے نظر کرم نہیں کی ۔۔۔
لیکن میں تو دیوی کے سامنے یوں ہی بچھا جاؤں گا، جیسے مقدس مکھی کا موم
جب سورج ہلہ بولے گا
میں پگھل کر رہ جاؤں گا جب میری نوجوان لڑکے کے اعضاء پر نظر پڑے گی

پنڈار کی موت کا ماجرا یہ تھا کہ وہ اسی برس کے سن میں اس حال میں مرا کہ وہ آرگوس کے تھیٹر میں تھیوزینس کے شانوں پر سر رکھے تھا۔

یونانی المیہ:

ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ کوئی سی یونانی غنائیہ شاعری آج کی جدید شاعری کی طرح مخصوص ناظرین کے لئے لکھی گئی ہوگی۔ لیکن ایتھنز کا ڈرامہ عوام کو دکھانے کی مجبوری کے مدنظر لازماً اس کی مقبولیت نزدیک اور دور ہونا چاہیے۔ آیا کلاسیکل عہد میں ایتھنز کے تھیٹروں میں ہم جنس پرستی والے خیالات کے کھیل مقبول تھے۔ یہ لیجیے اس نکتے پر ایتھی نائیس کی گواہی حاضر ہے "معاملات عشق کو کس طرح دبوچ لیا جائے اس کی ہوڑ لگی ہوئی تھی۔ کیونکہ کوئی بھی شخص شہوانیت پسند فرد کو عامیانہ نہیں سمجھتا تھا۔ یہاں تک کہ اسکائی لس جیسا عظیم شاعر اور سوفوکلیز تک نے اپنے کھیلوں میں گاڑ مارنے والے نظریات کو اپنے المیوں میں جگہ دی۔ اس سلسلے میں پہل آچیلز اور پیٹروکلس اور بعد میں دوسرا واقعہ ڈرامہ نیوب میں لڑکوں کا آنا۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو المیے کو لونڈے کی محبت پر محمول کرنے لگے۔ (کذا) اور ناظرین ایسی کہانیوں کو بہ خوشی قبول کر لیتے۔" اس مقام پر ایتھی نائیس نہ صرف اعلیٰ درجہ کے ڈراموں کے وجود کا انکشاف کرتا ہے جو ہمیں نہیں ملے بلکہ وہ ملک کے طول وعرض میں ان کے مقبول ہونے کا ضامن بھی ہے۔

ہم یہی فرض کیئے لیتے ہیں کہ اسکائی لس کا گمشدہ کھیل مرمیڈونس میں یہ دکھایا گیا کہ پڑوکلس آچیلز کی زرہ بکتر چڑھا لیتا ہے تا کہ ٹرائے کے میدان میں جا کر لڑے اور آچیلز اس وقت غم واندوہ میں ڈوب جاتا ہے جب اس کا دوست قتل ہو جاتا ہے۔ آج ہمیں یہ سب

جستہ جستہ ملتا ہے مگر اس کھیل کا ڈھانچہ قدرے واضح ہے یہ کھیل اس وقت جذباتی انتہا کو آچیلز کی تقریر سے پہنچتا ہے جب وہ اپنے معشوق کی لاش دیکھتا ہے۔ اسے میدان جنگ میں پیٹروکلس کی ننگی لاش ملتی ہے جس کے کپڑے اہل ٹروجن نے اتار لئے تھے۔ وہ متوفی کی ملامت دو جملوں میں کرتا ہے جس سے ان کے جنسی تعلقات اور وارفتگی کی اہمیت نمایاں ہوجاتی ہے ''اگر تمہارے دل میں اپنی باعصمت رانوں کی کوئی وقعت نہ تھی۔ کیا ان بوسوں کو بھی بُھلا کر تم نے احسان فراموشی نہ کی جو تم پر میں نے ثبت کیے تھے؟'' سوفو کیلز نے بھی اس سے ملتا جلتا ایک شہوانی بیان اس کھیل میں لکھا جو اب ناپید ہے۔ کھیل ''کولچیان وومن'' میں وہ گینی میڈ کا یوں ذکر کرتا ہے ''جس نے جلال للہ الملک کی رانوں میں آگ بھڑ کا دی''۔ سوفو کیلز کا کھیل نیوب کو لازماً یہ شہرت ملنی چاہیے تھی جس میں مردوں کے درمیان عشق خاص طور سے عجیب لگتا ہے۔ دیومالا تو یہ کہتی ہے کہ نیوب اس بات پر فخر کرتی ہے کہ اس نے لیٹو سے زیادہ بچے جنے ہیں جو اپولو اور آرٹیمس کی ماں تھی۔ اپنے گھمنڈ میں الوہی جوڑا اپنی ساتوں بیٹیوں اور بیٹوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ امر ناقابل فہم ہے کہ کوئی شہوانی دلچسپی کیونکر اس مادرانہ المیے میں ہر شئے پر غالب آ گئی۔ تاہم افلاطون ایسی تفصیلات سامنے لاتا ہے جس سے ایتھی نالیس کی تصدیق ہوجاتی ہے ''جب نیوب کے بچے سوفو کیلز کے کھیل میں چھرا گھونپ کر ہلاک کئے جارہے تھے تو ان میں سے ایک چلانے لگتا ہے اور اپنے کسی بچانے والے اور حلیف کے بجائے اپنے عاشق سے التجا کرتا ہے''۔ یہ نوبت کیوں آئی یہ محض کسی ذیلی واقعے کی پیداوار نہ تھی۔ کھیل کا نام پھر سے دھرا جاتا اور 'لونڈے کی محبت' (PAEDERASTRIA) رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ اس کھیل کا مرکزی خیال کسی نہ کسی صورت میں پوری طرح ترقی پایا ہوگا۔

حالانکہ ہمیں اسکائی لس کے معاشقوں کے متعلق کم ہی معلوم ہے کہانیوں کا ایک ریلا ہم تک آیا ہے جو اس کے ڈرامہ نویس ساتھیوں کے متعلق ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ایتھنز دوجنسیا (BISEXUAL) شہر تھا اور سوفو کیلز خود بھی نہایت وجیہہ شخصیت تھا۔ اور اس پر لونڈے مرے جاتے تھے۔ ایتھی نالیس تو اس کے متعلق کہتا ہے ''نوخیز لونڈوں کا رسیا جیسے یوری پائیڈز عورتوں کا شوقین تھا''۔ افلاطون اپنی کتاب پیریکلز میں جو ایک سوانح ہے۔ ایک

بحری مہم کے دوران میں ہونے والے ایک واقعے پر لکھتا ہے کہ جب ایک شاعر نے ایک خوبصورت لڑکے کی تعریف کی جو غالباً ایک رنگروٹ تھا۔تس پر پیریکلز نے متنبہ کیا کہ ہر سپہ سالار پر لازم ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ہاتھ صاف رکھے بلکہ اپنی نگاہوں کو بھی پاک رکھے۔اس کے باوجود روایت کے مطابق سوفوکیلز نے شادی بھی کی اور بچے بھی ہوئے ۔اس کے ایک بیٹے آئی فون نے چند المیے بھی تحریر کئے ۔میتھو آرنلڈ نے سوفوکیلز کو پرسکون حکیم کہ کر پکارا ہے جس نے ''زندگی کو ہموار اور کل حالت'' میں دیکھا۔ملکہ وکٹوریہ کے عہد کے اس اعلی مرتبہ شخص کا پلوٹارک اور افلاطون کی تحریروں میں شاید ہی کہیں ذکر آئے مگر جو کچھ ہم تک پہنچا ہے ۔ایک کہانی تو یہ بتاتی ہے کہ شہر چیوز کا دورہ کرتے ہوئے سوفوکیلز ایک حسین ساقی گر لڑکے کو فریب دہی سے اس کے ہونٹ ساغر کے اتنے قریب لے آیا تا کہ چوری سے اس کا بوسہ لے سکے۔اپنے دفاع میں اس نے یہ اعلان کیا ''میں تو جنگی حربوں کو آزماتا رہتا ہوں ۔معزز حاضرین چونکہ پیریکلز نے مجھ سے کہا ہے کہ میں شاعری تو کر سکتا ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ جنرل کیسے بنا جاتا ہے''۔رہوڈز کا گپی ایرونی موز ایک اور واقعہ سناتا ہے ۔جب سوفوکیلز پینسٹھ برس کا تھا تو وہ اپنا بے آستین کا لبادہ ایک لڑکے کو دے کر بھول گیا جو اسے لے کر چمپت ہوگیا ۔یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب دونوں ایتھنز کے باہر ایک کھیت میں فارغ ہو چکے تھے ۔یوری پاؔیڈز یہ کہہ کر اسے چھیڑتا اور شیخی بگھارتا ہے کہ میں نے لونڈے سے مزے اڑائے مگر کوئی بونس نہیں دیا۔

یوری پاؔیڈز جو تین المیہ نگاروں میں سے آخری تھا اس نے کم از کم ایک کھیل ضرور لکھا جس کا مرکزی خیال لونڈے کی محبت تھا۔اس کے گم ہوجانے والے کرائیسی پس نے بتایا تھا کہ اوڈیپس کے باپ لای لیس نے جو تھیبز کا بادشاہ تھا زبردستی گانڑ ماری تھی ۔یوری پاؔیڈز کی عورتوں سے رغبت اسے اپنی ہی جنس سے دلچسپی رکھنے میں مانع نہ ہوئی ۔سال ۴۰۸ ق م میں جب اس کی اہل ایتھنز سے اپنے مذہبی تشکیک کی وجہ سے ان بن چل رہی تھی ۔اس نے شاہ مقدونیہ آرکیلاس کے دربار کی دعوت قبول کر لی ۔آرکیلاس جو ایتھنز کے تمدن کا پرجوش مربی تھا پہلے ہی یوری پاؔیڈز کے ساتھی ڈرامہ نگار آگاتھون کی میزبانی کر چکا تھا۔جو بطور المیہ ڈرامہ نگار مرتبے میں تینوں غیر فانی ناٹک نویسوں کے بعد آتا تھا۔اگاتھون میں

دونوں خوبیاں تھیں یعنی خوبصورتی اور زنانہ انداز و اندام بھی رکھتا۔اس کی ذات کے ایک پہلو کا ایرسٹوفینز نے اپنے ناٹک 'تھیسمو فوریا کی عورتیں' میں طنزیہ رنگ دیا۔افلاطون کی سمپوزیم میں جو ہمارے حساب سے ۴۱۶ق م تھا اس وقت جب اگاتھون اپنے المیے پر انعام جیتنے والا تھا۔ارسٹوفینز، پاوسانیاس اور اگاتھون کو ان مخصوص مردوں میں شمار کر رہا تھا جن میں دوسرے مرد کشش محسوس کرتے ہیں ۔ یہ بھی اشارہ کرتا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے عشق کرتے ہیں۔اور سقراط بھی ایسے ہی مفروضہ قائم کر لیتا ہے جب اس کی دونوں سے پوٹاگورس میں مڈبھیڑ ہوتی ہے۔جب یوری پاپڈز (ستر برس کا ہوکر) مقدونیہ میں وارد ہوتا ہے۔وہ آتے ہی نوعمر ڈرامہ نویس کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے جو اس وقت کوئی چالیس برس کا تھا۔ایک جوڑا بن کر وہ عمر رسیدہ مردوں میں عشق ہونے کا کہاوتی نمونہ بن گئے۔ پلوٹارک یوں خاتمہ کرتا ہے۔۔۔جب اگاتھون سے ہم آغوش ہوکر بوس کنار کرتے دیکھا تو میرا مشاہدہ یہ ہے کہ اگرچہ موخر الذکر کی داڑھی پہلے ہی بڑھ چکی ہے اس کے علی الرغم حسن کی خزاں بھی حسین ہوتی ہے۔

فیڈیاز:

جس طرح اسکائی لس، سوفوکیلز اور یوری پاپڈز ڈرامہ نگاری میں لاجواب ٹھہرے اسی طرح سنگتراشی میں فیڈیاز کا مقام پہلا ہے۔اس کا اولمپس زیوس کا سنگی مجسمہ قدیم کلاسیکی عہد کا شاید سب سے زیادہ قابل تعریف کام ہے۔ڈیوکرایس سوسٹوم کی نظر میں یہ تھا ''یہ اہل ہیلا (کانسی کے عہد) کی سرپرست تھی جب وہ یکسو ہو جاتی ہے اور دھڑے بندی سے بولائی نہیں ہوتی''۔''جب آپ اس مجسمے کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہم اپنی دکھ بھری دھرتی کی بدنصیبی کو فراموش کردیتے ہیں۔حالانکہ ہم ابتلا اور گہرے رنج کے مارے شکستہ ہوتے ہیں۔۔۔اس کی شان وشوکت اور خوبصورتی فنکار کی تخلیق میں ملتی ہے۔''پلینی نے اس مجسمے کو کہا '' جس کا آج تک کوئی حریف نہیں ہوا''۔کنٹلیان نے یہ اعلان کیا ''یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے حسن نے روایتی مذہب میں کچھ اضافہ ہی کیا ہے۔کیونکہ اس کے کام

میں جو شاہانہ تمکنت ہے'' اس میں الوہی فطرت بدرجہ اتم ہونے کے علاوہ عیاں ہے۔ بالآخر اسے دنیا کے سات عجایبات میں شمار کرلیا گیا۔ بدقسمتی سے فیڈیاز کے دیگر تمام شاہکار برباد ہوچکے ہیں۔ اس کے ہنر کا اندازہ اب صرف پارتھینون کے آرائشی حصے جو سلِ اور کارنس کے درمیان ہے سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ جس کا نقشہ اس نے بنایا تھا اور پھر تعمیر ہوتے وقت نگرانی بھی کی تھی۔

فیڈیاز کے دو 'لونڈوں' سے ہم باخبر ہیں۔ ایک تو پاروز کا رہنے والا اگروراکریٹس پاروس کا تھا جو اس کا شاگرد اور مرید جس نے بعد میں اٹیکا میں رہامنس کے مقام پر عظیم الجثہ جائے عبرت کی نقل تیار کی تھی۔ اس کا مجسمہ فیڈیاز کے طرز سے اتنا ملتا جلتا تھا کہ یہ افواہ اڑگئی کہ اپنے معشوق لونڈے کے لئے یہ مجسمہ فیڈیاز نے خود بنایا اور اسے اس کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے نام سے مشہور کرلے۔ ایلس کا پانٹارسس تو سنگتراش سے بہت سے قربت رکھتا تھا۔ اولمپیا میں نصب ایک مجسمہ تو اس کی کھیلوں میں کامیابی ہی کی یادگار ہے اور دوسرا جو ایلس کے مقام پر ہے وہ اس اعزاز کا حامل ہے جو اس کی مساعی کے اعتراف میں ہیں جو اس نے اہل ایکیا سے قیام امن کے لئے کی تھیں اور اپنے جنگی قیدیوں کو چھڑا لیا تھا۔ پوسانیاس ایک ایسی روایت کا تذکرہ کرتا ہے جس میں فائڈیاز نے اپنے عشق کو یاد منانے والا مرتبہ دینے کے لئے پانٹارسس کو ستون کے سرے پر بطور ایتھلیٹ لگادیا تاکہ اولمپیا میں زیوس کی آرائش اور زیبائش کا حصہ بن جائے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں پر مذکورہ نوجوان کو اس طرح دکھایا گیا ہے جیسے وہ اپنے سر پر پٹی باندھ رہا ہو۔ فیڈیاز نے اس کے علاوہ اس طرح بھی تعشقانہ خراج تحسین پیش کیا کہ اس نے خدا کے مجسمے کی انگلی پر لفظ نقش کردیئے کہ ''پانٹارسس خوبصورت ہے''۔ ایک مسیحی نقاد کے ہاتھ میں تو جواز مذمت آگیا۔ اسکندریہ کے کلیمنٹ کے ہاتھ میں چھڑی اور دو دو آگئیں یعنی دو کراہتیں، ہم جنس پرستی اور مسیحیت سے بے بہرہ پن۔

'ارسٹوفینز کے طربیے':

مردوں کے مابین معاشقوں پر مبنی یونانی المیے تو ناپید ہوگئے۔ ہمیں ملا کیا صرف

تبصرے اورادھر اُدھر کی سطریں ۔لیکن ارسٹوفینز کے طربیوں میں بھی ہم جنس پرستی کے حوالوں کی کوئی کمی نہیں ہے ۔ جن میں سے سب سے پہلا کھیل ۴۲۷ ق م میں کھیلا گیا۔فیڈیاز کی موت کے چندسال بعد ہی ۔''تھیسمو فوریا کی عورتوں'' میں ماتا دیوی ڈیمیٹر سے منسوب میلے میں جس میں مردوں کا داخلہ ممنوع تھا۔آ گاتھون اس میں زنانہ لباس پہن کر پہنچ جاتا ہے اور جواز یہ دیتا ہے کہ اسے ایک المیہ لکھنا تھا اور خود کو اس کی ہیروین کے تجربے سے گذرنا تھا۔ایک اور پسندیدہ ہدف قابل ملامت کلیز تھینز تھا (اسے وہ نہ سمجھ لیا جائے جس نے جمہوریت بحال کرائی تھی بلکہ ایک بدنام پیشہ ور مخبر) جس کا اچارنیان کے ناٹک میں مضحکہ اڑایا گیا تھا جو زنانہ مخنث تھا اور'لا یسٹراٹا' میں جنس کے مارے شوہروں کے بارے میں جن کی بیویاں ہڑتال پر تھیں۔یہ تمسخر ظاہر کرتا ہے کہ تمام ہی اقسام کی رضامندی والی ہم جنس پرستی والے طور طرائق کی یونانی تائید نہیں کرتے تھے۔بالخصوص اس سے یہ بھی ہویدا ہے کہ اہل یونان مردوں میں زنانہ پن کو کتنا اہانت آمیز سمجھتے تھے۔ایتھنز کے کسی بالغ مرد کے کسی دوسرے مرد یا لڑکے سے جنسی رشتہ قائم کرلینے پر اس پر حرف نہ آتا جب تک وہ بالا دست بن کر فاعل کا کردار انجام دیتا۔ادبی اور بشریاتی شہادتیں تو یہ بتاتی ہیں کہ یہ واہمہ سب پر غالب تھا۔یہ یونانی مزاح میں جھلکتا ہے اور یہ یونانی شاعری کی بیاضوں میں مختصر طنزیہ نظموں میں بھی ملتا ہے۔سلطنت روما کی شاعری میں جہاں بھی زنخے مردوں پر حملہ کیا گیا ہے چاہے وہ کاٹلس جو وینل یا پھر مارشیل ہوں سب ہی لڑکوں سے محبت کے حامی ہیں مگر گانڈو کی چمڑی ادھیڑنے پر کمربستہ رہتے ہیں۔اور مردانگی کی نمائش کرنے والی اخلاقیات میں جو جدید بحیرہ روم کے اطراف کی دنیا ہے اور لاطینی امریکہ جہاں مردانہ کردار کی نگہداشت اوڑھنا بچھونا بنا ہوا ہے ۔شہنشاہیت والے روم میں جب مسیحیت نے غلبہ حاصل کرلیا تو اس تمدنی علت نے رومن کے قوانین پر ہلاکت خیز اثر مرتب کیا۔

معاملہ کچھ یوں ہے کاتا پگنوس (چوڑے چوتڑوں والا) اور یوری پروکٹوس (چوڑی مقعد والا) عام طور پر قدیم یونان میں نام دھرے جاتے ۔ارسٹوفینز انہیں کثرت سے استعمال کرتا ہے۔کبھی کبھی تو ان کے معنی محض ''مردود'' ہوتا یا پھر ''گھورا'' لیکن کچھ جنسی رنگ ضرور جھلکتا۔سب سے زیادہ حیرانی تو اس بات سے ہوتی ہے جب ایرسٹوفینز کس تواتر سے

ایسے نام اپنے شہریوں پر چسپاں کرتا رہتا ہے ۔جن میں سیاستداں ، وکلاء اور فوجی جنرل سب ہی 'بڑی مقعد والا' کی جھڑکی سنتے ۔مراد ہے کہ ایسے افراد جو کامیابی حاصل کرنے کے لئے کس حد تک جھک سکتے ہیں ۔'بادلوں میں'ارسٹوفینز کا ترجمان رایٹ لا جک سامعین کو شریک کر لیتا جب الزام تراشی کرتا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مظہر میں کوئی ناخوشگوار بات ضرور ہے____ جوں جوں ارسٹوفینز ہم جنس پرستوں کو پھانسنے لگتا ہے ۔یوں اس نے جبراً اور مصنوعی ٹھٹھہ لگوایا ہوگا اور اس کے لئے اس نے سامعین پر نامردی کے الزام کا خوف طاری کیا ہوگا اس کے علاوہ ان پر تعصّبات کا ردّا چڑھایا ہوگا جوان مردوں کے خلاف ہوتا ہے جو ایتھنز کے ڈھلے ڈھلائے مردوں سے مطابقت نہ رکھتے ہوں گے ۔فی لوکا قاتلانہ طیش آ گے آ تا ہے ۔

لیکن اریسٹو فین مذہباً کوئی محتاط اور سادگی پسند شخص نہیں تھا ہر نوعیت کی سرسری اور جنسی مڈبھیڑیں ارسٹوفینز کے زمانے میں عام رومی ہیرو کے لئے اتنی ہی پسندیدہ تھیں جتنی وہ سقراط، افلاطون اور ان کے حلقوں کے لئے مکروہ ہوتیں ۔معمول کے مطابق یونانی سماج میں دو جنسیائی کو زندگی کا حصہ سمجھا جاتا ہے ۔جب 'دی فروگ' میں ڈاینی سوس اپنی شہوت کا ذکر کرتی ہے تو ہیراکلز بے دھیانی میں یہ پوچھ لیتا ہے کہ آیا اسے عورت چاہیے یا لڑکا یا پھر کوئی مرد(آخرالذکر مشتعل ہوکر ہنسانے پر مجبور کر دیتا۔ ڈاینی سوس واحد یونانی اسطوری دیوی ہے جو گانڑ بھی مراتی ہے ۔) بپھر جانے والے ایتھنز کے کارکنان جو اریسٹوفینز کے کھیلوں کے اصل اداکار ہیں ان پر ہر وقت شہوت سوار رہتی اور وہ ہر طرح کی جنسکاری میں شریک ہونے کو تیار ہوجاتے بشرطیکہ ان کی مردانگی پر حرف نہ آتا ہو۔فیلوکلیون (WASPS) بھڑوں میں ننگے لڑکوں کا معائنہ کرتے ہوئے بہت محظوظ ہوتا ہے جب وہ جیوری کے رکن کی حیثیت میں اپنے فرائض ادا کر رہا تھا۔کھیل اکارنیان میں ڈائی کے پولس بڑی گرمجوشی سے لنگ دیوتا کو بلاتا جس کی وہ بطور''بدکار'' اورلونڈے باز کے پوجا کرتا ہے۔ جب 'نائٹس' کا اختتام ہونے لگتا ہے اس کے ہیرو کو لونڈا اور لڑکیوں کا دستہ بطور انعام ملتا ہے ۔اسی طرح 'برڈز' کھیل میں پی سی ٹاریوز جاگتے میں ایک یوٹوپیا خواب میں دیکھتا ہے''جہاں اسے ایک خوش شکل لڑکے کا باپ ملتا ہے اور مجھ سے

یوں مخاطب ہوتا ہے جیسے میں نے اس سے کوئی گڑ بڑ کی ہو۔'' بہت خوب یہ ہے ایک عمدہ طریقہ جو میرے بیٹے سے سلوک کیا گیا ہے اے سٹل بانائیڈز! تم اس سے اس وقت ملے جب وہ نہا رہا تھا، جمنازیم سے رخصت ہو رہا تھا اور تم نے اسے نہ چوما' تم نے اسے ایک لفظ نہ کہا' نہ تم نے اسے کھینچ کر اپنی آغوش میں لیا' نہ تم نے اس کے فوطے سہلائے____۔ اور تم بنتے ہو ہمارے خاندان کے قدیم دوست!''

ایرسٹوفینز نے انسانی زندگی کے کسی گوشے کو مثالی نہیں بنایا ہے۔ خداؤں، مدبرین، شعرا، سپہ سالاروں، ازواج____ان طربیوں میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو حرام خور، گھٹیا اوباش اور پیٹو نہ ہو۔ یہاں تک کہ ڈایئی سس بھی جو اس میلے کا سرپرست تھا جہاں اس کے ڈراموں کا انعقاد ہوا اسے بھی بزدل اور مسخرا کہا۔اس لئے اس میں کوئی حیرانی نہ ہونا چاہیے جب مردوں کے درمیان عشق کا ذکر بلا کسی جگمگ یا جذبات کے بغیر ہو۔شاید واحد کردار جس پر کسی مثالیت پسندی کا شائبہ ہوتا ہے وہ لونڈے باز کارین ہے جو 'ویلتھ' کھیل کا حصہ ہے۔وہ اس امر پر نوحہ کناں ہے کہ عشق کے واسطے لڑکے مردوں کو پٹھے پر ہاتھ دھرنے نہیں دیتے جز تحفوں اور رقوم کے۔

'افلاطون کی سمپوزیم':

یہاں تک قدیم یونان میں مردانہ تعشق کی تصویر شاعری، ڈرامہ، فن اور تاریخی واقعات سے بنائی گئی ہے۔ چوتھی صدی قبل مسیح کے آغاز سے نئے اور پیچیدہ تناظر نمودار ہوتے ہیں۔افلاطون اور زینوفون کے فلسفیانہ تذکروں میں افکار اور بصیرتوں کا بارہ سنگھا ملتا ہے۔ جس میں یونان کی سماجی زندگی کی بے تکلفانہ اور شوخ جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں ۔جہاں جہاں جستہ جستہ تبصرے ملے ہم نے وہاں باصراحت بحثیں کیں۔یوں ہمارے ہاتھ سماجی تفصیلات کی بے بہا دولت لگ چکی ہے اس کے علاوہ افلاطون کی وجہ سے نہایت شستہ کردار سازی کے پہلو بہ پہلو سبک طنز بھی دیکھنے میں آتا ہے۔اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ سب سے شاندار اور سبق آموز کام افلاطون کی سمپوزیم ہے۔لیکن اس کی بے

بہا قدر و قیمت ہی ہمارے لئے سدراہ بنتی ہے۔اس کے ساتوں خطاب کرنے والے ایتھنز کے معروف لوگ تھے جنہوں نے مردانہ عشق پر معنی خیز انداز میں مختلف خیالات پیش کیے۔ جن سے اہم سوالات نے جنم لیا۔کیا وہ کلمات جو افلاطونؔ ان کے منہ سے کہلاتا ہے جو اکثر اس کے اپنے نظریات سے متصادم ہیں۔ان افکار کی نمائندگی کرتے ہیں جنہیں ایتھنز میں بہت پذیرائی حاصل تھی یا پھر یہ قطعاً انوکھا پن تھے۔اور کس حد تک افلاطونؔ کا اپنا موقف اس کے ترجمان سقراط کے ذریعے ابلاغ پاسکا اور یونانی سماج نے اسے کس قدر قبول کیا۔ کیا یہ مثالی نوعیت کا تھا یا پھر یہ کسی یوٹوپیا کے خواب دیکھنے والے کے خیالات تھے جیسی کہ اس نے شادی اور جائیداد کے متعلق اپنی تجاویز ریپبلک (جمہوریہ) میں دیں؟

افلاطونؔ کا ذہنی رویہ اپنے ورثے کی وجہ سے گدلایا ہوا تھا۔وہ ایک دولتمند اشرافیہ کے خاندان میں پیدا ہوا تھا اور نسب میں خود کو سولونؔ بادشاہ کی نسل سے بتاتا تھا اور ایتھنز کے قدیم بادشاہوں کو اپنا ہم نسب کہتا تھا۔سن۴۰۴ ق م میں پیلو پی نی سئیسن جنگ کے خاتمے پر افلاطونؔ کے احباب اور اعزا اس چند سری دہشت گرد حکومت میں شریک ہوئے جس نے ایتھنز کو تیس مشیروں کے تحت لرزہ براندام کردیا۔بحال ہونے والی جمہوریت نے بطور انتقام ۳۹۹ ق م میں سقراط کی جان لے لی۔افلاطون مقبول حکومت سے متنفر تھا اس عدالتی قتل نے اس کے نظریات کو پوری قوت سے مستحکم کردیا ہوگا۔اس کے اپنے سماجی فلسفے اور کلبیوں کی لگن کے اتحاد نے جو سادہ زندگی پر زور دیتے (وہ اشیائے تعیش اور خاندانی آسائیشوں کو مسترد کرتے تھے) یوں ایسی خدمات جو اشرافیہ کے لئے مثالی ہوں ان سب نے سپارٹا میں وفاقی کمیونوں کے نظام میں فردیت کو ڈبو کر رکھ دیا۔ بہت سے یونانیوں کی مانند اسے بھی دانشورانہ مباحثوں کا جنون کی حد تک شوق تھا۔عشق کے متعلق بھی اس کے سلگتے عقائد اہل یونان کی طرح تھے۔یعنی مردوں کے مابین عشق۔لیکن وہ مسرت سے اتنی زیادہ کراہت رکھتا جتنی وہ جمہوری سیاستدانوں سے اور جنسی مسرت تو اس کی نظر میں ایک خطرہ تھی۔افلاطون کی نظر میں مثالی عشاق وہ تھے جن کا دل وقت تمنا پر بے قابو ہوجاتا لیکن تمام وقت پارسا رہتے۔

نوجوانوں کو دیکھ کر اس کی اپنی اثر پذیری____ کو اگر اس کے تیکھے تفصیلی بیان پر

فیصلہ دیا جائے جو اس نے ایسے لطیف جذبات چارمائیڈس اور فیڈرس میں بیان کئے ہیں۔ جو بہت شدید ہیں ڈیوجانس لارٹیس اپنے سوانحی خاکے میں پانچ نظموں کو بطور شہادت افلاطون سے منسوب کرتا ہے کہ مردوں کے لئے اس میں کتنی ''جنوں خیز محبت'' تھی۔(تین اور بھی ایسی نظمیں دی گئی ہیں جو شائد افلاطون کی نہ ہوں، ان میں عورتوں کو خطاب کیا گیا ہے) آگاتھون کے بوسے سے اس کی روح ہونٹوں پر تڑپنے لگتی ہے۔آسٹر جو اس کا علم ہیئت میں شاگرد ہے وہ لکھتا ہے اور اس کے نام کے دو حصوں کی وجہ سے صنعت ابہام سے کام لے کر کہتا ہے ''ستاروں پر نظر رکھنے والے آسٹر، کاش میں آسمان ہوتا تاکہ میں ہزار آنکھوں سے تجھے دیکھا کرتا۔'' ایک دوسری نظم میں وہ آلکسس کی خوبصورتی کو سراہنے میں ہچکچاتا ہے۔وہ پہلے بھی ایسی تعریف کر کے فیڈرس کو گنوا چکا ہے۔افلاطون کی ان تحریری سطروں کو گاہے بگاہے للکارا گیا ہے مگر علماء کی اکثریت انہیں معتبر جانتی ہے۔

افلاطون کی الحاقی دستاویز جو ثبوت سے لبریز ہیں ان میں عشق سیاست اور فلسفہ آپس میں پیوست ہیں۔یہ سب سراکیوز کے ڈایون کے لئے ترکہ تھا۔ڈایون مستبد حکمراں ڈایونی سوس کا بھتیجا تھا جس نے سسلی اور جنوبی اطالیہ پر حکومت کی۔افلاطون کی دانش سے مسحور ہوکر ڈایون اسے ۳۸۷ ق م میں اس امید میں سراکیوز لوالایا کہ اپنے چچا کا دل جیت لے تاکہ وہ اپنے ظالمانہ اور یک رخے انداز حکمرانی میں نرمی پیدا کر لے۔اس کا دورہ ناکامی کی وجہ سے یادگار بن گیا۔لیکن افلاطون بیس سال کے بعد لوٹ آیا۔دوبارہ ڈایون کی فرمائش پر۔تاکہ استبدادی حکمرانوں کے وارث کا آزمودہ مشیر بن جائے۔لیکن ڈایونی سوس دویم پہلے والے کے مقابلے میں بالکل لچکدار ثابت نہ ہوا۔ڈایون کو ملک بدر کر دیا گیا اور ساتھ ہی افلاطون کو اس کے ساتھ۔جب ایتھنز کی اکیڈمی کی بنا پڑ رہی تھی تو افلاطون نے اس کے قیام کی سرگرمیوں میں خود کو جھونک دیا۔باضمیر مگر متکبر اور خود کو راہ راست پر سمجھنے والے ڈایون نے سسلی پر دھاوا بول کر ڈاینی سوس کا تختہ الٹ دیا۔محض اس لئے کہ اپنے مختصر اور متلاطم عہد حکومت کے بعد قتل ہو جائے۔افلاطون کے احساسات کی اس کے لئے گہرائی کا اندازہ ان مصرعوں سے واضح ہوتا ہے جنہیں کتبے پر لکھا گیا (اب) کشادہ سڑکوں سے آراستہ تمہارے شہر، بالآخر اسے یہ اعزاز حاصل ہوا کہ تم یہاں محو استراحت ہو۔اے

ڈایونؔ جس کے عشق نے اس چھاتی میں دھڑکنے والے دل کو تڑپایا تھا۔

افلاطونؔ نے اپنی سمپوزیم کوئی ۳۸۵ ق م میں لکھی جب وہ پہلی مرتبہ سراکیوز کے سفر سے لوٹا تھا۔ 'مکالمے' تیس برس پہلے اس وقت مرتب ہوئی تھی جب آگاتھونؔ کے گھر پر اس کے دوست اس لئے جمع ہوئے تھے تاکہ بطور ڈرامہ نگار اس کی حیثیت مسلم ہوجانے پر جشن منایا جائے۔ جس سے یونانی اطوار کی بناوٹ سے عاری ایک تصویر ابھرتی ہے جو دلنشین ہے ۔لوگ کوچوں پر جوڑوں کی صورت میں نیم دراز ہیں۔ یہ ایک روایت تھی جس میں عشقیہ چھیڑ چھاڑ مباح ہوتی اور عشق میں ایک دوسرے پر تعریف حسن کے ذریعے سبقت لی جاتی ۔کیا آج کل کی چھڑوں کی پارٹی میں ایسے کسی خیال کے روبہ عمل لانے کو حاشیہ خیال میں لایا جاسکتا ہے ۔اگرچہ وہ بیانات جو مختلف لوگوں نے دیے ان کو اکثر بڑی لاپرواہی سے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ''افلاطون کے مطابق'' درحقیقت یہ متعدد رویوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور اگر یہ ضروری ہے کہ ہم سمجھ لیں کہ یہ مکالمے، اہل ایتھنز کے ہم جنس پرستی کے نظریات کے بارے میں ہمیں کیا بتانا چاہتے ہیں تو ہمیں احتیاط سے ان میں تفریق کرنا ہوگی۔

آیئے ہم چند مفروضوں میں آپ کو شریک کریں۔ سب ہی جانتے ہیں کہ عموماً سنجیدہ عشق کے معنی مردوں کے درمیان محبت مراد ہے بالعموم ایک عمر رسیدہ کا ایک نوعمر مرد سے عشق۔ فیڈرسؔ مباحثے کا در کھولتا ہے ۔عشق تو ایک ارفع تجربہ ہے اسے پروان چڑھنا چاہیے اور نگہداشت ہونی چاہیے ۔اس کا استدلال سب سے پہلے یہ ہے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں روایتی عسکریت والا ہے ۔لیکن اس کی حقیقی آزمائش یہ ہوتی کہ آیا چاہنے والے مرنے کو تیار ہیں آزمائش کا ایک معیار مردوں ہی کے لئے ہوسکتا ہے نہ کہ عورتوں کا۔ تاہم فیڈریسؔ ایک قابل ذکر استثنیٰ ڈھونڈ نکالتا ہے۔ السسؔ لسؔ جو اپنے شوہر ایڈمیٹسؔ کو طول عمر دینے کی خاطر جان دے دیتی ہے ۔لیکن آچیلزؔ جس نے خود کو اس لئے قربان کردیا تاکہ اپنے معشوق پیٹروکلسؔ کا انتقام لے سکے اس کا درجہ سورمائی عشاق میں مثل اولیٰ ہے۔

فیڈرسؔ کی تقریر سادہ لوحی پر مبنی ہے، جذبات کی فراوانی ہے مگر تنقید سے عاری ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس کا مقصد اس خیال کا اظہار ہے جو کسی ادب نواز اہل

ایتھنز کے ذہن میں کلبلا سکتا ہے جو مثالیت پسندی کا میلان لگتا ہے۔ وہ اپنی جنسی محبت کی خدمت کرنے کے جذبے سے سرشاری میں اتنا دور نکل جاتا ہے کہ وہ دل میں ''عاشقوں کی ایک فوج'' ترتیب دے لیتا ہے جو اس کے شانہ بہ شانہ لڑتے ہیں اور ممکن ہے دنیا کو فتح کر لیں۔اس سے بھی بڑھ کر اس کا انوکھا دعوی ہے کہ عشاق ہی کا کوئی شہر ہو سکتا ہے جس میں ہر برادری کے لوگ ہوں گے جہاں ''بہترین حکمرانی'' ہوگی____ ایک اور خطیب پھر اس پر مزید حاشیہ آرائی کرے گا۔لیکن اس تمام بال کی کھال نکالنے کے باوجود ہمارے لئے ایک نکتہ اب بھی تاریکی میں ہے۔کیا جس عشق کی تعریف میں وہ قلابے ملا رہا ہے آیا وہ ''افلاطونی'' ہے یہ سب روز مرہ کا معاملہ ہے یا پھر اس میں کسی جنسی عنصر کے داخلے کی اجازت ہے۔

اگلا خطیب پاوسانیاس جو اسی نکتہ پر اظہار خیال کرتا ہے۔ یونانی اپنے خداؤں کی پرستش کرتے اور ایسا مختلف مقامات پر اور اس کا سبب مختلف اسباب ہوتے۔ایفروڈائیٹ کو پانڈیموز (تمام لوگوں کی یا پھر ہر کوچے والی) کے علاوہ کئی خطاب ملے اور اورانیا (جو آسمانوں کی بیٹی) ہے۔ان دو عہدوں کی وجہ سے پاوسانیاس دو اقسام کے عشق میں امتیاز تلاش کر لیتا ہے ایک نچلا (یا عام) عشق اور ایک بالا (یا آسمانی) عشق دونوں ہی کا تعلق دیوی سے ہے۔ یہ امتیاز مغربی اخلاقیات میں اس قدر رچا بسا ہوا ہے کہ کوئی بھی اس وقت تعجب میں پڑ جاتا ہے جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس کی پہلی رویت ہے۔نچلا عشق قطعاً دُبری ہے جبکہ عشق بالا جسم میں روح شامل کرتا ہے۔(یہ سمجھنا انتہائی اہم ہے کہ پاوسانیاس کا عشق بالا____ بعد کی روایات کے برعکس____ جسمانی ضرورتوں کو حذف نہیں کرتا) ان کی مزید شناخت آرزوؤں کے مقاصد کے تحت کی جاتی ہے۔نچلا عشق ایسا ہے جیسے ''گھٹیا قسم کے آدمی'' عورتوں کے لئے محسوس کرتے ہیں اور نوخیزوں کے لئے بھی۔دیگر یعنی عشق بالا ان نوجوانوں پر مرنے کو کہتے ہیں جن کی مسیں بھیگ رہی ہوں۔مراد یہ ہے کہ ''ذہین لوگ جن کا شعور ترقی پذیر ہو''۔

یوں پاوسانیاس اہل ایتھنز کی طرف سے جواز پیش کرتا ہے جنہیں نوخیز مردوں نے مسحور کر لیا ہے۔اس سلسلے میں وہ روائتی ضابطوں سے پنجہ آزمائی پر اتر آتا ہے۔یونانیوں

کی اکثریت کے خیال میں مسیں بھیگنے والے لڑکے تمنا کے لئے مناسب مراکز ہیں ۔یہ دلیل دینا کہ وہ کج نہاد مذاق کا شخص ہے ۔اس لئے پاؤسانیاسؔ دو دیگر یونانی روایات کی جانب توجہ مبذول کراتا ہے :دانشورانہ گفتگو کی مسرت(جس کی صرف عمر رسیدہ نوجوانوں میں صلاحیت ہوتی ہے)اور دیرپا وفاداری۔لڑکوں کا عشق تو گریز پا ہوتا ہے ۔یورانیہ کی ایفروڈایٹؔ جو صرف جوان مردوں کو منتخب کرتی ۔ اس کے دعوی کے مطابق ’’اپنے ساتھیوں سے وفادار رہنے کے لئے آمادہ رہتے ہیں،اور اپنی پوری زندگی ان کے ساتھ گذار دیتے ہیں ۔ان کی غفلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ۔۔تا کہ دوسروں کے پاس فرار ہوجائیں‘‘۔ہمیں معلوم ہے کہ متعدد یونانیوں نے دونوں عورتوں اورلڑکوں سے رشتے استوار کیے تھے ۔مگر پاوسانیاسؔ نہایت واضح انداز میں ایک درجے کے مرد کی شناخت کراتا ہے ۔ایک قسم جو پوری طرح اپنی ہی جنس پر فدا رہتے ہیں ۔یہ قریب قریب فی زمانہ’’ہم جنس پرستی‘‘ کے تصور سے مطابقت رکھتا ہے ۔یہ ہم جنس پرستی کے خیال کو ذہن نشین کرنا ہے ۔حالانکہ کسی بھی طرح یونانی اندازفکر کے مرکز سے اس کا تعلق نہیں ہے جیسا کہ ہمارے اندازنظر سے لیکن اسے افلاطونؔ اوراس کے ہم عصروں نے یقیناً سمجھ لیا تھا۔

قدیم یونانی احساسات نے مردانہ عشق کی بدرجہ اتم قبولیت بخش دی تھی ۔لیکن اس سوال پر کہ ایسا عشق صرف جسمانی ہو پر خیالات منقسم تھے ۔ پاوسانیاسؔ ایک درمیانی راستہ نکال لیتا ہے ۔لڑکے چاہیں تو اپنی رعایتں مردوں پر ارزاں کر دیں مگر چند شرائط کے ساتھ۔ایلس اور بویوشیا میں مردوں کے تعلقات قانون کے تحت اچھی طرح سے تسلیم کر لئے گئے ہیں اور جنسی تعلق معمولی بات تھی ۔ایونیاؔ میں مردانہ عشق کا کچلنا اس کی دانست میں استبدادی حکمرانوں کا ایک حربہ تھا۔پاوسانیاسؔ دونوں روایات کومسترد کر دیتا ہے پہلے کو یہ کہ کر کے کہ یہ نری اوباشی ہے اور دوسرا استبدادی ہے اس کے بجائے یہ دلیل دیتا ہے کہ کسی بھی معزز نوجوان کو اپنی عنایات کسی عمر رسیدہ مرد پر ارزاں کرنا چاہیے جو اس کا پختہ کار مشیر بھی ہوگا تا کہ وہ عقل و دانش اور خوبیوں کی تحصیل کر سکے۔

اریکسی میکسؔ اگلا مقرر ہے پر رعب اور دانشمندانہ مقاصد رکھنے ولا فرد ہے۔اس کے بعد ارسٹوفینزؔ جو اس کے بعد آتا ہے وہ اتنا ہی پر تخیل اور اتنا انوکھا ہے جتنا کہ اریکسی میکسؔ

نثار ہے جو ہوشربا تمثیلی حکایت پیش کرتا ہے ۔دراصل وہ قیاس آرائیاں کرتا ہے کہ تمام انسان دہری ذات کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور ہر ایک کے دو چہرے ہوتے ہیں ، چار ہاتھ اور چار ٹانگیں ہوتی ہیں اور تیسری قسم ____ دہرے مرد، دہری عورتیں اور دونوں جنسوں کی دونوں صفات کے حامل ۔لیکن جب ان چوپایوں نے اس کے خلاف بغاوت کی تو زیوسؔ نے انہیں دو میں تقسیم کردیا ۔تس پر ان قطع شدہ آدھے دھڑوں نے نہایت گھبراہٹ میں یہ کوشش کی ایرسٹوفینزؔ کے گلے لگ کر دوبارہ جڑ کر ایک ہوجائیں ۔یہ بھی شبہ سے بالاتر ہے کہ اس کے پاس ہمارا جدید لغت نہ تھا۔لیکن اس کی تجنیس فی الواقع وہی بتاتی جسے ہم ان دنوں دگر جنسی (hetrosexual) تعلقات اور ہم جنسی تعلقات سے واقفیت حاصل کرنے کا عمل کہتے ہیں ۔لیکن دگر جنسی تعلقات کے خلاف جو تعصب ہے اس کا ذکر تذلیل آمیز، اس کے برعکس ہم جنس پرستوں کی خوب واہ واہ ہوتی ہے ۔

۔۔ایسے مرد جو تحتی جنس کے حامل گروہ سے تعلق رکھتے ہوں اور جنس کبھی مخنث (جو عورت اور مرد دونوں جنسوں کی صفات لے کر پیدا ہو) عورتوں کے عاشق ہوتے ہیں ۔شادی شدہ سے جماع کرنے کا ارتکاب کرنے والے مذکورہ لوگ ہی ہوتے ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ شادی شدہ عورت جب کسی غیر مرد سے ملوث ہو تو اسے مردوں کی ہوس ہوتی ہے ۔ایسی عورتیں جو تحتی جنس والی عورتیں ہوتی ہیں انہیں مردوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ وہ زنانہ رفیق رکھتی ہیں ۔زنانہ رفیقان (مراد سیفو ویت پسند)اس نوعیت کی ہوتی ہیں ۔لیکن وہ جو کسی مرد ذات کے تحتی جنس ہوتے ہیں اور جب وہ جوان ہوں اوراصل آدمی کا ٹکڑا ہوں تو انہیں مردوں سے تعلق ظاہر ہوتا ہے اور وہ گلے بھی لگا لیتے ہیں (یونانی فعل سے مراد جنسکاری ہوتی ہے)اور یہ سب بہترین لونڈے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان میں زیادہ تر مردانہ اوصاف ہوتے ہیں ۔

اس پیرا گراف سے مردانہ دادا گیری بدل کر لونڈے بازوں کی دادا گیری بن جائے گی ۔یہاں تک کہ یونانی روایت پسندی جدید قدامت پسندی کو الٹ کر رکھ دیتی ہے ۔ مردوں اور عورتوں میں مجامعت کو دیکھ کر ایرسٹوفینزؔ ہمیں بتاتا ہے کہ نسل کے تسلسل کے

واسطے اگر مردوں کے جوڑے تیار کیئے جائیں اور انہیں وصلہ کرنے کی اگر اجازت ہو تو ''اگر آدمی آدمی پر چڑھیں گے تو ممکن ہے وہ آسودگی تو پالیں اور آرام کرنے کے بعد کاروبار زندگی میں لگ جائیں'' اور اپنی اپنی راہ لیں ۔ پاوسانیاسؔ کی مانند وہ بھی مردوں کے جوڑوں کا ذکر کرتا ہے جو ''پوری زندگی ساتھ ساتھ رہتے ہیں''۔

اریسٹوفینزؔ کا اسطور ایک اخلاقی مسلمہ اصول کو بھی ڈانواں ڈول کر دیتا ہے ۔اریسٹو فینزؔ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ چند یونانی ایسے عشاق کو ''بے غیرت'' کہتے ہیں ۔لیکن ایسی تنقید محض اس میں مزید بڑھ کر مدافعت کی تحریک پیدا کرتی ہے ۔نہ صرف یہ کہ نیم مرد اچھے سیاستداں بنتے ہیں بلکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس کے دعوی کے مطابق عوامی زندگی میں ممتاز بن کر ابھرتے ہیں جس میں مبالغہ آرائی اگر چہ عیاں ہے جیسا کہ پیری کلزؔ کا معاملہ اشارہ کرتا ہے ۔ کیونکہ اریسٹوفینزؔ اپنے طربیوں میں سیاستدانوں پر اکثر و بیشتر حملے کرتا رہتا ہے ۔کینتھؔ ڈوور نے یہ قیاس کر لیا کہ لگتا ہے کہ اس نے ہو نہ ہو جذبات سے عاری ''چوٹ'' کی ہے ۔لیکن فیڈرسؔ پہلے ہی اس سے ملتا جلتا دعوی کرتا ہے کہ مرد عشاق شہروں کے بہترین ''صوبیدار'' ثابت ہوئے ہیں۔اور جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ تدبر کا مردانہ عشق سے تعلق خاطر کسی مخمصے کو جنم دینے کے بجائے پیش پا افتادہ بات ہے کہ اہل ایتھنز اپنے شہر کی تعریف سے کتنے مانوس ہیں۔

ارسٹوفینزؔ کے رومانی حاصل کلام سے ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ افلاطون کی روح اس کی زبان سے کلام کر رہی ہے۔

> ''جب وہ (نیم مرد یا دوہرے مرد) بلوغت کو پہنچتے ہیں تو وہ نوخیز لونڈوں کے عاشق بن جاتے ہیں اور مایل بہ فطرت انداز میں شادی کر کے بچوں کے خواہشمند نہیں ہوتے ____ اور اگر اس کی نوبت آ بھی جائے تو وہ صرف روایات کی پیروی میں ایسا کرتے ہیں ۔لیکن وہ اس پر قانع رہتے ہیں کہ اگر انہیں بن شادی کے ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی اجازت ہو۔۔۔اور جب ان میں سے کوئی اپنے دیگر نصف سے ملتا ہے۔۔۔تو جوڑا اپنی محبت کے سحر میں گم ہو جاتا ہے ۔یوں دوستی اور گہری شناسائی اور یہ عہد کہ ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگا۔یہ مجھے

کہنے دیں کہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی پوری زندگی ساتھ گذارتے ہیں اوراس کے باوجود وہ اس سے قاصر رہتے ہیں کہ بتائیں کہ وہ ایک دوسرے سے کیا چاہتے ہیں ۔ وہ جو ایک دوسرے پر مرتے ہیں اور ایک دوسرے سے نسبت رکھتے ہیں۔ یہ نہیں لگتا کہ وہ جو ایک دوسرے کی گانڑ مارنے کی تمنا رکھتے ہوں ، ہوسکتا ہے یہ کوئی دوسری شے ہو جس میں ارواح ۔۔۔کو بے نام سا تاریک دھڑکا لگا رہتا ہے ۔۔۔جس کا سبب یہ ہے کہ انسانی فطرت یوم ہبوط سے ایک ہے اور ہم ہمیشہ سے ہی ایک کل تھے۔اس کی تمنا کرنا اور اس کل کے حصول کی تگ و دو عشق کہلاتا ہے ۔

لیکن ایسے جوڑوں کو جو تاحیات بندھن کو تشکیل دیتے ہوں کیا ایسے تمدن میں نمایاں کیا جاسکتا ہے جس کے سماجی ضوابط اکثر و بیشتر اغلام بازی پر قائم ہوں ۔ جواب غالبًا یہی ہوگا یعنی ہاں بالخصوص افلاطونی اکیڈمی میں ۔ افلاطونؔ کی موت کے بعد اس اسکول کی سربراہی اس کے بھتیجے سپوسی پسؔ کو منتقل ہوئی پھر اس کے بعد جب زینوکریٹسؔ تخت نشین ہوا تو یہ کوئی ایک صدی (۳۳۹ سے ۲۴۰ ق م) تک ایک عاشق سے دوسرے عاشق کو ملتی رہی ۔ڈیوجانس لارٹیئسؔ (جس نے زندگیاں اور نظریات ممتاز فلسفیوں کے کوئی ۲۲۰ ق م میں تحریر کیئے)ہمیں بتاتا ہے کہ نوعمر پولیموؔ دھڑلے سے زینوکریٹس کی کلاس میں مدہوش حالت میں در آتا ہے ۔ اس کے سر پر ایک مکٹ ہوتا ہے زینوکریٹسؔ اس بات کو خاطر میں لائے بغیر کھانے پینے میں اعتدال کے مضمون پر اپنا لیکچر جاری رکھتا ہے ۔ پولیموؔ مسحور کرتا ہے ٹھہرتا ہے اور زینوکریٹسؔ کا پہلے شاگرد بنا تھا ۔ پھر اس کا لونڈا بنتا ہے اور آخر میں ایک استاد جس کی وجہ شہرت اس کا پرتمکنت تقوی ہے ۔

پولیموؔ نے بعد ازاں کریٹسؔ کو اپنا لونڈا بنایا جس پر وہ اتنا فریفتہ ہوا کہ دونوں ساتھ رہنے لگے اور ’’ نہ صرف ان کے زندگی میں یکساں مشاغل ہوگئے بلکہ انہوں نے عہد کیا کہ مرنے کے بعد ایک ہی مقبرے میں دفن کیا جائے ۔‘‘ لارٹیسؔ ان کے کتبے کے لیے لکھتا ہے ’’گذرنے والے اجنبی کہو کہ یہاں اس مقبرے میں مثل دیوتا کریٹسؔ اور پولیمو استراحت فرما رہے ہیں ۔ ایسے اشخاص جو ہم آہنگی میں بڑے فیاض ہیں جن کے ہونٹوں

سے غیب کی آواز آتی ہے اور مطہر تقاریر رواں ہوتی ہیں۔اور جن کی پاک زندگی جو دانش اور ثابت قدم اصولوں سے عبارت ہے اور ان کا یہاں قیام منور لافانیت کے سائے میں ہے۔'' پولیمو اور کریٹس کھانا ساتھ کھاتے اور وہاں مقیم دیگر فلسفی جوڑوں کو بھی شریک کر لیتے۔کرانٹر اور ذکی آرسیس لیس جن کے ناقدانہ اور چھان بین کرنے والے ذہنوں نے اکیڈمی میں نئی توانائی بھر دی۔سمپوزیم کا اختتام کرتے ہوئے افلاطون ان باتوں کے ابلاغ کے لئے جو ہم فرض کرتے ہیں کہ اس نے اپنے نظریات عشق بیان کیے ہیں ان کے لیے دراصل اس نے سقراط کی ذات استعمال کی ہے۔ یہ ایسا خیال ہے جسے خاموشی مسترد کر دیتی ہے کہ ''ملا جلا'' عشق جس کی پاوسانیاس نے حمایت کی تھی۔ جب کوئی متحمل مزاج آدمی کسی جوان میں خوبصورتی پاتا تو کوشش کرتا ہے کہ اسے تعلیم دی جائے یہ ایک دانشورانہ شادی ہوتی ہے جسے سقراط کے اعلان کے مطابق کسی عورت اور مرد کے درمیان ہونے والے بندھن سے زیادہ بے تکلفانہ ہوتی ہے۔لیکن سقراط کی دانست میں مثالی بات تو یہ ہوگی کہ مرد اپنی توجہ خوبصورت لڑکوں کی طرف لگانے کے بجائے ایسے حسن پر مرکوز کریں جو مجرد اور عمومی ہوتا ہے۔انہیں ایک فرد سے گہرے عشق سے منہ پھیر کر ہر وضع کی خوبصورت چیزوں پر نظر ڈالنا چاہیے اور آخر میں مجرد عشق پر مائل ہو جو سیاسی اداروں کے حسن پر محمول ہو۔سو قدم بہ قدم خوبصورت لڑکوں اور نوجوانوں کے عشق کا انجام بڑھ کر الوہی حسن میں ڈھل جاتا ہے جو مادی دنیا کی پرفریب کشش سے عاری ہوتا ہے اور ان منازل سے گذرتا ہوا ایک لونڈے بازگیان دھیان والا صوفی اور سماجی فلسفی کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔

اپنی تمام ذکاوت والی کشش کے باوجود سقراط کے دلائل بالآخر قدرے کشیدہ سے لگتے ہیں۔اس کے آغاز پر مڑ کر دیکھنے سے آپ حیران ہو جاتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ سماجی ضابطے یا پھر آئین کی توصیف دانشورانہ پسندیدگی کی روادار ہو جائے اور ان محسوسات کے لئے جن کی سقراط قدر کرتا تھا مثلاً چارمائڈز کے لئے۔اس کے دلائل کو سمجھنے اور اس کے نکتے کو قائم کرنے کے واسطے کہ جنسی ترغیب کو ایک عقلمند اور معتدل مزاج شخص مغلوب کر سکتا ہے۔افلاطون ایک ڈرامائی انداز سے اسے ختم کرتا ہے۔پارٹی میں ایک نووارد جوان جو وجیہہ الکی بایدیس ہے اس کی زبان شراب کے زیر اثر رواں ہے۔ ماجرا

بیان کرتا ہے کہ سقراط نے کس طرح گمراہ کرنے والی تجویز کی مزاحمت کی جس نے نوجوانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا اور انہیں اس کی کشش نا قابل مزاحمت لگی۔

فیڈرس اور قوانین:

دوسرے مکالمے میں فیڈرس افلاطونی نظریات عشق پر نپے تلے انداز میں سقراط کے خیالات پیش کرتا ہے جن کا ایک مختصر خاکہ سمپوزیم میں کھینچا گیا تھا جو شہوانیات کی نفسیات ہے۔ان اوراق کو نہایت واضح انداز میں ہم جنس پرستی کی خیزش کو بیان کرنے کے لئے وقف کر دیا گیا ہے۔یہاں یونانی نثر نگاری عظیم شعری بلندیوں کو چھونے لگتی ہے۔ ایک مرتبہ پھر فیڈرس سادہ لوح جوشیلا فرد لگتا ہے۔جب وہ لایسی یاس کی تقریر کی مداحی کرتا ہے جس میں اس دلیل پر زور دیا جاتا ہے کہ کسی بھی امرد کو چاہنے والے عاشق کے بجائے ایک نہ چاہنے والے شخص کو جنسکاری کے لیے ترجیح دینا چاہیے۔کیونکہ جب ان کے تعلقات ختم ہو جائیں گے تو زیادہ امکان یہ ہے کہ غیر عاشق پھر بھی ایک دوست رہے گا۔ فیڈرس اس وقت بہت خوش ہوتا ہے جب وہ لایسی یاس کو مخمصوں میں الجھا پاتا ہے۔لیکن سقراط طنزاً اس تقریر کی تعریف کرتا ہے۔پھر اس کے طرز استدلال پر نظر ثانی کرتا ہے اور مال کار اس کی مذمت کرتا ہے اور اسے نظریات کی بے حرمتی کہتا ہے اور اسے پورے مقدس تصور عشق کے خلاف جانتا ہے۔

سقراط کی نظر میں عشق خدا ہے اور جو احساس عشق پیدا کرتا ہے وہ کوئی عمومی دیوانہ پن نہیں ہے (جیسا کہ لایسی یاس کا دعوی ہے) بلکہ یہ ایک وہبی دیوانگی ہے جسے ہم کو عزیز رکھنا چاہیے۔ دیگر نظریات مثلاً عدل اور معتدل مزاجی کا وجود بے ہیت اور بے رنگ ہوتا ہے۔ دائمی حقائق میں صرف حسن فوری فریب سے منور کرنے کی صلاحیت کا حامل ہوتا ہے۔اگرچہ اوباش لوگ محض حسن کے آرزومند ہوتے ہیں۔لیکن سچا متلاشی اس کی مثل خدا تصویر سے خورسند ہو جائے گا۔محض اس بات پر مطمئن ہو جانا کہ اس امرد کا نظارہ ہو گیا جو اس کی تجسیم ہے۔تو وہ پر ہوس جذبات پر غلبہ پالے گا اور اپنے معشوق کی دانش اور تمکنت

کی جانب رہنمائی کرے گا۔سو اس طرح سقراط پاؤسانیاس کے تدریسی ایروز کو اپنے مصرف میں لے آتا ہے مگر جسمانی تعلق کو غیر قانونی قرار دے دیتا ہے۔

افلاطون کی نظر میں مثالی حیثیت پوری طرح جنسی ہے۔ایک اسپارٹا کا باشندہ نظم وضبط کا شیدائی ہوگا مگر نہ تو آزادی نہ ہی بے ساختگی کا وہ دلدادہ ہے۔افلاطون کی نگاہ میں مسرت اور بالخصوص جنسی مسرت کی مزاحمت کرنا عظیم بدی ہے۔طغیان شہوت کا تجربہ اس کی نظر میں سب سے بڑی سبکی ہے۔کیونکہ ان لمحات میں عقل و دانش بے لگام ہو جاتی ہے اور شوق بالا دست۔اپنے نکتے کی وضاحت کی خاطر افلاطون،سقراط کی آواز میں وہ مشہور دیومالائی روح کو متعارف کراتا ہے جو ایسا رتھ بان ہے جو ایک کالے اور ایک سفید گھوڑے کو ہانک رہا ہے۔سیاہ گھوڑا جنسکاری کی علامت ہے، بدصورت اور بد ہیبت ہے۔رتھ بان کو چاہیے کہ ہر قیمت پر اسے زیر کرنے کے لئے گھوڑے کو لگام دے اور منہ بند کرے ''تا کہ منہ زوری خراب زبان اور جبڑے جو خون میں ڈوبے ہوتے ہیں۔''

سقراط لونڈے کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اس عاشق کو مثبت جواب دیں جوان سے عزت سے پیش آئے۔کیونکہ''عاشق کا خلوص'' ایسی شے ہے''جو دیگر دوستوں اور رشتہ داروں سے بیش قیمت ہے۔''اس کے جواب میں''لونڈا آرزو کرے گا تا کہ جواب میں اسے چاہا جائے'' عاشق کی طرح نسبتاً کم شدت سے برغل چاہتا ہے''اس سے ملے اسے چھوئے، چومے، اس سے بغل گیر ہو (مل کر لیٹے) اور غالباً اس کے بعد جلد ہی اس کی آرزو پوری ہو جائے گی۔''لیکن افلاطون کے خیال میں اظہار الفت کی ہر ادا جائز ہے بجز انزال منی کے۔اس کے باوجود فیڈرس کے اختتام پر سقراط پوری طرح ان مردوں کو مایوس نہیں کرتا جو لطف اندوز ہو چکے ہیں''جو ان کے دلوں میں مچل رہی تھی اور جو بہتوں کے لئے ایک نعمت ہے'' وہ بال و پر جو بالآخر عشاق کو جنت میں لے جائیں گے وہ تیزی سے نہ اگیں گے۔ لیکن دیوانگی عشق کی برکتیں مال کار عالم موجود کی تاریکی سے بچ نکلیں گی۔

اس فصاحت کی روانی کے متعلق سوچنے سے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ چند مصنفین نے جس جوش وخروش سے مردوں کے مابین عشق پر لکھا ہے یا اس مد و جزر میں شہوت انگیز مہیج کا پرشکوہ انداز میں سراغ لگایا ہے۔اس سے کم نے پھر بھی اس میں سر کھپایا تا کہ

ناآسودگی کو فریب دیا جا سکے۔کلیسا کے فادرز نے جو عموماً افلاطون کو ناپسندیدگی سے دیکھتے چلے آرہے ہیں وجہ اس کی ہم جنس پرستی کی ذکی الحسی تھی۔انہیں کم ازکم اس کی آخری حس کو سراہنا چاہیے۔

افلاطون اسی سال کی عمر میں ۳۴۸ ق م میں اس وقت مرا جب وہ اپنا آخری مقالہ قوانین (The laws) صاف کر رہا تھا۔اس کی تصنیف جمہوریہ (Republic) نے یہ خاکہ کشی کی کہ ایک مثالی کمیونسٹ یوٹوپیا قائم ہوسکتی ہے جس پر فلسفی بادشاہوں کی حکومت ہو۔کتاب قانون میں ایک ایتھنز کا شہری ایک اسپارٹا کا باسی اور تیسرا کریٹا کا شہری اس موضوع پر گفتگو کرتے ہیں کسی شہر کو کریٹا کا شہری یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ وہ اس کی بنا ڈالے گا جو اگرچہ یوٹوپیا سے کمتر ہوگا مگر یہ خیال قابل تعبیر ہے۔یہ فی الواقع ایک نیم مستبد دولت مشترکہ کا جو اسپارٹا کے منصوبے کا حصہ ہے جس میں شدید مذہبی خالص پسندی واضح ہے۔یہاں کسی بھی نوعیت کے خیال کی آزادی نہ ہوگی اور نہ ہی اظہار رائے کی ____ اور کڑے سنسر شپ کے ذریعے ادب فن اور سائنس پر گرفت رکھی جائے گی۔چونکہ انسان فطرتاً فوضیت پسند (نراجی) ہوتے ہیں۔افلاطون چاہتا ہے کہ کوئی مذہب بھی اختیار کیا جائے جس سے ماورائے نیچر ایسے ضوابط نافذ کردیے جائیں جو اخلاقیات پر حدود متعین کریں علاوہ ازیں ریاست کی اطاعت کو اچھی طرح جاں گزیں کردیا جائے۔جو سقراط کے انجام کو فراموش کردے یا بے التفاتی ظاہر کرے، اس کی تجویز کے مطابق اگر کوئی اس عقیدے کے متعلق سوال اٹھائے تو اسے قید و بند میں رکھا جائے اور سرکشی جاری رکھے تو قتل کردیا جائے۔اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں جب ایک ناقد نے قوانین کے متعلق یہ کہا ''یہ دیباچے یا توضیحات مستقبل میں بے دینی کے خلاف دارو گیر کا پیش خیمہ ہوں گی۔''

کسی بھی مقام پر بڑھتی ہوئی عدم رواداری اتنی واضح نہیں ہے جتنا کہ اس وقت نظر آتی ہے جب افلاطون ہم جنس پرستی پر اظہار خیال کرتا ہے۔'قوانین' میں افلاطون ہر غیر تخلیقی جنسی رویے کی مذمت کرتا ہے۔وہ اسپارٹا اور کریٹ کی اس لئے مدح و ثنا کرتا ہے کیونکہ ڈوریا کی سماجی زندگی کی روایات ان احکام اور اطاعت پر ہر فرد کو مجبور کرتی ہیں جن کا وہ مداح ہے۔لیکن وہ اس کا بھی شاکی ہے کہ ایک معاملے میں دونوں ریاستیں ناکام

رہیں ــــــــ وہ اپنے مردوں کے مابین جنسی رشتوں کے قائم ہونے کا مسئلہ ہے۔وہ ایتھنز والا (جنہیں عموماً افلاطون کے ترجمان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا) اسپارٹا کے قوانین پر حملہ کرتا ہے جو ہمت افزائی کی حد تک ایجابی تھے اور اہل کریٹ کو مورد الزام ٹھہراتا کہ انہوں نے گینی میڈ کا افسانہ گڑھ لیا ہے تاکہ اپنی سرگرمیوں کو برحق قرار دیا جائے۔ اپنے مجوزہ نئے شہر میں افلاطون یہ چاہتا ہے کہ ایسے کاموں کو یکسر نیست و نابود کردیا جائے۔

افلاطون اپنی سخت گیری کی مدافعت کرتا ہے اور ان بنیادوں پر کہ مردوں کے درمیان رشتے ''غیر فطری'' ہوتے ہیں۔ہم حق بجانب ہیں جو یہ پوچھیں کہ اس کی اس سے کیا مراد ہے جب وہ اس سیاق میں ایک پھسلواں اور مبہم لفظ استعمال کرتا ہے۔ بات عیاں ہے کہ اس کی دانست میں یہ رویہ شاذ و نادر دیکھنے میں آتا ہے اور انسانون کے درمیان میں عام نہیں ہے بلاشبہ اسے یہ تسلیم ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بالعموم اخلاقیات کے خدائی فوجدار جو چند اقسام کے جنسی مشاغل کی ملامت کرتے ہیں اور غیر فطری کہتے ہیں (مثلاً بطور مثال، مشت زنی ، اندام نہانی میں نہ جھڑنا یا پھر مانع حمل اشیا کا استعمال)اپنی مذمت کی بنیاد امر ربی کی غایت میں رکاوٹ ڈالنے کے مفروضے پر ہوتی ہے۔یعنی کہ جنسی سرگرمیوں کا ایک مقصد ہوتا ہے جس کا نام ہے تخلیق نسل۔افلاطون فی الحقیقت اس بات پر شدید معترض ہے اغلام بازی کے تعلقات غیر زرخیر ہیں۔ بلا ذکر کئے گئے دیگر مقاصد کو مسترد کر دیا گیا جس میں راز و نیاز یک جائی اور مسرت شامل ہیں۔

افلاطون ایک اور دلیل پیش کرتا ہے جو ممکن ہے اس اصطلاح کو حق بجانب ثابت کردے۔اس کا دعوی ہے کہ جانوروں کی دنیا میں ہم جنس پرستی کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جو ہم جانتے ہیں کہ ان دنوں غلط ثابت ہو چکا ہے۔حتمی طور پر افلاطون اس عقیدے پر حملہ آور ہوتا جو یونانیوں میں بہت مقبول تھا کہ ایک ہی جنس کا بندھن فوجی شجاعت میں اضافہ کرتا ہے۔یہ شکایت کرتا ہے کہ برغل ساتھی خود مردانہ پن سے اتنا فاصلہ پیدا کر لینے کے بعد ایسے زنانہ اوصاف اختیار کر لیتا ہے جو کسی جنگجو کے لئے نامناسب ہوتے ہیں۔جبکہ فاعل ساتھی یہ ظاہر کرنے سے قاصر رہتا ہے اور مسرت کے متعلق اظہار نفرت نہیں کرتا۔اس کی نگاہ میں جری آدمی کو فولاد صفت اور مسرت سے لاتعلق رہنا چاہیے

۔اگر وہ مسرت کے لئے اظہار حقارت کرنے سے قاصر ہو تو بالا دست ساتھی جیسے زیر ہو گیا ہو اور جسے افلاطوؔن ''زنانہ پن'' یا بزدلی کی ترغیب کہتا ہے۔ افلاطون میں چھپا ایتھنز کا شہری بلا تکلف یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ اس کا مجوزہ قانون کس بری طرح مقبول یونانی اندازِ فکر کو مجروح کرے گا۔ یقیناً جوانوں کا طبقہ ہو کا کرے گا اور اس کی مساعی جو اغلام بازی کے خلاف ہیں ان کو بے تکی اور ناممکن العمل لگیں گی۔ لیکن افلاطون یہ دلیل بھی دیتا ہے کہ چند نامور اولمپک میں شرکت کرنے والے ایسے کھلاڑی بھی ہیں جن کی وجہ شہرت یہ ہے کہ وہ تربیت کے زمانے میں مردوں اور عورتوں سے اجتناب کرتے رہے۔ اگر ایسے زورآور اور صحت مند مگر غیر تعلیم یافتہ لوگ یہ کارنامہ انجام دے سکتے ہیں تو اس کے خیال میں اوسط درجے کا یونانی ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔ اس سب کے باوجود افلاطون بلا تکلف ان دشواریوں کو تسلیم کر لیتا ہے جو یونانیوں کو مردوں کے مابین پیدا ہونے والے تعلقات کو ممنوع کرنے میں پیش آئیں گی۔ یونانی سماج کو کس طرح ترغیب دے جا سکے گی کہ وہ پلٹ جائے اور ایسی مستحکم روایت سے واسطہ نہ رکھے۔ افلاطوؔن کا پیش کردہ حل ایک اساسی عمل ہوا اور مافوقی طور پر پیمبرانہ راہ اختیار کر گیا جس پر یورپی مسیحیت نے بعد ازاں چلنا شروع کر دیا۔ ہم جنس پرستی کو کچلنے کی غرض سے قانون سازوں پر لازم تھا کہ وہ ایک حکماً نئی مذہبی حرام شے ایجاد کرتے۔ یہ حرام شے جو ہر اوسط درجے کے آدمی میں ایک ہیبت پیدا کر دے جو اس ہیبت سے ملتی جلتی ہو جیسی وہ تزویج محرمات میں محسوس کرتا ہے، اس کام پر ایک فیتہ چسپاں کیا جائے (بالکل تزویج محرمات جیسا) یعنی ''حرام'' اور جس سے ''خدا متنفر ہے''۔ صرف اس قسم کا کوئی انتہائی حربہ فرد کو دہشت زدہ کر کے اس کو تقوی پر لگا دے گا اور اسے اس پر آمادہ کر لے گا کہ وہ نئی قانون سازی کی حمایت کرے۔

چند قاریوں نے تو ''قوانین'' کے متعلق مجھے متنبہ کیا تھا____ جس نظم و ضبط کی افلاطوؔن وکالت کرتا ہے اس کے تحت تمام شہریوں کو ایسے سخت معائنے کا پابند ہونا پڑے گا جو صرف فوجی بیرکوں میں دیکھنے میں آتا ہے۔ لبرل لوگوں نے اس کی مثالی ریاست میں قیاس لگا لیا جس میں عہد وسطی کا یورپ بلکہ بیسویں صدی کی فسطائیت بھی نظر آتی تھی۔ نہ صرف دور حاضر کے قدامت پسندوں نے اس کی یوٹوپیا میں پناہ لی بلکہ اس کا خیال رکھا کہ

اس کی ''جمہوریہ'' میں سے اشیا اور بیویوں کے ساجھیانے کے اصرار کو کس آسانی سے حذف کر دیا۔لیکن اس میں بند سماج کا تصور رکھا گیا تھا جس میں غیر ملکی تجارت ۔اور دساور سے تجارت کی ممانعت تھی۔

یہ اپنے شہریوں پر قدغن عائد کرتی ہے کہ وہ نہ تو کسی کاروبار میں شریک ہوں، سخت شرائط کے ساتھ دولت کی تحدید کرتی ہے اور روپیہ بنانے کی سخت مذمت کرنے کے ساتھ اسے عوامی اور انفرادی خوبیوں کے لئے ضرر رساں جانتی ہے۔ جدید دنیا سے بالکل بے خبر اس کی دروں بین ریاست سے اغماض کرتے ہوئے تجارت کی تحقیر کرتے یوں اس میں وہ تمام خوبیاں ملیں گی جو عہد وسطی کے جاپان میں تھیں ۔ جہاں سمورائے جنگجو اہل سپارٹا کے طرز پر زندگی بسر کرتے ۔انہوں نے خود کو غیر ملکی اثر ونفوذ سے بچانے کی غرض سے خود کو سیل بند کر لیا تھا اور تجارت اور کاروبار کو حقارت سے دیکھتے لیکن تاریخ کے ایک مذاق کی وجہ سے جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے یہ نادر الوجود سماج جو اس سماج سے ملتا جلتا جس کی نقشہ کشی افلاطون نے کی تھی اس میں ناکام رہا جب جنسی احتیاط اور سادگی نافذ کرنے کی باری آئی۔

زینوفون:

سقراط کا ایک اور شاگرد تھا زینوفون ،اس نے بھی ایک سمپوزیم لکھا ۔ جو افلاطون والے سے کم مشہور رہا۔ جو اگرچہ جگمگ میں کم تھا لیکن سقراط کے عشق کے بابت نظریات کی حد تک تابانی رکھتا ہے ۔زینوفون کوئی پیشہ ور فلسفی نہ تھا بلکہ پہلے ایک سپاہی تھا جو بعد میں دیہات میں طبقہ شرفا میں شمار ہوا۔تیس برس کی عمر میں اس نے سائرس کی مہم میں حصہ لیا جو اپنے بھائی کی حکومت کا تختہ الٹنے میں کوشاں تھا جو ایران کا بادشاہ تھا۔اس کے ''موت کے منہ سے'' بچ نکلنے کے بعد اس نے کسی طرح دس ہزار یونانی فوج کو محفوظ مقام تک پہنچایا اور کتنی صعوبتیں برداشت کیں یہ سب سائرس کی شکست اور موت کے بعد ہوا۔ اس کے بعد اس کی اسپارٹا سے ہمدردیوں اور اسپارٹا کے بادشاہ اجیسی لاس کے دربار میں

خدمات کی وجہ سے اسے ایتھنز بدری کا منہ دیکھنا پڑا اور بیس برس تک کسی اسپارٹائی موضع پر ریٹائرمنٹ کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ وہاں رہتے ہوئے اس نے عملی معاملات پر خیالات قلم بند کیے جن میں شہسواری اور بڑی جائیداد کے انتظامی معاملات اور اپنی یادداشتیں مرتب کیں جو سقراط کے متعلق تھیں بنام میمورابیلیا۔

اپنی ترتیب و پیش کش میں زینوفونؔ کی سمپوزیم افلاطونؔ کے طرز پر تھی۔ جسے دوستوں نے کسی تقریب میں جمع کیا تھا جسے کالیاسؔ نے وجیہ آٹولائی کسؔ کے اعزاز میں ترتیب دی تھی۔ جسے حال ہی میں پاناتھی نایک کھیلوں میں ایک زبردست کامیابی ملی تھی۔ ایک مرتبہ پھر ہم مردانہ حسن کی طاقت کا مشاہدہ کرتے ہیں جو عشق پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

۔۔کوئی بھی شخص جو واقعات کے ظہور پذیر ہونے کا حال قلم بند کرتا ہے (ضیافت کے دوران) تو اسے فوراً اندازہ ہوجاتا ہے کہ حسن اپنی روح میں ایک شاہانہ شئے ہے بالخصوص اس وقت جب جیسا کہ موجودہ معاملے میں آٹو لائی کسؔ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا حامل اپنے اندر انکسار اور متانت بھی رکھتا ہے کیونکہ پہلے تو یہ ہوتا ہے بالکل ٹھیک اسی طرح جب ناگاہ رات میں ایک روشنی چمکنے لگے اور وہ سب نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہے۔ سو اس لئے آٹولائی کسؔ کا حسن ہر شخص کو مجبور کررہا ہے کہ اس پر نظر ڈالے۔ اور پھر وہاں پر کوئی ایک متنفس نہ تھا جس نے اپنی روح میں کوئی طاقتور تلاطم نہ محسوس کیا ہو جو اس لڑکے نے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک تو پہلے کے مقابلے میں پرسکون ہیں اور دیگر تو لگتا ہے ایک تصویر بن چکے ہیں۔۔۔ وہ جو عشق صادق سے معمور ہیں تو (ایروز) نے ان پر نظر کرم ڈالی ہے۔ انہوں نے اپنی آوازیں دھیمی کرلی ہیں تاکہ مزید شائستہ ہوجائیں اور یوں معلوم ہو جیسے نہایت ارفع شرافت کے نمونہ ہوں۔ کالیاسؔ کا طرز نشست و برخواست اس وقت عشق کے زیر اثر لگتا تھا۔

سقراطؔ یہ اعلان کرتا ہے کہ یہاں موجود تمام مرد ایک دوسرے کے عاشق ہیں۔ اس کے مشاہدے میں کیتھولک رواداری موجود ہے اور ایسا اس وقت بھی ہوتا ہے جب آدمی عورت کے عشق میں مبتلا ہو____ یعنی بیوی سے بھی! مال کار وہ اپنے خیالات بڑی تفصیل

سے ان کے سامنے پیش کرتا ہے اور دلائل میں اس پر زور دیتا ہے کہ پاک اور طاہر روحانی عشق ہر شے پر بھاری ہوتا ہے چونکہ اس کا انحصار کسی جسمانی بالیدگی پر نہیں ہوتا یوں وہ ضعیفی تک ساتھ دیتا ہے اور چونکہ یہ معشوق کی عزت کا ضامن ہوتا ہے اس لئے قرین غالب یہ ہے کہ اسے اس کا صلہ بھی ملے۔اس کے برعکس دبری محبت میں لڑکا ملکیت میں ڈھل جاتا ہے اور اس لئے عشق کو پوشیدہ رہنا چاہیے کہ کہیں لڑکے کے رشتوں پر حرف نہ آئے۔اس کے علاوہ وہ سوچتا ہے کہ لونڈا کبھی بھی چڑھی لینے میں اتنا لطف اندوز نہیں ہوسکتا جتنا کہ عورت کو مزا آتا ہے نتیجتاً وہ عاشق کی وارفتگی کو سرد حقارت سے دیکھتا ہے۔

ان پابندیوں سے جو یونانی روایت نافذ کرتی ہے سقراط نے اپنی پوری چرب زبانی استعمال کر کے ہم جنس پرستی کی دیو مالا اور روایتی قصوں میں شہوانیت کو خارج کرنے کی نظری کوشش کی۔اس کی دلیل کے مطابق دیوتا زیوس گینی میڈ پر محض اس کی ذہنی صفات کی وجہ سے فریفتہ ہوا تھا اور یہ بھی کہ ہومر نے پیٹروکلس کو ایک ایسی ذات سمجھ کر تصویر کشی نہیں کی تھی جو آچیلز کے جنون کا مرکز تھا بلکہ بطور رفیق کے۔افلاطون کے سمپوزیم کی طرف آپ کو لاتے ہوئے سقراط یہ بھی کرتا ہے کہ فیڈرس کے دلائل کا جواب دیتا ہے کہ ہم جنس پرستی فوجی جذبات میں زور پیدا کرتی ہے۔وہ تسلیم کرتا ہے کہ اہل ایلنز اور تھیبانز ممکن ہے اس رویئے کی ہمت افزائی کرتے ہوں مگر اس بات کی تردید کرتا ہے کہ اس میں اہل ایتھنز ملوث ہیں۔یہ بھی دعوی کرتا ہے کہ اسپارٹا میں مردوں کا عشق جنگجوؤں میں وجود رکھتا ہے جس میں شہوت کا ہلکا سا شائبہ بھی نہ ہوتا۔(ہم یہاں پر 'قوانین' سے عدم اتفاق پاتے ہیں) ہر صورت میں روحانی اور فکری اوصاف ہر شئے پر غالب ہوتے ہیں؛ جسم اور اس کی احتیاجات کو سختی سے کچل دیا جانا چاہیے۔

مکالمہ بڑے حیران کن انداز میں ختم ہوتا ہے۔ایک لڑکے اور لڑکی کا محض لذت سے ڈاینی سس کا آریاڈنے سے عشق میں ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جانے پر بیتاب مہمان اپنے معشوقوں کو خدا حافظ کہتے ہیں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر گھر پر بیویوں کے پہلو میں پہنچ جاتے ہیں۔ان نتائج سے زینوفون، شیکسپیئر کے لئے سونٹ ۲۰ کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔اسی مقام پر اپنے نوجوان دوست کی رعنائی سے مسحور ہو کر شیکسپیئر اسی پراگندہ ذہنی والے حل کو

تجویز کرتا ہے اور اپنے عشق کو دو صنفوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔

(۱) قدرت نے چونکہ تجھے آلت سے نوازا ہے تا کہ عورتوں سے متمتع ہو۔ (۲) میری تو بنی ہے تیری محبت کے لئے اور اپنے عشق سے اس پونجی کو مصرف میں لا۔

زینوفونؔ کا عشق کے متعلق رویہ لگتا ہے بالکل اتنا ہی متشدد نہ تھا جتنا کہ سقراطؔ کا۔ جیسا کہ کلیفورڈ ہنڈ لےؔ نے حال ہی میں آشکار کیا ہے۔ اپنی تصنیف ''موت کے منہ سے بچ نکلنے'' میں جہاں زینوفونؔ خود سے واحد غائب کی طرح مخاطب ہوتا ہے تو وہ ایک عام سپاہی کی داستان کا ماجرا بیان کرتا ہے۔

کسی زمانہ میں کوئی ایپس تھینزؔ نامی شخص تھا جو اولنتھس کا رہنے والا تھا (یہ علاقہ شمالی یونان میں ایک نو آبادی تھی) جو بہت سے لڑکوں پر عاشق تھا اور جوں ہی اسکی نظر کسی خوبصورت امرد پر پڑتی اور جو رعنا جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے ولا ہوتا اور ہاتھ میں چھوٹی سی سپر لئے ہوتا اور لگتا جیسے وہ موت کو گلے لگانے والا ہے تو وہ دوڑا دوڑا زینوفونؔ کے پاس آتا اور التجا کرتا کہ اس حسین لڑکے کی جان بچائی جائے۔ بس یہ زینوفونؔ سیوتھزؔ (جو تھریسیا کا شہزادہ تھا) سے ملا اور گڑ گڑایا کہ وہ اس لڑکے کو قتل نہ کرے۔ اسے ایپس تھینزؔ کی ذہنی حالت کے متعلق بتلایا کہ اس نے کس طرح ایک مرتبہ ایک بٹالین فوج صف آرا کر لی جس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہ تھا الا یہ طے کرنے کے کہ ایک شخص کیا واقعی خوبصورت تھا۔ یہ بھی ہوا کہ اس نے مذکورہ بٹالین کی مدد سے خود کو جری شخص منوالیا۔ سیوتھزؔ نے اس پر پوچھا ''کیا تم اس پر آمادہ ہو اے ایپس تھینزؔ کہ اس لڑکے کے لئے جان دے سکو؟ اس پر ایپس تھینزؔ نے اپنی گردن بڑھائی اور بولا'' گردن اڑا دیں اگر لڑکا آپ سے فرمائش کرے اور میں اس کے لئے ممنون ہوں گا۔'' سیوتھزؔ نے اس پر لڑکے سے استفسار کیا کہ آیا اس کے عوض ایپس تھینز کی گردن اڑا دے۔ لڑکے نے منع کر دیا اور یہ بھی عاجزانہ اس سے کہا کہ دونوں ہی کو نہ قتل کیا جائے۔ جس پر ایپس تھینزؔ نے لڑکے کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال دیں اور بولا'' موقعہ تو اس کا ہے کہ اس لڑکے کے لئے وہ مجھ سے جنگ کرے کیوں کہ میں اس آسانی سے اس سے دستبردار نہ ہوں گا۔'' جس پر

سیوتھز قہقہہ مار کر ہنسا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔''

ایپس تھینز کا ناٹکی اشارہ____ جو قریب قریب شیکسپیئر یائی لگتا ہے____ ممکن ہے ہم اس پر مائل ہو جاتے اور پورے واقعے کو سرسری انداز میں بے مصرف کہہ دیتے جیسے یہ کوئی ادبی اختراع ہو اگر ایک عینی شاہد نے ازراہ کرم اس کا ذکر ایک سنجیدہ تاریخی کام میں نہ کر دیا ہوتا۔

زینوفون اپنی تصنیف 'اکانومسٹ' میں ایک اور مثال دیتا ہے کہ کس طرح یونانی عشق ان مردوں کو متاثر کرتا ہے جو تمدنی اشرافیہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ وہاں پر وہ یہ ذکر کرتا ہے کہ کوئی بھی ہوشیار مالک آراضی اس قسم کے کامکار کو اس لئے اپنے فارم پر ملازم رکھنے سے پہلوتہی کرتا ہے۔ وہ تین قسم کی چوکسی ہوتی ہیں۔ ایسا شخص جو شراب کا رسیا ہو یا سونے کی لت رکھتا ہو یا پھر ''جنسی تعشق'' رکھتا ہو۔ جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ آخرالذکر اپنے معاملات عشق کے شدید جذبات میں اتنا گم رہے گا کہ اس کے لئے کاروباری امور کی مناسب نگہداشت آسان نہ ہو گی۔ اس کے نزدیک ''یہ اس کے لئے کوئی آسان کام نہ ہو گا ۔۔۔ کہ وہ کوئی امید نو یا ایسا مشغلہ دریافت کرے جو اس کے لئے جاری مشغلے کے مقابلے میں یعنی معشوق کی ناز برداری کے مقابلے میں عزیز تر ہو۔۔ یا پھر وہ اپنے لئے ایسی بدترین سزا تجویز کر لے جو ان دنوں بہ وجہ ہجر وہ جھیل رہا ہے جس کا سبب جان آرزو کا فراق ہے۔'' چونکہ زینوفون عملی اور ٹھوس تجاویز دے رہا تھا جو جاگیر کے بندوبست کرنے کے متعلق تھی۔ اس لئے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ غلام طبقے کے چند مرد ہو نہ ہو اس راہ پر چلتے ہوں گے اور مویشیوں کے رکھوالوں کی خودسری ہو سکتا ہے کہ آقاؤں کے لئے ایک سنجیدہ مسئلہ رہا ہو۔

ارسطو کا قول:

ارسطو، افلاطون کا شاگرد جو اس کے ساتھ اکیڈمی میں بیس برس رہا۔ مگر دونوں کے مزاج متضاد تھے۔ افلاطون شاعر مزاج کا یوٹوپیا کے خواب دیکھتا۔ جبکہ ارسطو حقیقت پسند

سائنسدان اور سماجی مشاہدہ کرنے والا تھا۔ اسے ادب سے ازمنہ وسطی میں ''ان کا آقا پکارا جاتا جو جانتے ہیں''۔ ارسطو نے طبیعیات ، حیاتیات ، سیاسیات ، مابعد الطبیعیات اور اخلاقیات پر رسالے لکھے اور یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ اس کے علاوہ ایک مکالمہ یہ بھی لکھا یعنی ''عشق پر'' اور ''محبت کے نظریے'' پر بھی ۔ بدنصیبی کی بات یہ ہے آخری الذکر دونوں مقالے گم ہوگئے اور ہمارے پاس ایک ہی چارہ ہے کہ ہم اس کی متفرق تحریروں کو جوڑ کر اس کے افکار کے متعلق کوئی خیال قائم کریں۔ جس سے ایک کلبیت زدہ کو موقع مل جاتا ہے جو بہ تقاضائے احتیاط خود کو پراچینی یونان کے مقبول جوش وخروش سے فاصلے پر کر لیتا ہے۔

وہ آخر کیا کہتا ہے؟ 'کتاب سیاست'، میں ارسطو اہل کریٹ کی مساعی کو جو آبادی کے روکنے کے لئے اغلام بازی اختیار کرتے ہیں مگر اپنی رائے نہیں دیتا (حالانکہ ایسا کرنے کا وعدہ کرتا ہے) جس کا موضوع ایسے تعلقات کے حسن عمل سے ہے ۔وہ ان مستبد حکمرانوں کی فہرست پیش کرتا ہے جو جنسی بے اعتدالیوں کی پاداش میں قتل کئے گئے ان میں ایسے بھی ہیں جو اپنے لونڈوں کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اترے۔ مثال کے طور پر پیریانڈر جو امبراسیا کا رہنے والا تھا وہ اس لئے قتل ہوا'' کیونکہ جب وہ اپنے لونڈے کے ساتھ مے نوشی کر رہا تھا تو وہ پوچھ بیٹھا کہ میں نے تمہیں کہیں حاملہ تو نہیں کر دیا۔'' کسی مقام پر بھی ارسطو ایسا تاثر نہیں دیتا جس سے لگے کہ وہ افلاطون اور پلوٹارک کو مثالی شخصیت بنا رہا ہو۔ جبکہ دوسری جانب جب وہ مفعول بالغ کا ذکر نکوماچن ایتھکس (Nicomachin Ethics) میں کرتا ہے تو نہ تو ان میں تحقیر کی جھلک ہوتی ہے جو ان دنوں اریسٹوفینز کے ہاں پسندیدہ طرز تھا نہ ہی افلاطون کی طرح اخلاق کو مسلط کیا جا رہا تھا۔ بجائے اس کے وہ اہل طب پر ضرب لگاتا ہے جو انسانی رویے کے واسطے سائنسی جواز کا خواہاں ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ مردانہ مفعولیت ممکن ہے کسی زمانے میں بال اکھاڑنے یا پھر ناخن کترنے پر نہ محمول کر لی جائے جو مریضانہ میلانات ۔۔۔ ہیں جو بد عادات کی وجہ سے لگ جاتی ہیں'' جیسا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے'' جنہیں بچپن ہی میں جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہو'' دیگر معاملات لگتا ہے اس کا نتیجہ ہوں یعنی'' فطری رجحان''۔ ہمیں اس قسم کے لوگوں کو مورد الزام نہ ٹھہرانا چاہیے کیونکہ وہ مریضانہ میلان رکھتے ہیں۔ جو کسی صورت میں'' برائی کی

حدود میں نہیں آتے۔'' 'پرابلم' میں جو ایک ایسی تصنیف ہے جسے عموماً ارسطو سے منسوب کیا جاتا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسے بہت بعد میں تالیف کیا گیا۔ اس میں ہمیں ایک عضویاتی وضاحت سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو ہے جنسی مفعولیت۔ ایسے معاملات میں نامعلوم مصنف قیاس آرائی سے کام لیتا ہے یوں منی مڑ کر دبری علاقے میں داخل ہو جاتی ہے جس سے انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور افاقہ درکار ہوتا ہے۔

ایک مثال تو ایسی ہے جس میں ارسطو کی زن بیزاری اسے اس بات پر مائل کرتی ہے کہ مردانہ قسم کے تعلقات میں اسے خاص نوعیت کے فوائد سمجھ میں آجائیں۔ وہ سیاست میں یہ شکایت کرتا ہے کہ عورتیں جنگجویانہ ریاستوں میں بہت زیادہ بااختیار ہوگئی ہیں۔ کیونکہ وہ اکثر و بیشتر شہروں پر حکمرانی کرتی ہیں جبکہ ان کے شوہر عموماً مہموں پر نکلے ہوتے ہیں۔ اس کے خیال میں اسپارٹا میں کیا جانے والا بندوبست بالخصوص بڑی تباہی کا باعث بنا۔ وہ بطور خاص کہتا ہے کہ ایسا خطرہ کبھی سر نہیں اٹھاتا ''کولٹس میں یا اور کوئی بھی دوسرے لوگوں میں جنہوں نے مردوں کے درمیان جنسی تعلق کو کھلم کھلا وقعت دی''۔ اسے غیر حقیقی کہہ کر رد کر دیتا ہے جو افلاطون کے پارسا سپاہی کو مثال بنایا جاتا ہے۔ ارسطو جب ایریس کے اسطوری حکایت کو ایفروڈایٹ سے مربوط کرتا ہے تو اس کا مشیرانہ انداز میں کہنا ''چونکہ ہر قسم کے جنگجو ظاہر و باطن میں جنسی رشتے استوار کرنے کے جذبے سے مغلوب ہیں جن میں کبھی مردوں سے یا پھر عورتوں سے۔''

زینو اور رواقی:

یونان میں کلاسیکی عہد کے خاتمے پر سب سے زیادہ اثر و نفوذ کا مکتب افلاطون کی اکیڈمی یا ارسطو کا لائسیئم نہ تھا بلکہ سٹوآ یا ڈیوڑھی (Porch) تھی جسے زینو نے قائم کیا تھا۔ جو قبرص کا کاروباری شخص تھا مگر بدل کر فلسفی بن گیا اور جس نے ایتھنز میں ۳۰۱ ق م میں تعلیم دینا شروع کی۔ رواقیت کو اکثر تارک الدنیا فلسفہ سمجھ لیا جاتا ہے جس میں احساسات کو فرائض کے تابع کر دیا جائے اور مسرت کو بہ نظر حقارت دیکھا جائے۔ جبکہ اس کے برعکس

نظریے کو گہری مقبولیت یہ سمجھ کر ملی ہے جسے اہپی غوریت کہا جاتا ہے۔ نتیجے میں اکثر نہ جانے کیوں یہ فکری مغالطہ پیدا ہوگیا کہ رواقی جنس کے متعلق منفی خیالات رکھتے ہیں لیکن یہ سچ نہ تھا۔اس میں ایک مقام پر رواقیت جو خالصاً یونانی تھی اور بعد ازاں روم سلطنت کے فروغ دینے والوں میں ایک زبردست انفراج آیا۔ جنہوں نے بلاشبہ ایک ہی جنس کے لوگوں میں جنس کاری کے تعلقات کو مسترد کردیا۔اس کی وجہ محض یہ تھی کہ آغاز میں رواقین نے اپنی اخلاقی تعلیمات کا منبع دیو جانس اوراس کے ساتھی قنوطئین تھے۔دیو جانس سقراط کی طرح سادہ طرز زندگی کا حامی تھا جس میں پر تعیش اشیا نہ ہوں اوراس نے حیات کو اس کی کم ازکم ضرورتوں کا پابند بنایا۔وہ ایک مٹی کے حوض میں رہتا کچا گوشت کھاتا اور اہل ایتھنز کو اس بات سے لرزہ براندام کردیتا جب ناشتہ (دستور کے برعکس) گھر کی چہار دیواری ہی میں کر لیتا۔اس نکتہ کی وضاحت کے لئے کہ ہر شخص کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کی خاطر جو جہاں تک ممکن ہو سادہ ہوں وہ سرعام مٹھ مارتا محض یہ دکھانے کی غرض سے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی بھوک کس آسانی سے مٹا سکتا ہے یعنی پیٹ مل کر۔

سیٹیم کا رہنے والا زینو پہلے اکیڈمی میں پولیمو کا شاگرد بنا اس کے بعد کریٹس کا جو قنوطی تھا پھر دیو جانس کا شاگرد۔اس کی تعلیم کا لب لباب یہ تھا کہ قانون اخلاقیات کا نظریہ بالکل وہی ہے جیسا کہ قانون فطرت ہے۔لیکن اس قانون کے معنی رواقین کے نزدیک بالکل مختلف بمقابلہ ان معنوں کے جو افلاطون نے مستنبط کئے تھے۔اپنے ابتدائی دنوں میں رواقیت بالکل قنوطیت کی طرح تھی یعنی فطرت کو مراجعت کی تحریک۔ جو مصنوعی ریتوں اور ممنوعات کو بہ نظر تحقیر دیکھتی تھی۔ یہ فلسفیانہ بے گانگی پھیل کر نہ صرف درد اور بیماریوں کو اپنے دائرے میں لے آئی بلکہ خوش قسمتی اور بدنصیبی کو بھی،موت اور زندگی بلکہ ایک ایسی شے کو بھی جو اس زمانے میں ایک مقبول ضعیف لاعتقادی تھی۔بسا اوقات وہ اس نظریے کی اس طرح تفسیر کردیتے جس سے ان کے ہم عصر بھی دنگ رہ جاتے۔وہ تزوتج محرمات کی مذمت کرتے،زینو پوچھتا بھلا کیوں۔جبکہ اوڈیپس نے جوکاسٹا کو پھول جیسے بچوں سے بھر دیا تھا۔ جہاں افلاطون نئی پابندیاں عائد یا متعارف کرانے کے لئے جتن کر رہا تھا وہیں رواقین یہ چاہتے تھے کہ جنس کے پر اسرار غبارے میں سے ہوا نکال دیں۔اس کے لئے

روایات کو للکارا جائے اور اتفاق رائے کے رویے کو مان لیا جائے اور اسے اس زمرے میں شامل کر لیا جائے جو لاتعلقی سے دیکھی جاتی ہو۔

زینو اس خیال کا حامل تھا کہ جنسی تعلقات بالذات نہ تو اچھے ہوتے ہیں نہ بد۔ اس نے ببانگ دہل کہا کہ مردوں پر لازم ہے ''کہ انہیں دلبر کا علم ہو جس کی مقدار کم و بیش ایک پسندیدہ لونڈے کی ہو بہ مقابلہ عام امرد کے اور اتنی ہی کسی عورت کی مقعد کی خبر رکھے جتنی کہ کسی نوجوان کی۔'' اگرچہ اس نے نہایت اساسی نظریہ سازی کی مگر جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ زینو جنسی افعال کی حد تک اعتدال پسند تھا۔ لیکن وہ جلد اثر پذیر نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ ''شری مونا یڈز کے سحر میں گرفتار ہو کر جب وہ اور کلین تھیز نوجوان کے پہلو میں بیٹھے تھے وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا جس پر کلین تھیز نے اظہار تعجب کیا ''اچھے حکما تو ہمیں مشورہ دیتے ہیں'' وہ بولا'' سو جن کا سب سے اچھا علاج ہے کسی جگہ دھر دینا۔'' ایک سوانح نگار انٹی گونس جو کیرسٹس کا باسی تھا اس نے زینو کے غیر امتیازی رویے کے دعویٰ میں عیب تلاش کر لیا اور یہ شکایت کی کہ'' اس نے کبھی بھی کسی عورت سے معاملہ نہ کیا بلکہ ہمیشہ معشوق لڑکوں سے واسطہ رکھتا۔'' کلین تھیز جو زینو کے بعد سٹاؤ کا سربراہ مقرر ہوا اور کرسی پس جس کی کئی جلدوں میں تحریروں نے راسخ الخیال رواقی نظریات کی تشریحات آنے والی نسلوں کے لئے چھوڑیں وہ بھی لڑکوں سے مراسم رکھتا تھا مگر اخلاقی حدود میں۔

لیکن رواقین جنسی سرگرمیوں کو بالکل لاتعلقی کی نظر سے دیکھتے تھے اس کے باوجود وہ عشق کو بہت اونچا مقام دیتے جس کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ سقراط اور افلاطون کی طرح انہوں نے بھی اس کے تعلیمی امکانات پر نظر رکھی۔ زینو اور اس کے تابعین کا خیال تھا'' عقلمند آدمی امردوں کے لئے تعلق ضرور محسوس کریں گے جو اپنے رخ زیبا سے ظاہر کر دیں گے کہ ان سے فطری خوبیاں پھوٹی پڑ رہی ہیں۔'' یعنی صرف خوبصورت لڑکوں سے بلکہ نامکمل نمونوں سے بھی جن میں ترقی حاصل کرنے کی ذرا سی بھی گنجائش ہو۔ سسرو نے محسوس کیا ہے کہ رواقین عشق کو کتنا مرتبہ دیتے ہیں جس کا اس نے اپنی کتاب '' ٹسکو لان ڈسپیوٹیشن'' میں کیا____ لیکن قدرے اپھری حالت میں کیونکہ وہ مذکورہ جوش و خروش میں شریک ہونا نہ چاہتا تھا۔ اس موضوع میں ان کی دلچسپی کی تصدیق ان متعدد رسالوں سے

ہوتی ہے جو انہوں نے لکھے: ہمارے پاس عشق پر دفتر کے دفتر موجود ہیں جو نہ صرف زینو، کلین تھیز، اور کرسی پس کی تصنیفات ہیں بلکہ ان کے بعد والے رواقی مصنفین مثلاً سیٹیم کا پرسائیس، چیاوس کا ایرسٹن اور سفیرس۔ یہ جزوی فہرست کتب ہمارے لئے یاد دہانی ہے کہ اس موضوع پر یونانی ادبی زخار میں سے کتنا حصہ گم ہو چکا ہے۔ باقی جو بچا ہے اسے آپ کسی کہکشاں کے چند ستارے سمجھئے۔

بعد میں رواقیت کے موید ین اس بات سے بڑے خلجان میں مبتلا رہے جب انہیں پتہ چلا کہ اس کے بانیوں کے نظریات قدرے وجہ رسوائی بنے، یوں انہوں نے زینو کی تحریروں میں چند حصے حذف کرنے کی کوشش کی اس کی روشن خیالی پر مبنی تعلیمات کے باوجود۔ یہ کہا جاتا ہے کہ زینو اپنی نجی زندگی میں مثالی طرز بود و باش کا حامل سمجھا جاتا تھا۔'' زینو سے بڑھ کر اعتدال پسند۔'' یہ یونان میں ایک ضرب المثل بن گئی۔ جب وہ نوے سال کی عمر میں مرا وہ اس شہر میں کوئی چالیس برس سے درس و تدریس کر رہا تھا۔ بقراط کے مقابلے میں ایتھنز زینو پر زیادہ مہربان ثابت ہوا۔ اس کے لئے اتفاق رائے سے سونے کا تاج منظور ہوا جس نے ''تمام نوجوانوں کی فہمائش کی ہو جو اس کی رفاقت کے خواستگار تھے تا کہ اعتدال پسندی پیدا ہو سکے''۔ اور جس نے اس کی اپنی زندگی کو ''عظیم تمکنت کا نمونہ بنا دیا''۔

آئے شائنز بمقابلہ ٹمارکس:

مقبول پیمانوں کے مقابلے میں فلسفیوں کے مثالیے ممکن ہے مختلف ہوں۔ جس قسم کا ڈرامہ ایتھنز میں شہری سرپرستی میں فروغ پایا یہی عوامی خیالات کا ایک اچھا اشاریہ ہے اس سے بڑھ کر وہ تقاریر ہیں جو سیاسی اداروں کے سامنے کی گئیں یا پھر جیوری کے سامنے عدالتوں میں۔ ایسے مواقع پر خطیب کو ہر شئے کو پس پشت ڈال کر ان چیزوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے جن میں عمومی تعصبات اور باہمی جوش و خروش نمایاں ہوں۔ خوش قسمتی سے تاریخ نے ہمارے لئے ایک ایسا خطاب محفوظ کر لیا ہے ___ آئے شائنز بمقابلہ ٹمارکس ___

جس میں ہم جنس پرستی کے رویوں پر فیصلہ دینے کے ساتھ انہیں مرکزی خیال بھی سمجھا جاتا ہے۔ڈوور یقیناً حق بجانب ہے جب ایتھنز میں رائج مقبول اخلاقیات کو جانچنے کے لئے اسے کلیدی دستاویز قرار دیتا ہے کیونکہ یہ مردانہ عشق سے لبریز ہے۔

آئے شائنز کے پاس ہمہ اقسام کی گنجائش تھی کہ وہ بہ احتیاط اپنے سامعین کے جذبات کا خیال رکھے جب وہ ۳۴۵ ق م میں ایتھنز میں خطاب کر رہا تھا کیوں کہ اس کی زندگی داؤں پر لگی ہوئی تھی۔اس زمانے میں جب مقدونیہ کا فلپ یونان پر فوجی اور سفارتی بالا دستی کے لئے کوشاں تھا۔ان دنوں آئے شائنز نے ایک ایسے سمجھوتے کی حمایت کی جس کا خمیازہ ایتھنز کو بھگتنا پڑا تھا، اور ڈیموستھینز نے اسے مورد الزام ٹھہرایا کہ اس نے رشوت قبول کی تھی۔ڈیموستھینز کا حلیف ایک نوجوان سیاستدان تھا جو اس لشکر کشی میں ساتھ دے رہا تھا جس کا نام ٹمارکس تھا۔آئے شائنز کا دفاع یہ تھا کہ وہ ٹمارکس کے متعلق یہ کہے کہ وہ قانونی طور پر جیوری کو خطاب کرنے لئے نااہل ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی غیر اخلاقی انداز میں گزارتا ہے۔

آئے شائنز اپنے طویل اور جوش وخروش پیدا کرنے والی ماخوذی میں ان قوانین کو پیش کرتا ہے جو ہر شہری پر پابندی عائد کر دیتے ہیں جو جسم فروشی کرتے ہوں اور وہ نہ تو شہری مجسٹریٹ کے منصب پر فائز ہو سکتے ہیں نہ پروہت کے نہ ہی سرکاری قاصد کے۔وہ اس کی بھی ممانعت کرتے ہیں کہ ایسے افراد عوامی اداروں کے سامنے بطور وکیل بھی نہیں پیش ہو سکتے'' کیونکہ ایسا شخص جس نے اپنے جسم کو بے شرمی سے لین دین میں استعمال کیا ہو۔۔۔ وہ شہر کے عمومی مفادات بھی بیچ ڈالے گا۔'' آئے شائنز یہ الزام لگاتا ہے کہ ٹمارکس بدنامی کی حد تک ایک مرد داشتہ کی حیثیت میں زندگی گزار چکا ہے۔اس کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ ایک دولت مند مربی سے دوسرے کے پاس اس لئے چلا جاتا تاکہ اپنے مسرفانہ مشاغل پورے کرے یہ سب اس وقت ہوا جب اسے ملنے والی میراث ختم ہو چکی تھی۔کئی مرتبہ اس کے چاہنے والوں کی اقلیت کی وجہ سے گلی کوچوں میں لڑائی جھگڑوں کی نوبت بھی آئی۔ آئے شائنز کے دعوی کے مطابق سب کچھ عوام کے علم میں ہے۔

آئے شائنز کے حملوں میں جو چیز سب سے زیادہ دلچسپ ہے وہ اس کا موقف ہے

جو وہ ہم جنس پرستی کی بابت اختیار کرتا ہے۔ اس کی حیثیت کم و بیش یہ ہے جو کسی امریکی سیاستداں کی ہوتی ہے جب وہ کسی نام ور فٹ بال کے کھلاڑی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرتا ہے۔ وہ گہرے کرب سے دوچار رہتا ہے تو کہنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ صفائی پیش کرتا ہے کہ وہ کھیل کے خلاف نہیں ہے۔ بلاشبہ آئے شائینز اس کے لئے بھی کوشاں رہتا ہے کہ یہ پتہ چل جائے کہ ٹمارکس کا حلقہ اپنے دفاع میں کیا کہے گا۔ وہ پیش گوئی کرتا ہے کہ ایتھنز کے چند جنرل'' اور کشتی سکھانے کے اسکولوں کے سند یافتہ'' اور ''فلسفے کا ایک طالبعلم'' یہ کوشش کریں گے کہ یہ لگے کہ آئے شائینز کا حملہ ''ہمارے نوجوانوں کے تمدن میں خطرناک تباہی کی راہ میں یہ پہلا قدم ہے'' اس سلسلے میں آچیلز، پیٹروکلس، آرسٹوجیٹن اور ہارموڈیس کے نام بھی لئے جائیں گے۔ آئے شائینز کی حکمت عملی یہ تھی کہ یہ توقع کی جائے کہ وہ خود پارسا اور باعزت عشق کے واسطے ڈھل جانے اور اس کے لئے مدافعانہ کردار ادا کرے۔ ''جو ایک آزمودہ نرم دل اور فیاض روح کو چاہیے۔'' ہم نے پہلے ہی آئے شائینز کے دلائل سے اندازہ لگالیا ہے کہ ہومر نے الیئڈ میں یہ چاہا ہے کہ آچیلز اور پیٹروکلس کو عشاق سمجھا جائے۔ آئے شائینز الیئڈ سے طول طویل عبارتوں کے حوالے اپنے نقطہ نظر کی حمایت میں دیتا ہے۔ بات واضح ہے کہ یہی مقبول راہ تھی جو اس نے اختیار کی اور آئے شائینز اپنے سامعین سے یہ توقع کرتا ہے کہ ان تشریحات کی وہ منظوری دے دیں گے جنہوں نے سورماؤں کو عشاق بنا ڈالا۔

آئے شائینز اپنی حمایت کے ساتھ کئی خوبرو نوجوان مردوں کے نام بھی لیتا ہے جو ان دنوں ایتھنز میں رہتے تھے اور یہ شہرت رکھتے تھے کہ انہوں نے عشاق تلاش کر لئے۔ اس سے یہ لگتا ہے کہ یہ سب کچھ قابل قبول تھا۔ لیکن وہ بالفعل اس تضاد کو ظاہر کرتا ہے جو ٹمارکس میں ہے۔ جو اپنی رعنایاں بیچ کر خود کو ذلیل کر چکا ہے۔ وہ تو ایک ذاتی اعتراف بھی کرتا ہے'' میں اس کی تردید نہیں کرتا کہ میں بھی ایک عاشق رہ چکا ہوں اور آج بھی ایک عاشق ہوں (وہ کوئی ۴۵ برس کا تھا) نہ ہی میں اس کی تردید کرتا ہوں کہ حسد اور جھگڑے جو عموماً اس قسم کے کاموں میں ہوتے ہیں ان سے میں بھی دوچار ہوا ہوں۔'' وہ بلاتکلف یہ اعتراف کر لیتا ہے کہ اس کی ذات میں جو ناگواری نے جگہ پالی ہے وہ جمنازیم

میں نوجوان لڑکوں کو پٹانے میں اور ہوسناک نظمیں کہنے کے باعث ہے۔ اور میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ استغاثہ مجھے پریشان کرنے کی خاطر یہ بہ آواز بلند پڑھے گا۔

اگرچہ آئے شائینیز ایک نازک سوال سے کترا کر نکل جاتا ہے کہ آیا ''معزز'' عشق جس کا اس نے ذکر کیا ہے وہ افلاطونی تھا یا ''مرکب''۔ اپنے معاملات کی اس کے اپنے بیان سے لگتا ہے کہ اس میں جنسیاتی پرتیں بھی ہوں۔ کلہم اجمعین اس کی تقریر ایک موثر شہادت ہے کہ پر جوش انداز میں نوجوانوں کو لونڈا بنا کر رکھنا اوسط درجے کے ایتھنز کے شہری کے لئے قابل قبول تھا جو بلدیاتی جیوری کی نشست سنبھالنے کا اہل ہو۔ آئے شائینیز مقدمہ جیت گیا۔

تھیبز کا مقدس دھڑا۔۔:

کلاسیکل یونان میں نہ صرف ایتھنز بلکہ ایسے شہر جن میں قسم قسم کے آئین نافذ تھے نے اس حقیقت کو جسے مردوں کے مابین عشق کہا جاتا ہے اس پر توجہ دی۔ اشرافیہ جہاں چند مراعات یافتہ اقتدار کے جوئے میں لوگوں کو دبائے تھی انہوں نے بھی اس کی قوت کو تسلیم کیا تاکہ ہونہار نوجوانوں میں اس بندھن کو مستحکم کیا جاسکے اور قدامت پسند مربیوں کو بھی جمہوریتوں کی نظر میں تو یہ استبدادی حکومت کے خطرے کی ڈھال اور بیمہ تھیں۔ مستبد حکمراں کبھی کبھی اس کی ممانعت کر دیتے یا اکثر اس کے مزے لیتے، رقیبوں کے بدلے کو جھیلنے یا پھر برگشتہ عشاق کو راضی کرتے یا پھر اس بات پر آہ و بکا کرتے کہ ان کی قدرت کاملہ نے یہ سب کچھ کیوں ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دیا ہے کہ وہ بے لوث تعلق سے لطف اندوز ہوسکیں۔ لیکن اس کی وقعت کا سب سے بڑا منبع پھر بھی (افلاطون کی مساعی کے باوجود) اس کا فوجی جرات کے لیے ممد ہونا تھا۔ چوتھی صدی ق م میں اس سورمائی روایت کو مشہور تجسیم نام نہاد پیر پرستی (Hieros Lochos) میں ملی یعنی تھیبز کا مقدس دھڑا۔ یہ قوت جسے تھیبز کے جنرل گورگیڈآز نے قائم کی تھی جو عشاق کے جوڑوں سے بنی تھی جو ابتدا میں ایک زمانے تک دیگر رجمنٹوں میں جدا جدا لڑ چکے تھے۔ پھر اس کے وارث پیلو پیڈآز کی

سربراہی میں وہ ایک علیحدہ دستے کی صورت میں ’ناگہانی دستوں‘ کی صورت میں لڑے۔ ان کی کامیابی نے تھیبز کو ایک نسل تک یونان کی سب سے زیادہ طاقتور ریاست بنائے رکھا۔اوراس کا انجام آخر میں ویسا ہی ہوا جیسا کہ یونان کا۔

تھیبا کی روایات نے ایسے ادارے کی منظوری بہ آسانی دے دی۔تھیبز اور ایلس کو تواتر سے یونان کی سرزمین کی دو ایسی ریاستوں کی طرح پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے بلا کسی شرط کے مردانہ رشتوں کی ہمت افزائی کی۔زینوفون اپنی تصنیف ’اسپارٹا کے آئین‘ میں یہ تجزیہ کرتا ہے کہ ایسے رشتے ایلس میں عبوری تھے مگر تھیبز میں مرد اور لڑکے ساتھ ساتھ رہتے تھے جیسے ’’شادی شدہ جوڑے‘‘ شاید اس سے کریٹیا کے اطوار جھلکتے ہوں۔ ہیراکلز کا مسلک بویوشیا میں بالخصوص مضبوط تھا۔ارسطو کی ایک گمشدہ تصنیف میں ایک ’’لولاس کے مقبرہ‘‘ کا ذکر کرتا ہے جو سورما عاشق سے منسوب تھا اور جو حالت جنگ کا بھی ساتھی تھا۔جبکہ تھیبز کے عشاق ان دنوں باہمی جاں نثاری کے واسطے عہد و پیمان کر رہے تھے۔پلوٹارک کے خیال میں ’’مقدس‘‘ گروہ نے اپنا نام اسی رسم سے اخذ کیا ہے۔

پیلو پونیسیا کی جنگ ۴۰۴ ق م میں اختتام کو پہنچی جب اسپارٹا نے ایتھنز کو مکمل شکست دے دی۔لیکن فاتحین نے اپنی طاقت کا غلط استعمال کیا۔اسپارٹا نے اپنے نئے اختیارات کو نہایت درشتی سے استعمال کیا اور اس پر چند سری حکمراں متعین کر دیے جو ان کے مفادات کے حامی تھے مگر یہی ریاستیں جمہوری نظام کے تابع چلی آرہی تھیں۔ان میں سے ایک تھیبز تھی جہاں پر ۳۸۲ ق م میں ایک اسپارٹا کے کماندار نے دغا بازی کے ذریعے اس کے گڑھ پر قبضہ کر لیا اور اس پر ایک نیا اسپارٹا کا حامی حکمران مسلط کر دیا۔تین سال کے بعد تھیبز کے جمہوری ملک بدر واپس لوٹے اور گڑھیا پر دوبارہ قابض ہوگئے جس کا نام کاڈمیا تھا وہ ایک شجاعانہ کارنامہ تھا جس سے انہوں نے اہل سپارٹا کو مار بھگایا۔یوں ایک ناقابل تسخیر عسکری عہد حکومت سے جو یونان میں قائم تھی اس سے تصادم ناگزیر تھا۔ایسے نازک دورا ہے پر گورگیڈاس نے ۳۷۸ ق م میں ایک مقدس گروہ منظّم کیا۔جس نے سپموزیم کی تکمیل کے چند برس کے اندر ہی سب کچھ حاصل کر لیا مثلاً فائیڈرس کا خواب جو ’’عشاق پر مبنی فوج‘‘ کا تھا۔

پلوٹارکؔ ۴۶ء میں چھوٹے سے گاؤں شایرونیہ میں پیدا ہوا جو تھیبز کے مغرب میں کوئی بیس میل پر واقع تھا اور وہیں اس نے پوری زندگی بسر کی ۔ وہ خاص طور پر بویوشین روایات کا دلدادہ تھا۔ اس نے ہمیں اپنی کتاب پیلو پیڈ اس کی زندگی میں اکلوتا ٹھوس ماجرا بیان کیا ہے جو ہمیں مقدس گروہ کے متعلق ملتا ہے ۔ اس کی ابتدا کا سراغ لگانے میں پلوٹارکؔ خود کو اس اساطیری قصہ کو بیان کرتے ہوئے ناخوش محسوس کرتا ہے کہ اوے ڈیاپسؔ کا باپ لای ایسؔ وہ پہلا شخص تھا جس نے تھیبز میں لونڈے بازی متعارف کرائی تھی بجائے اس کے وہ اس ادارے کے قیام کے لئے انصاف پسند شہر منتظمین سے منسوب کرتا ہے ۔ جنہوں نے سب سے پہلے اس قسم کے عشق کو اہل تھیبز میں رواج دیا۔ تھیبز کے نوجوانوں کو بے راہ رو دیکھ کر انہوں نے یہ چاہا کہ ’’ان کی توانا اور تندرست فطرت کو نرمایا جائے اور تشفی دی جائے جب وہ لڑکپن کے دور سے گزر رہے ہوں۔‘‘ ہم آہنگی کے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پلوٹارکؔ ہمیں یہ بتا تا ہے ۔ انہوں نے اپنی بانسری بجانے کا ہنر سکھایا اور ’’انہوں نے اکھاڑے کی زندگی میں عشق کو بڑی تابانی بخشی ۔ یوں انہوں نے نوجوان لوگوں کی وحشت پر قابو پالیا۔‘‘

بظاہر گورگیڈازؔ کسی جھڑپ میں مارا گیا جب وہ اس گروہ کی بنیاد ڈال چکا تھا۔ کیونکہ آئندہ سال اس کی سربراہی پیلو پیڈسؔ کو منتقل ہوگئی۔ یہ وہی تھیبز کا جوان تھا جس نے ملک بدروں کی بغاوت کے وقت رہنمائی کی تھی ۔ جب وہ اہل سپارٹا کے محاصرے میں آ گئے تو اہل تھیبز تذبذت میں پڑ گئے کہ آیا وہ اپنے ہیبت ناک دشمن پر ایک روایتی جنگ کی طرح حملہ آور ہوں ۔ لیکن ایک مرتبہ اسپارٹا کی فوج پر خلاف توقع حاوی آ جانے کی وجہ سے جب وہ ٹی جایرہ کے مقام پر دشمن کی چوکیوں کا جائزہ لے رہے تھے تو پیلو پیڈرس نے بڑی جرأت سے کام لے کر حملہ کر دیا۔ اگر چہ اہل اسپارٹا ان کے ایک سپاہیؔ کے مقابلے میں دو یا پھر تین تھے اس کی حوصلہ مندر ہنمائی فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ پلوٹارکؔ کی دانست میں یہ توقع قابل ذکر ہے۔ کیونکہ ان تمام جنگوں میں جو یونانیوں اور بربروں میں لڑی گئیں جیسا کہ لگتا ہے اس سے پہلے اہل لیسی ڈیمیا اپنی بڑی تعداد کے باوجود اپنے سے ادنیٰ فوج سے مغلوب ہوئے ہوں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ کسی ایسی جنگ میں جس میں جم کر لڑنا

پڑے اور افواج برابر ہوں۔ کیونکہ وہ لوگ نا قابل مزاحمت ہمت کے لوگ تھے اور جب وہ دست بدست لڑائی پر اتر آتے تو ان کی شہرت اپنے مخالفین کو دہشت زدہ کرنے کے لئے کافی ہوتی۔ جو اپنی طرف سے خود کو اہل اسپارٹا کا ہم پلہ نہ جانتے اگر فوج برابر ہوتی۔

پلوٹارک نے غیر مفتوح پیلو پیڈس کو ''جری جفاکش پر جوش اور اعلیٰ ظرف کہا۔'' لیکن اس کی شہرت بالآخر اس کے دوست ایپامی نون ڈاز کی وجہ سے گہنا گئی۔ جس کی زندگی متعدد معاملات میں اس کی اپنی زندگی سے متضاد تھی۔ پیلو پیڈس دولتمند تھا مگر اس کا طرز بودوباش معتدل تھا۔ جب کہ ایپامی نون ڈاز مشہور ہونے کے باوجود اپنی موت کے دن تک غریب رہا۔ پیلو پیڈس نے شادی کی اور بچے ہوئے۔ ایپامی نوں ڈاز بے شادی کئے مرا۔ جس وقت کاڈمیا کو نرغے میں لیا جارہا تھا ایپامی نون ڈوز کو بہ نظر احترام تارک الدنیا عالم سمجھا جارہا تھا۔ فیثا غورثی حکیم لای سس جو ٹارینٹم کا باسی تھا اس کا ایک گرویدہ پیرو جو تھیبز میں بس گیا تھا اس نے اپنے وقت کو جمناریم میں کثرت کرنے، لکچر دینے اور فلسفے کے درمیان تقسیم کرلیا تھا۔ اگر چہ اس نے اس سیاسی قتل و غارت گری میں حصہ لینے سے انکار کردیا جس میں اسپارٹا کے رنگ میں رنگے ہوئے اہل تھیبز کو ہلاک کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ جوں ہی بغاوت شروع ہوئی وہ پیلو پیڈس سے مل کر جمہوریت کی بحالی میں لگ گیا۔ اس نے اپنی پیشہ ور زندگی کے آغاز میں بڑی بہادری سے زخمی دوست کی زندگی بچانے کے لئے اپنی زندگی کو جوکھم میں ڈالا۔ اگر چہ دونوں ناموری کے لئے ایک چھوٹے سے اسٹیج پر ہوڑ میں شریک ہوئے۔ وہ کبھی ایک دوسرے کے حریف نہ بنے۔ ایک غیر معمولی رنگ جو حاسد یونانیوں کا خاصہ ہے۔ ایپامی نون ڈاز اب بڑھ کر ایک خطیب بن گیا اور مدبر کے ساتھ ساتھ ایک سپاہی بے شک، یہ وہی تھا جس نے ۳۷۱ ق م میں ایک امن کانفرنس کے دوران میں پیلو پونے سس کے مقتدر اعلیٰ ظاہر کرنے پر للکارا۔ جس کے جواب میں اسپارٹا کے بادشاہ ایجی سپلاس نے برہم ہو کر تھیبز کو معاہدہ امن سے خارج کردیا۔ تھیبز نے اس کے جواب میں پورے پیمانے پر جنگ کی تیاری شروع کردی۔

اس جنگ میں جو مسئلہ اسپارٹا اور تھیبز کے درمیان طے ہونا تھا وہ پاوسا نیاس کے مطابق ''مشہور ترین فتح جو کبھی یونانیوں نے اہل یونان پر پائی۔'' لیکٹرا میں ۳۷۱ ق م میں

ایپامی نون ڈاز نے ایک نئی ترکیب نکالی۔ اس نے اپنا میسرہ طاقتور بنایا اور میمنہ پیچھے دور رکھا اور اہل اسپارٹا پر اریبی حملہ کر دیا یوں انہیں الجھن میں ڈال دیا۔ تب پیلو پیڈس مقدس دھڑے کی قیادت سنبھال کر اس طرح ٹوٹ پڑا کہ جن دستوں کی عوض بادشاہ سالاری کر رہا تھا وہ تہس نہس ہو گئے سالار کا نام کلہومبروٹس تھا جو جنگ میں کھیت ہوا۔ ایپامی نون ڈاز کا عاشق ایسو پیکس تھا اسے بھی اس لڑائی سے شہرت ملی۔ اس نے جنگ میں اتنی زبردست مزاحمت کی کہ اس کی ڈھال کو ایک ٹرافی سے سجایا گیا جسے اہل تھیبا نے لیکٹرا میں نصب کیا۔ جو ڈیلفی میں ایک نمایاں بھینٹ تھی۔

لیکٹرا پران کی شکست نے ان کی فوجی بالادستی کو ایک ایسی کاری ضرب لگائی جب کہ اپنی بالادستی کے زعم میں اہل اسپارٹا صدیوں سے سرشار تھے۔ اپنی فتح کے آغاز میں ایپامی نون ڈاز نے پیلو پونی سس پر دھاوا بول دیا، میسی نیا اور آرکیڈ ایا کے صوبجات اسپارٹا کے جوئے سے آزاد کرا لیے اور جنگ کو بڑھا کر شہر کے مضافات تک پہنچا آیا۔ یہ پہلا محاصرہ تھا جس کا ذایقہ وہ چھ سو سال میں پہلی مرتب چکھ رہے تھے جب ڈورین نے پی لو یونی سس پر قبضہ کیا۔ اس وقت سے تھیبز یونان کی ممتاز طاقت تھی۔

فاتح ایپامی نون ڈاز کا رویہ استبدادی اسپارٹا کے برعکس فیاضانہ تھا۔ اس نے میسن کو میسینیا صوبہ کا دارلحکومت بنا دیا اور ایک نیا شہر بنام میگالو یوس بسایا تاکہ یہاں سے دیرینہ مطیع آرکاڈیانس پر دفاعی نقطہ نظر سے دیکھ بھال ہو سکے۔ اگر چہ یونان کی حکمرانی تھیبز کے ہاتھ آ چکی تھی ۔ اس نے دیگر شہروں میں تھیبز کو بالادستی اور لوٹ کھسوٹ کی اجازت دینے سے انکار کر دیا جیسا کہ اہل اسپارٹا اور ایتھنز اس وقت کر چکے تھے جب انہیں اس پر اقتدار حاصل ہوا تھا۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس میں اتنی ذہانت تھی کہ اس نے اندازہ لگا لیا کہ تھیبز کے اقتصادی اور فوجی وسائل اتنے نہیں ہیں کہ یہ جھیل جائے۔ نتیجے میں اسے ایک نادر شہرت نصیب ہوئی یعنی آزاد کرانے والا نہ کہ استحصال کرنے والا۔

کلاسیکل اور جدید مورخین دونوں متفق ہیں کہ ایپامی نون ڈاز کو یونان کا عظیم ترین جنگجو اور مدبر ہونے پر سلامی پیش کی جائے۔ ڈاے ڈورس سیکولس جو جولیس سیزر کے زمانے میں گزرا ہے لکھتا ہے اگر چہ وہ ''بے مثال ۔۔۔ تمام یونانیوں میں

جرأت اور ہوشیاری اور فن جنگ میں۔'' ڈاے ڈورس تو اسے سولون سے بلند مرتبہ تھی مس ٹوکلس، ملٹیاڈیس، سائمن، پیریکلس اور ایجی سیلاس سے عسکری حکمت عملی اور ساکھ میں بڑھ کر پاتا ہے۔ اگر ان سب میں جدا جدا دیکھو تو تمہیں یہ دکھائی دے گا کہ ان کی وجہ شہرت کوئی ایک خوبی تھی تاہم اس میں تمام صفات یکجا ہوگئی تھیں۔ جہاں تک جسمانی قوت اور فصاحت بیانی کا تعلق ہے، جس میں تخیل کی رسائی کا ذکر ہے نفع خوری سے نفرت، انصاف پسندی اور ان سب پر جرأت اور ہوشیاری جو جنگ کا فن ہے۔ وہ ان سب سے بہت آگے نظر آتا ہے۔

ڈاے ڈورس سسلی کا رہنے والا یونانی تھا اور شاید جانبدار بھی لیکن اس کے لاطینی ہم عصر کارنیلس نیپوز ایک ایسا شخص جو جدا اور ممتاز روایات کا حامل۔ اگر کوئی اور چیز مزید قصیدہ خوانی بن سکتی ہے تو وہ کتاب (Book of the Great Commanders) ہے جس میں نیپوز تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ اس کے قاری ایپامی نون ڈاز کی شہرت سے آنا کانی کرنے لگیں گے جب اس کی موسیقی دانی اور رقص کا ذکر ہوگا لیکن وہ التجا کرتا ہے کہ یہ ذہن نشین رہے کہ یونانی ان اوچھی حرکات کی بھی عزت کرتے ہیں۔ وہ بلا کسی پیش و پس کے ایپامی نون ڈاز کی فکری اور کھیلوں میں اس کو مہارت کی تعریف کرتا ہے اور یہ بھی دریافت کرلیتا ہے کہ اس میں رومی معیار کی معتدل مزاجی کے ساتھ بردباری بھی۔ وہ فوجی امور میں آزمودہ کار تھا جس میں عظیم ذاتی تہور اور لاجواب روح اور صداقت کا ایسا شیدای کہ وہ ازراہ مذاق بھی جھوٹ نہ بولتا۔ اس کے کردار کا ایک پہلو تو بالکل کلاسیکل تھا (اگر ہم سیزر کا ذکر کریں)۔ اس میں ضبط نفس اور رحم دلی اور بولنے میں حیران کن حد تک تکلف کرتا۔ نیپوز اس کی اس بات پر تحسین و آفرین کرتا ہے کہ وہ چند ہی کامیاب یونانی سپہ سالاروں میں سے ایک ہے جس کی دیانت اس کی صلاحیتوں کے ہم پلہ تھی۔ اس کا ہم عصر سیسرو اس سے متفق ہے۔ اسے لوگوں پر تمدن، فلسفے کے اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے جب پی سس ٹراس پیریکلز، ٹموتھیس اور ایجی سیلاس جیسے رہنماؤں کا ذکر اپنی تصنیف (De Ovatore) میں کرتا ہے۔ سیسرو ایپامی نون ڈاز کا یہ کہہ کر ذکر کرتا ہے۔''یونانی تاریخ کا شاید سب سے ممتاز فرد۔''

تھیبز کی بالا دستی صرف اس وقت تک رہی جب تک ایپامی نون ڈاز جیا۔ پیلو پاڈس شمال کی جانب ایک ایسی فوج کی سر براہی کرر ہا تھا تا کہ اہل تھیسالی کو فیراز کے موذی سکندر سے آزاد کرائے۔ وہ ۳۶۴ ق م میں اس مستبد سے دو بدو معرکے کے دوران اس وقت مارا گیا جب اس نے بے سوچ سمجھے اس سے لڑائی چھیڑ دی۔ اہل تھیسالی نے اس کا سوگ منایا اور انہیں آزاد کرانے کے لے کوشاں رہنے پر اسے سورما کا اعزاز بخشا۔ بعد ازاں سکندر کو اس کی بیوی نے روانہ کردیا اسے اس سے کئی شکایات میں سے ایک یہ تھی کہ مستبد اس کے بھائی سے ہم بستری کرتا تھا۔ اس دوران میں اسپارٹا کی کمزوری سے پی لو یونی سس افراتفری میں پڑ گیا۔ متحارب گروہوں نے تھیبز اور اسپارٹا کو اپنی مدد کے لئے بلایا اور ایپامی نون ڈاز نے خود کو اپنے قدیم دشمن کے آمنے سامنے ایک مرتبہ پھر ۳۶۲ ق م میں مانٹینیا کے مقام پر پایا۔ اس کی شاندار حربی چالوں کی وجہ سے اسپارٹا والے گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالے گئے لیکن اسے خود بھی یہ سودا مہنگا پڑا۔ ڈایڈورس نے اس کی موت کی روداد یوں لکھی ہے۔ اسے ایک نیزے نے چھید دیا جس پر اسے بتایا گیا کہ اس کی موت اس وقت ہوجائے گی جب اس کو چھاتی سے اسے کھینچا جائے گا۔ اپنے دوستوں سے بات چیت کرنے کے بعد اس نے کہا ''مرنے کا وقت آچکا ہے۔'' اور انہیں حکم دیا کہ وہ نیزہ نکال لیں۔

ایپامی نون ڈاز کا ایک اور عاشق کافی سوڈورس بھی مانٹینیا میں مارا گیا۔ پلوٹارک ہمیں بتاتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں ایک ساتھ دفن کئے گئے۔ پاوسانیاس نے جب تھیبز کا دوسری صدی عیسوی میں دورہ کیا تو اس نے مندرجہ ذیل مصرعے ایک مجسمے پر نقش دیکھے جو ایپامی نون ڈاز کے اعزاز میں لگا ہوا تھا۔

> ''میرے مشورے پر اسپارٹا اپنے جلال سے محروم ہوگیا۔ اور مقدس میسین کو بالآخر اس کے بچے مل گئے۔ تھیبز کے ہاتھوں کی کرامت تھی کہ میگا لوپولس کو شہر پناہ نصیب ہوئی۔ اور یوں پورے یونان کو مختاری اور آزادی مل گئی۔''

پاوسانیاس کے دورہ سے چند برس پہلے شہنشاہ میڈرن نے اپنی ذات پر لکھا جانے والا خراج عقیدت ایک اور یادگار پر جو تھیبا میں بھی نقش کردیا تھا جو اس جگہ پر تھی جہاں اس

کی موت ہوئی تھی۔

تھیبا کے مقدس دستے کو اپنا مکافاتِ عمل مقدونیہ کے فلپ کی صورت میں ملا۔ جب فلپؔ ۳۶۷ ق م میں کوئی پندرہ برس کا ہوگا اسے تھیبز میں بطور یرغمال بھیج دیا گیا اور وہ وہاں تین سال مقیم رہا جب تھیبز اپنی شوکت کے نصف النہار پر تھا۔ ہو نہ ہو فلپؔ ایپامی نون ڈازؔ کی فتوحات اور پیلوپاپڈسؔ نے اپنے نئے جنگی ضربوں سے اس کے ذہن کو مسحور کر دیا ہوگا۔ کیونکہ ہم بعد میں یہ دیکھتے ہیں کہ وہ تمام فوجی چالوں کو اس طرح انقلابی انداز میں بدل دیتا ہے جو اس کے مقاصد کے مطابق ہوں۔ ڈایوکرائی سوسٹومؔ کی نظر میں بعد کے زمانے میں سفارت کاری میں ذکاوت کو اس تعلیم کا نتیجہ کہتا ہے جو اسے ایپامی نون ڈازؔ کی عاطفت میں ملی اور جس نے اسے پیلو پیڈسؔ کا لونڈا بنا دیا۔ شاید وہ تھا بھی یا شاید یہ ایک اعزازی مفروضہ ہے جو قدیم یونانی کلیے کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ پلوٹارک کے بقول فلپؔ پیلو پیڈسؔ کے ساتھ نہیں رہا بلکہ پامینیزؔ کے گھر پر قیام کیا تھا۔ وہی جنرل جو ایپامی نون ڈازؔ کی موت کے بعد سپہ سالار بنا تھا۔ بحیثیت فوجی رہنما کے پامینیزؔ نظم وضبط کا ایک پرجوش وکیل تھا جس نے مقدس گروہ بنایا۔ پلوٹارکؔ حوالہ دیتا ہے (متعدد مرتبہ) کہ پامینیزؔ ہومرؔ کے نیسٹرؔ کی بارہا مذمت کرتا ہے کہ وہ عسکری رجمنٹ کو قبایلی بنیادوں پر استوار کرتا ہے ۔ کیونکہ ہم قبیلہ اور ہم گوت خطرے کے اوقات میں بہت معمولی اثر رکھتے ہیں۔ جب کہ ایسا گروہ جسے عشاق کی دوستی باندھ کر رکھتی ہے وہ ناقابل تنسیخ ہوتی ہے اور ٹوٹتی نہیں۔ کیونکہ عشاق اس بات سے شرماتے ہیں کہ کوئی ان کے محبوب لونڈے کے سامنے انہیں بزدل سمجھے۔ اور اسی طرح معشوق کو ان کے عاشق کے سامنے اور دونوں بڑی ثابت قدمی سے ایک دوسرے کی محافظت کرتے ہیں۔

مقدون لوٹ کر آنے پر فلپؔ نے جو کچھ تھیبز میں سیکھا تھا اسے مصرف میں لانے کو سوچا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس نے ایک طاقتور پیشہ ور فوج منظّم کی۔ اور اپنی حیثیت کو شمال میں مستحکم کر لینے کے بعد بڑی جانفشانی سے برق رفتار سفارت کاری کے حیلوں سے اس نے جنوبی یونان تک اپنے اقتدار کو پہنچانے کی مساعی کیں اس دور میں اس کا منشا یہ تھا کہ پورے ملک کو متحد کر کے عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لے آئے۔ جب تھیبز اور ایتھنز

نے قدرے تاخیر سے ایک اتحاد کو جنم دیا تاکہ اس کی مزاحمت کی جائے تو کانتے کی لڑائی ۳۳۸ ق م میں پلوٹارک کا یرونیہ میں لڑی گئی۔ مقدس گروہ ابھی بھی ثابت اور غیر مفتوح تھا اور یونانی فوج کا شاہکار حصہ تھا۔ لیکن یہ دن ان کا یوم آخر تھا۔ اپنی روایت کو سچ کر دکھانے کے لئے وہ ثابت قدم رہے اور ان کا آخری فرد بھی قتل ہوگیا۔ یہ تک ہوا کہ ان کی تین سو لاشیں میدان جنگ میں بکھری پڑی تھیں۔ فتح کے نشہ میں سرشار فلپ رجمنٹ کی باقیات پر پہنچا جن سے وہ قیام تھیبز میں تیس برس پہلے اپنے زمانہ نوبالغی سے واقف تھا۔ پلوٹارک اس کا ردعمل اس طرح بیان کرتا ہے۔" اور جب لڑائی کے بعد فلپ لاشوں کا جائزہ لے رہا تھا تو ایسے مقام پر ٹھہر گیا جہاں تین سو خاک وخون میں لت پت پڑے تھے وہ سب جنہوں نے اس کے نیزوں کی انی کی بوچھاڑ کا سامنا کیا تھا ایسا نہ تھا کہ وہ زرہ بکتر نہ پہنے ہوں اور ایک دوسرے سے مربوط نہ ہوں۔ وہ یہ جان کر ششدر رہ گیا کہ یہ عاشقوں اور معشوقوں کا گروہ تھا اور آبدیدہ ہوکر یہ کہنے لگا" وہ سب غارت ہوجائیں جو یہ سمجھتے ہوں کہ ان افراد نے کوئی غلط کام کیا یا بھگتا ہو یا کوئی بھی کام ہے جو بے آبروی کا ہو۔"

جب جغرافیہ دان پاوسانیاس نے اس مقام کا چار سو برس کے بعد دورہ کیا تو اس نے ان کی یادگار دیکھی۔ کھلے میدان میں ایک بلندی سے تھیبز والوں کی مشترک قبر نظر آتی تھی۔ صنوبر کے درختوں کی ایک قطار میں سنگ مرمر سے بنا ایک پرشکوہ شیر نظر آیا ہے۔ جواب بھی موجود ہے۔ اس کی موجودہ بحالی کا کام اپنے ہاتھ میں ۱۹۰۲ء میں ایک تنظیم نے لیا جسے آرڈر آف چا یرونیہ کہا جاتا ہے۔ (یہ درحقیقت برطانوی ہم جنس پرستوں کی ایک خفیہ معماران احرار (نیم میسونک) سوسائٹی تھی۔ جس کی بنا اور رہنمائی مصلح سیسل آیوز کررہے تھے۔ میدان جنگ کی جدید کھدائی سے ۲۵۴ افراد کی باقیات مل چکی ہیں۔ مقدس گروہ کا قریب قریب پورا کا پورا دستہ سات قطاروں میں لیٹا ہوا ملا۔

فلپ اور سکندر:

فلپ نے تھیبز سے جو سبق پائے تھے ان سے کام لے کر اس نے تھیبز کو صفحہ ہستی سے

مٹادیا۔ وہ خود بھی اپنی فتح کے بعد زیادہ نہ جیا۔ یونان کو متحد کرنے کی مساعی میں کامیاب ہوکر فلپ تلا ہوا تھا ایران پر دھاوا بولے کہ دوسال بعد ۳۳۶ ق م میں اپنی بیٹی کی شادی کے وقت وہ نہایت سنسنی خیز حالات میں قتل کردیا گیا۔ واقعات کی زیادہ تر روایات کا قیاس یہ ہے اور امکان یہ ہے کہ اس کی بیوی کا ہاتھ ہو۔ وہ خونخوار اولمپیاز اور اس کا نیم برگشتہ بیٹا سکندر۔ پوری کہانی سے تو لوگ اچھی طرح واقف نہیں ہیں۔ لیکن اس کی تفصیلات از روئے واقعات طرز میں ڈیوڈورس سایکلز نے دی ہیں اور ارسطو نے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ متعدد بیویوں کا شوہر فلپ ''جنگ کرنے کے لئے پہلے شادی کرتا'' کی کئی بیویاں تھیں اور متعدد مدخولایں مگر اس کے لونڈے بھی کئی تھے۔ ان میں سے ایک پاوسانیاس تھا (اس سے اس لئے عشق کیا جاتا کیونکہ وہ حسین تھا) اس کی محبت کے بعد ایک اور نوجوان لڑکے کا نمبر آتا تھا جو اس کا ہم نام تھا۔ پاوسانیاس کلاں اپنے مدمقابل کی اس لئے مزاحمت کرتا تھا کہ وہ چاپلوسی کرتا ہے جو بادشاہ کو نہیں چاہتا۔ ایسی بے عزتی کو برداشت کرنا اس کے لئے دشوار تھا۔ وہ کچھ دنوں کے لیے چپ ہوگیا لیکن اٹالس کے کان میں ڈال کر جو اس کے دوستوں میں سے تھا اس کے دل میں یہ آئی۔ اس نے موت کو رضا کارانہ گلے لگالیا اور وہ بھی بڑے دھوم دھام سے۔ اس کی موت کے چند روز کے بعد فلپ لڑائی کے ہنگام جب پلیوریاس سے الجھا ہوا تھا جو الی ریانس کا بادشاہ تھا۔ پاوسانیاس بڑھ کر فلپ کے آگے سینہ سپر ہوگیا اور اس نے تمام ضربیں اپنے جسم پر کھائیں جو بادشاہ کو آتیں یوں وہ موت کے منہ میں چلا گیا۔ اس خودکشی سے ہراساں ہوکر اٹالس جو فلپ کا دست راست جنرل تھا اس نے پاوسانیاس کلاں کو لہو ولعب کی محفل میں آنے کی دعوت دی اور اسے میخواری سے چھکا دیا اور اس کے حکم پر اس کے خرکاروں نے اس کی گانڑ ماری۔ جب پاوسانیاس نے فلپ سے بدلہ لینے کی درخواست کی تو بادشاہ کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ لیکن چونکہ آٹالس اس کے کمانڈروں میں سب سے گراں مایہ کمانداد تھا اور فلپ کی نئی نویلی بیوی کا چچا بھی تھا اس لئے اس نے کوئی سزا نہ دی۔ پاوسانیاس مناسب وقت کے انتظار میں چپ رہا پھر جب فلپ اپنے شاہانہ لباس میں بغیر کسی محافظ کے اپنی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لئے جارہا تھا تو اس نے مہمانوں کے مجمع کے سامنے اسے چھرا مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایسی خونریزی جو

ایک معشوق کو کسی جرم کا شکار ہونے کا شاخسانہ تھی مقدون میں کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ ساٹھ برس پہلے ۳۹۹ ق م میں آرکیلاس جو پوری پاؤڈز اور آگاتھون کا مربی تھا۔ اسے اس کے دو سابقہ اغلامیوں نے قتل کر دیا تھا وہ اس بات کا بدلہ لینا چاہتے تھے کہ ان کی دانست میں بادشاہ نے ان کی جانب کوئی توجہ نہ دی تھی۔

مقدس گروہ کی صفیں چاپے رونیا میں اس وقت تتر بتر ہوگئیں جب گھڑ سواروں کے رسالہ نے ایک اٹھارہ سالہ لڑکے کی سربراہی میں ان پر حلہ بول دیا۔ فلپ کی موت کے بعد سکندر نے اپنا حیران کن دور اس طرح شروع کیا کہ وہ بلا شرکت غیرے یونان ایشیائے کوچک، مصر ایران اور شمال مغربی ہند کا آقا بن گیا۔ ایک معاملے میں تاہم وہ اپنے باپ سے نمایاں طور پر مختلف تھا۔ وہ رنڈی باز نہیں تھا۔ پلوٹارک اس پر قیاس آرای کرتا ہے کہ اپنی شادی سے پہلے وہ صرف ایک عورت کو جانتا تھا جو مقدونیہ کے کسی بھی حکمران کے لئے قابل ذکر دستاویز ہے۔ وہ مرد غلاموں سے بھی اجتناب کرتا تھا۔ جب اس کے ایک کماندار نے پیش کش کی کہ وہ اس کے لئے دو خوبصورت لڑکے لے آئے۔ تو اس نے آزردگی سے اسے مسترد کر دیا۔ جب سکندر نے چارون کے لونڈے کی تعریف کی جو چالکس کا رہنے والا تھا تو چارون نے لڑکے سے کہا کہ وہ بادشاہ کو چومے لیکن سکندر شرما گیا۔ ''اس سے مجھے اتنی مسرت نہ ہوگی جتنا کہ تمہارے لئے تکلیف دہ ہوگا۔''

تاجپوشی کے کئی سال بعد اس نے اپنی اعتدال پسندی میں کمی کر دی تھی۔ مرد معشوق ان دنوں ایران میں مقبول تھے جب سکندر نے اسے فتح کیا تھا۔ (ہیروڈوٹس نے اس امر کا بطور خاص ذکر کیا تھا اور کوئی ایک صدی پہلے اسے یونانی اثر پر محمول کیا تھا۔ یہ ایک نادر مسئلہ ہے جو تمدن سے جڑا ہوا ہے جو اس کا دعوی دار ہے کہ ایک نئے قسم کی جنسی سرگرمی کو اولیت ملے) مورخ کنٹس کرٹس کے بقول ایک فارس کا جنرل جو شکست خوردہ داریوش کی ملازمت میں رہ چکا تھا اس نے ہارکانیہ کے مقام پر اظہار خیر سگالی کے طور پر وہ چیز بھیجی جس کا نام باگوس تھا۔ جو آختہ خواجہ سرا تھا اور بہت حسین تھا اور لڑکپن سے نوجوانی کی طرف کھلنے جا رہا تھا۔ جس پر داریوش کا دل بھی آ چکا تھا اور جس سے بعد میں سکندر نے بھی عشق کیا۔ بعد ازاں سکندر نے باختری شہزادی روکسانہ سے شادی کی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ باگورس کو بھی اپنے ساتھ رکھے رہا جب وہ ہندوستان کی مہم پر نکلا اور یہاں تک کہ اس جان لیوا کوچ کے دوران میں بھی جب وہ صحرائے جیڈروسیا پار کررہا تھا۔ پلوٹارک ایک ایسے واقعے کو دہراتا ہے جو اس کی مہم کے خاتمے پر ہوا تھا۔ جیڈروسیا کے دارلحکومت پر بخیریت پہنچ جانے کی خوشی میں اس نے ایک جشن برپا کیا جس میں اس نے کھیل کود اور موسیقی کے مقابلے منعقد کرائے۔''اس کے منظورنظر باگورس نے گانے اور ناچ میں انعام جیتے اور پھر اس تہواری صف آرائی میں وہ منچ کے سامنے گزرا اور جاکر سکندر کے برابر نشست سنبھال لی جسے دیکھ کر اہل مقدونیہ تالیاں بجانے لگے اور انہوں نے بہ آواز بلند بادشاہ سے فرمائش کی کہ وہ فاتح کو چومے۔ یہاں تک ہوا کہ بالآخر اس نے اپنے بازو اس کے گرد حمایل کیئے اور نرمی سے اسے چوم لیا۔''

اپنے گپ شپ والے عشائیہ میں اتھسی نائیس سکندر کے ہم عصر ڈی کاریکس کا اس لئے ذکر کرتا ہے تاکہ اس واقعے کے متعلق بتائے جو اگرچہ قدرے ہٹ کر ہے مگر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے فاتح کو کس طرح کم شرمیلا بنایا۔ وہ مخنث باگورس کے عشق میں ایسا مغلوب ہوا کہ بھرے تھیٹر کے تمام تماشایوں کے سامنے اس پر جھکا بڑے چاؤ سے باگورس کو آغوش میں لیا اور جب تماشائی تالیاں بجا کر تحسینی حمایت میں نعرہ زنی کررہے تھے تو وہ بلا جھجک اور تذبذب کے دوبارہ جھکا اور اس کا بوسہ لے لیا۔ اگر یہ ماجرا درست ہے تو اس سے تصدیق ہوجاتی ہے کہ سکندر نے سرعام یہ تسلیم کرلیا کہ باگورس نے اس کی زندگی میں کیسا کردار ادا کیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر اہل مقدونیہ کا جوش وخروش تھا جب وہ اس صاحب پارس کی واہ واکررہے تھے جب کہ سکندر کا لشکر اپنے بادشاہ کی بدمذاقی سے ناخوش تھا کہ اس نے اہل پارس کی روایات اور لباس کو اختیار کرلیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ امر ہو کہ باگورس نے صحرا کے پرصعوبت سفر میں شریک ہوکر ان کے لئے خود کو قابل قبول بنالیا ہو۔

سکندر کا قریب ترین اور نہایت دیرپا اور جذباتی بندھن اس فارس کے منظورنظر سے نہ تھا تاہم اپنے لڑکپن کے دوست ہیفاسشن سے تھا جو میساڈون میں ارسطو کی معلّمی میں اس کا ہم مکتب رہ چکا تھا۔ وہ مشرق کی جانب پیش قدمی میں فوجوں کا کمانداربھی رہا۔ اپنے دوست کے کہنے پر کئی شہر بسائے اور ایران میں قیام کے زمانے میں اس کا وزیراعظم بھی

رہا۔سکندر کے لئے ایک اور ولولہ خیز ذات ہومر کی تھی۔ وہ اپنے تکیہ کے نیچے الیڈ رکھتا اور آچیلز کواس کی ذات کانعم البدل جانتا تھا۔اس نے اپنے رومان آمیز خواب میں ہیفاسشن کو پیٹروکلس کے کردار کوادا کرنے کے لئے منتخب کیا۔ ایک مرتبہ جب وہ قدیم ٹرائے کے دورہ پر گیا تو سکندر نے مذکورہ شناختوں کو عمداً بڑے ڈرامائی انداز میں بیان کیا۔ اس نے ہیروآچیلز کے لئے اپنی طرف سے ہیفاسشن کی قربانی کوآچیلز کے ساتھی کے مقبرے کے لئے منظور کیا۔لیکن ان کی یکجائی میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب پرسیا کی عمر رسیدہ مادر ملکہ کو بطور قیدی سکندر کے خیمے میں لایا گیا تو وہ کسی غلط فہمی میں ہیفاسشن کے سامنے جھک گئی جو مقابلتاً طویل قیامت اور وجیہہ بھی تھا۔’’ماں فکر نہ کرو یہ بھی ایک سکندر ہے۔‘‘ یہ کہہ کر سکندر نے اس کی خاطر جمع کی۔

جب ۳۲۴ ق م میں بخار میں مبتلا ہوکر ہیفاسشن کی موت ہوئی تو سکندر کا غم آچیلز سے بھی بڑھ کر تھا۔اس نے اس طبیب کوسولی دے دی جواس کے علاج پر مامور تھا نہ کھایا نہ پیا اپنے بالوں کوکٹوا ڈالا اور اپنے گھوڑے کی ایال اور دم کومنڈوا دیا۔شہروں کی فصیلوں میں موکھے دار مورچوں کومسمار کرادیا اور اپنا نمائندہ فال گھر بھیجا جوسیواہ میں تھا تاکہ قدرت کی نظر میں اپنے دوست کا مرتبہ معلوم ہو۔ ہیفایسشن جنازے کا تابوت اتنا بھاری تھا جو بابلی طرز کا مستطیل شکل کا بنایا گیا۔اس کی کرسی ایک مربع میل کے ایک بٹا آٹھ کے برابر اور اونچائی دوسوفٹ تھی۔ تلے اوپر چبوتروں کی آرایش نہایت شاندار چوبی مجسموں کو نصب کرکے کی گئی تھی۔ اس کی ارتھی جلانے پرکوئی دس ہزار ٹیلنٹ کا خرچ آیا۔عقل میں آنے والی بات یہ ہے کہ وہ انسانی تاریخ کا سب سے بڑا قابل دید جنازہ تھا۔ پھر چوتھی صدی قبل مسیح میں ہم اسی ابہام میں مبتلا رہتے ہیں جیسا ہم بہ زمانہ ہومر ہوتے ہیں۔ اسی غیر یقینی کے بادل آچیلز اور پیٹروکلس کے عشق کی داستان پر اہل مقدونیہ کے لئے چھائے رہے۔سکندر کے جذبات کی بلاخیزی ہمیں یقین نہیں دلاسکتی کہ آیا وہ عشاق تھے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنی کم عمری میں ایسے ہی ہوں۔ یہاں تک کہ پلوٹارک جو معاشقوں کوقلم بند کرنے میں کبھی نہیں تھکتا اور لگتا ہے جیسے اس نے ان نایاب دستاویزات کا وسیع مطالبہ کیا ہومگر اپنے سوانحی خاکوں میں ایسا دعویٰ کرنے سے قاصر ہے۔

سکندر کے ساتھ یونان کا کلاسیکل عہد اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ اس کے بعد یونان ایک کے بجائے دانش کے دو مراکز کو تسلیم کرنا شروع کردے گا یعنی ایتھنز اور اسکندریہ۔ وہ پرشکوہ نیا شہر جسے سکندر نے مصر میں بسایا تھا۔ پراچینی عہد سے بڑھ کر مردانہ جنسی مذاق نے وسیع پیمانے پر یونانی دنیا میں نمایاں اور اہم کردار ادا کیا۔ اگر ہم یونانی تمدن کو اس کے نصف النہار پر سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسے اپنے کھاتے میں لینا ہوگا۔ چاہے وہ سورمائی لگن کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہو، کھلنڈرے معاشقوں کی شکل میں یا وحشیانہ تشدد میں نظر آئے۔ مردوں کے مابین عشق جنگ ہو یا سیاست اس میں اہم عنصر رہا ہے۔ فن اور ادب میں بہتاب سے اس نے اثر چھوڑے ہیں۔ جب کہ از حد نازک اور انتہائی فلسفیانہ قیاس آرائیوں میں بھی اس نے ولولہ خیزی کی ہے۔ جہاں بھی تاریخ کی روشنی پڑتی ہے۔ اس منور دنیا کو چکا چوند کردیتی ہے جس میں ہم مرد کے لئے مرد کے عشق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

باب :۴

روم اور یونان

۳۲۳ ق م ۔ ۱۳۸ء

جنسیت اور سلطنت

سکندر کے پیروکار جو کچھ حاصل کرنے میں ناکام رہے اسے اہل روم نے آیندہ تین سو برس میں حاصل کرلیا۔ وہ تھی دور دراز پھیلی ہوئی سلطنت جسے انہوں نے قوت بازو سے مستحکم کرلیا۔ ان کی کارتھیج سے سخت جدوجہد کے نتیجے میں جب ان کا سسلی پر تسلط ہوگیا جو مغربی بحیرہ روم پر واقع تھا۔ وہ اس قابل ہوگئے کہ اپنی حکمرانی کو وسعت دے کر پہلے اسپین ،شمالی افریقہ، مقدونیہ، ایشیائے کوچک اس کے بعد گال (فرانس) تک لے جائیں پھر مصر اور برطانیہ۔رومن کو کیا شئے مجبور کرتی تھی کہ وہ یہ فتوح کریں یہ تھی جسے نطشے نے توصیفی انداز میں کہا کہ ''اقتدار حاصل کرنے کا عزم'' مراد بالادستی حاصل کرنے کا ہوکا۔کلمہ خوشنودی رومانا اپنے جلو میں امن نظم وضبط اور روم کے نئے صوبوں کے لئے خوشحالی لایا۔ لیکن یہ اپنے ساتھ محکومی اور بہت بڑی توسیع پاتی ہوئی غلامی بھی لایا۔ اس ترقی کا اس رویے پر جس طرح رومن جنسیت (تذکیر و تانیث) کو اور بالخصوص ہم جنسی پرستی کو دیکھتے ہیں معتد بہ اثر ڈالا۔

پراچینی یونان کی فتح ستم ظریفیوں سے لبریز تھی۔اہل روم کی سب سے بڑی کامیابی سماجی انتظامیہ، قانون اور انجینئرنگ تھی۔لیکن ۱۸۰ ق م تک یونان روم سے فلسفہ سائنس اورفنون میں بالادستی رکھتا تھا۔نسبتاً کھردرے اور رنگ وروغن سے محروم اہل روم اس پر مجبور

ہو گئے کہ ایسے لوگوں کی بالا دستی کو قبول کر لیں جنہیں وہ میدان جنگ میں شکست دے چکے تھے۔ تاہم ان کی داد تحسین محتاط تھی۔ یونانی تمدن کا رومن ادب اور فن پر زبردست اثر تھا جس نے شہوانی احساسات میں رنگ آمیزی کر دی تھی۔ لیکن چند قابل احترام یونانی ادارے۔ جیسے کہ جمنازیا۔ کو روم میں قدم جمانے کا موقع کبھی نہ ملا۔

ناگزیر حد تک جب اہل روم کا آمنا سامنا یونانی تہذیب سے پڑا تو انہیں یونانی ہم جنس پرستی سے واسطہ پڑا۔ یہاں بطور خاص دونوں تمدن متضاد تھے۔ اہل یونان کے لیے ایک عمر رسیدہ مرد اور ایک نوجوان کے مابین عشق کو سمجھنا معمولی بات تھی جو ایک محافظ اور بامحبت معتبر صلاح کار کی ہوتی ہے۔ جب کہ رومن بالعموم مردوں کے مابین ایسے رشتوں کو کوئی رعایتی حیثیت دینے پر تیار نہیں تھے۔ ہاں ان کے ہاں خاموشی والی کسی ممانعت کا بھی وجود نہ تھا جیسا کہ مسیحیت میں پیدا ہو گئی۔ رومن اس پر پوری طرح آمادہ تھے کہ وہ ایک ہی جنس کی ضرورت کے وجود کو تسلیم کر لیں۔ بے شک ابتدائی لاطینی ادب میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا تھا۔ رعونت آمیز انداز میں چلنے والا ہیرو جو پلاوٹسؔ کے طربیہ (The Braggasrt Soldier) (۲۰۰ ق م) وہ وجیہ نوجوان لڑکوں پر نظر رکھتا اور ساتھ ہی ساتھ عورتوں پر بھی۔ اور متعدد مردانہ ہم جنس پرستی کے سرسری واقعات پلاوٹسؔ کے دیگر کھیلوں میں بھی نمودار ہوتے ہیں۔ لیکن مردانہ عشق ایسا نہ تھا جیسا کہ یونانیوں کے لئے تھا یعنی فلسفے کا مرکزی خیال یا پھر عدالتی قصیدہ خوانی (Forensic Fanegyrics)۔ نہ ہی یہ اتنا ارفع تمدنی اہمیت کا حامل تھا اور نہ ہی اسے وہ اہمیت ملتی جو ولولہ خیز ذاتی لگن کی وجہ سے گہری جڑیں پکڑ لیتی ہے۔

اس کے برعکس ہم جنس پرستی کے تعلقات کے متعلق یہ سمجھا جاتا تھا جیسے یہ بالا دستی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہو۔ گویا ''اقتدار حاصل کرنے کا عزم'' کا ایک اضافی حربہ۔ یہ ہمیں ابتدائی رومن طربیوں میں نظر بھی آتا ہے۔ جہاں ایک ہی جنس والوں میں ہونے والی سازشیں مردوں اور آزاد پیدا ہونے والے نوجوانوں میں بلکہ یہ صرف اور صرف آقاؤں اور غلاموں کا معاملہ ہوتا۔ یونانی ایسے تعلقات کو ناپسندیدگی سے دیکھتے اور انہیں معزز آدمی کی شان کے خلاف بھی۔ لیکن یہی وہ تعلقات تھے جو اپنی نوعیت میں واحد بھی

جنہیں رومن سماج بے تکلفانہ قبول کرتا تھا۔ چونکہ اٹلی کی غلام آبادی میں تیسری اور دوسری صدی قبل مسیح میں ڈرامائی انداز میں اضافہ ہوا۔ چند صاحبان اختیار نے یہ تخمینہ لگایا کہ غلام کل آبادی کا کوئی ۴۰ فیصد بنتے ہیں۔ رومن آقاؤں کے لئے کافی مواقع موجود تھے۔ سال ۲۰۰ ق م تک مردم شماری افسر کاٹو شکایتاً کہتا ہے کہ کوئی بھی خوش شکل لڑکا ان دنوں ایک زراعتی فارم کا ہم قیمت ہے۔ غلامی کی توسیع کا اثر مخمصے میں ڈالنے والا تھا۔ ہم جنس پرستی کی فی نفسہ ممانعت یا اس پر پابندی وہاں جڑ نہیں پکڑ سکتی تھی مگر اپنے ساتھ مفعولی ساتھی پر کلنک کا ٹیکہ ضرور لگ جاتا اس لئے اہل روم مردانہ شوق کو اہل یونان کی طرح مثالی نہیں بنا سکتے تھے۔

رومن کی نظر میں ہم جنسی کے تعلقات بالذات نہ اچھے تھے اور نہ برے۔ لیکن دخول کے لئے آمادگی عورت پن اور باعث ذلت تھا۔ اگر اس نوعیت کا کام طشت از بام ہو جاتا تو باعث ملامت اور تمسخر ہوتا اور وہ بھی فاعل کے دشمنوں سے فوجی اور جنسی شکست میں مماثلت کو بہت محسوس کیا جاتا۔ ایک قابل ذکر واقعہ روم کے عظیم ترین جنرل کا ہے جو اس کی فتحیابی پر ہوا۔ جب قیصر کے سپاہیوں نے اس کی نوجوانی کے تعلقات کا ذکر جو شاہ بتھیانا سے تھے کی گا کر نقالی کی۔ ’’قیصر نے تو گال کو فتح کیا مگر نیکومیڈز نے تو قیصر پر فتح پائی۔‘‘

یونان میں کسی معزز حکمران کا لونڈا اور متوسل بن کر رہنا ایک اعزز تھا۔ جب کہ روم میں یہ باعث شرمندگی اور گستاخی پر محمول مذاق ہوتا تھا۔ دونوں زبانوں کی عشقیہ شہوانی لغت سے یہ فرق ظاہر ہوتا ہے۔ وہ سطر جس کا ابھی حوالہ دیا گیا ہے ایک ہی فعل (Subigere) بہ معنی جھکانا عوامی سطح پر اور تخلیے میں مفہوم ’’مفعول‘‘ کے ہیں۔ یونانی استعمال میں ایک رنگ (عشق) کا بھی پرتو ہوتا ہے خصوصاً ان لفظوں میں جیسے ’’لونڈے کی محبت، عاشق اور لونڈا۔‘‘ رومن عشاق سے بغل گیر نہ ہوتے اس کے بجائے (Pathici, Cinaidi, Exoleti) ان اصلاحات کے معنی آمادہ کرنا، تذلیل کرنا اور بدسلوکی ہیں۔ کسی بھی تمدنی ہیرو نے روم میں مردانہ عشق کو مثال بنا کر نہ پیش کیا جیسا آچیلز نے یونان میں، شہنشاہ نے چین میں اور بلند مرتبہ بودھی ستوا نے جاپان میں کیا۔ جو بھی ہم جنس پرستی کے اسطوری قصے ہیں وہ اہل روم نے یونان سے مستعار لیے ہیں۔

بے شک جب رومن تاریخ میں ہم سب سے پہلے ہم جنس پرستی کا سراغ لگاتے ہیں تو انہیں ہم سے ولیرس میکیسمؔس کی ''یادگار حقایق اور اقوال'' کی کتاب میں پاتے ہیں۔ یہ ایک کتاب ہے جسے تقریباً ۳۰ء میں خطیبوں اور چرب زبانی کرنے والوں کے لئے تالیف کیا گیا تھا۔ کتاب ۔۶ کوی درجن بھر بدنام زمانہ چیرہ دستیوں کو بیان کرتی ہے جن کا سبب ''پاکدامنی'' ہے۔ ان میں آدھے سے زیادہ ہم جنس پرستی سے متعلق ہیں جن میں فوجی اور سول حکام نے اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر کے اپنے ماتحتوں کو دبا کر مطلب براری کی۔ جس میں خاندانی عزت و احترام بھی معرض خطر میں پڑ جاتا ہے۔ فیبیس میکیسی مس سرویلیسؔ نے (۱۲۶ ق م) کہا جاتا ہے کہ اپنے بیٹے کو اس لئے قتل کر دیا کہ وہ مردوں کے آگے جھک جایا کرتا تھا اور اس کے بعد اس رسوای کی شرمندگی سے بچنے کی خاطر اس نے رضا کارانہ ملک بدری بھی قبول کر لی۔ سب سے پہلا واقعہ جو ۳۲۶ ق م کا ہے شاید سب سے زیادہ منکشف کرنے والا ہے۔ لیویؔ ہمیں بڑی تفصیل سے ایک اہم پیش رفت کے متعلق بیان کرتا ہے جو رومن اصول قانون کے متعلق ہے۔ ایک لڑکا جو آزاد ماں باپ کا بیٹا تھا اور جو والدین کے مقروض ہونے کی وجہ سے غلام بنا۔ اس کے آقا نے جب اس سے دست درازی کرنے کی کوشش کی تو اس کی مزاحمت پر اسے مارا پیٹا گیا۔ ارگرد کے لوگوں نے چیخ و پکار سنی اور اس کی خراش شدہ پشت دیکھی تو وہ اس نازیبا برتاؤ پر معترض ہوئے۔ تاہم اس میں قابل ذکر یہ ہے کہ وہ سینٹ کا ردعمل تھا۔ انہوں نے کوئی ایسا قانون نہ منظور کیا جس سے غلام جنسی حملوں سے محفوظ رہیں۔ اس کے بجائے یہ فرمان جاری ہوا کہ آج سے قرض کے عوض آزاد پیدا ہونے والوں کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اہل روم کے پاس دو ہی راستے تھے یا تو وہ غلاموں کو جنسی حملوں سے محفوظ بنا دیتے یا پھر غلامی کو محدود کر دیتے انہوں نے ترجیح دی کہ غلامی کو محدود کر دیا جائے۔

ولیری میکیسی مس کے مقدمات کو انتظامی یا پدرانہ انداز سے بندوبست کیا گیا نہ کہ کسی مخصوص قانون کے تحت جو ہم جنس پرستی کے خلاف ہوتا۔ ایسا اقدام تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ نام نہاد (Lex Seantinia) میں پایا جاتا ہے۔ اس قانون کے متعلق ہماری معلومات تاہم شکستہ اور غیر یقینی ہیں۔ اس کی تاریخ، حدود اور تعلق ہر چیز پر شک ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ

تجویز بارہا پیش کی جا چکی ہے کہ اسے ۳۲۶ ق م میں نافذ کیا گیا تھا۔ جب ایک رومن ٹریبون (افسر) سی سکاٹینیس کیپی ٹولینس اس الزام میں ماخوذ ہوا کہ جو اشرافیہ کے ایک بیٹے سے اسی نوعیت کے مطالبات کرتا تھا۔ مگر سلطنت روم کے قوانین قانون شکنوں کے نام پر معنون نہیں کیئے گئے بلکہ ان کے ناموں پر جنھوں نے انہیں تجویز کیا۔ اس کاٹینن قانون کا پہلی مرتبہ ذکر ۵۰ ق م میں آتا ہے وہ بھی دو لفظوں میں سیرو۔ مگر اس کا سیاق کوئی اشارہ نہیں کرتا کہ یہ کس لئے بنایا جا رہا ہے۔ شہنشاہ ڈومیشین (۸۱۔۹۶ء) ایک مہم کے دوران اس کا حوالہ دیتا ہے تاکہ جنسی اخلاقیات کو نافذ کیا جائے۔ بات تکرار کی ہے مگر یہ واضح نہیں ہے کہ صاف صاف یہ کس جرم کی سزا دینا چاہتا ہے۔ مسیحی عہد سے پہلے کی کوئی باقاعدہ عبارت جو قانون سے مربوط ہو اور وہ بھی بہ صراحت ہم جنس پرستی کے رویے سے وہ جووینّل کا دوسرا طنز ہے جو ۱۰۰ء کا ہے۔ جہاں یہ لگتا ہے جیسے کہ اسے تذلیل کرنے کی سزا سمجھا جائے۔ جس سے مراد ہے گانڈو مرد۔ اس سے ذرا سا پہلے اپنی تصنیف ''انسٹی ٹیوٹس'' میں ہمیں بتاتا ہے کہ ایک جرمانہ جو دس ہزار سسٹرسز (۲۰۰۰ ڈالر) کے برابر تھا کسی آزاد لڑکے کو ورغلانے پر کیا جا سکتا تھا۔ زیادہ تر ماہرین کا خیال ہے کہ وہ کسی سکانٹی نیان قانون کا حوالہ دے رہا ہے۔ مگر معاملہ اب بھی صاف نہیں ہے۔

اس سب کے باوجود آزاد لڑکوں کی گانڑ مارنے پر رومن سماج میں لوگ تیوری چڑھا لیتے اس طرح شادی شدہ جوڑے جب ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے یا پھر کنواری بیٹیوں کو ورغلانے پر بھی ایسا ہی ردعمل ہوتا۔ یہ تمام حرکات گھر کے سربراہ کی عزت اتارنے کے برابر تھیں۔ ایک خطیب جس کا نام ہیٹیریئس تھا عہد آگسٹ میں عدالتوں میں وکالت کیا کرتا۔ اس کے دلایل مجمل ہوتے ''کسی کی عزت لوٹنا اور آزاد لڑکے کے لئے تو یہ بڑی رسوای ہے۔ جس کی ایک غلام کو بھی ضرورت ہے اور فرض ہو جاتا (آزادی مل جانے کے بعد) ہے آزاد شخص پر۔'' روم میں غلامی سے آزادی ایک سماج اور مذہبی طریقہ کار کے تحت ہوتی جس سے آزاد ہونے والا غلام سے پھر بھی توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ چند خدمات انجام دے گا۔ جس میں بسا اوقات (اپنے آقا سے جنسی اختلاط) بھی ہوتا۔ لیکن آزاد لڑکوں سے چوں کہ جنسکاری کی حوصلہ شکنی کی جاتی اسے اس لئے تحقیر میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ فاتح کو

دو صفات کا حامل سمجھا جاتا جس کا خمیر ملامت اور رشک کا ہوتا جیسا کہ ہم ہر سماج میں کوی ڈون جوآن تلاش کر سکتے ہیں۔

سیسرو اور رومی سیاست:

ریپبلک (عوام کی) کے ماتحت سینٹ روم کا سب سے زیادہ قابل احترام ادارہ تھا۔ یہ بات جایز ہوگی اگر کہا جائے کہ یہ دنیا بھر میں بحث و مباحثہ کا سب سے عظیم ادارہ تھا۔ اور سیسرو اس کا سب سے زیادہ قابل تحسین مقرر تھا۔ لیکن اسمبلی کے وقار نے کبھی بھی کوئی تکلف نہ عاید کیا چاہے معاملہ جنسکاری ہی کا نہ ہو۔ شادی شدہ لوگوں کی چوری سے جنسکاری کی الزام تراشی ہو، تزدیج محرمات کا معاملہ ہو اور چاہیے ہم جنس پرستی ہو یہ سب عام بات تھی۔ ایسی الل ٹپ واہی تباہی چیزوں میں سب سے کم دلچسپ چیز روم کی عوامی زندگی کا حصہ تھی۔ اس کا کوئی سنجیدہ اثر ہوتا تھا یہ ایک سوال ہے۔ ایک دوسرے پر اتنا کیچڑ اچھالا جاتا کہ اس کا اثر گھٹ کر رہ جاتا۔ جولیس سیزر اور دوسروں نے ایسے حملے نہ جانے کتنی مرتبہ جھیلے۔ بظاہر ٹوٹ پھوٹ بھی بہت کم ہوتی۔ اس قسم کی رسوایاں سیاسی مباحثوں میں چٹ پٹا پن پیدا کر دیتیں۔ اگرچہ اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا۔ اگر ہم جنس پرستی کے الزامات نے قدیم روم میں سیاستدانوں کی عوامی زندگی کو ختم کر دیا جیسا کہ ان ہی چیزوں نے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے برطانیہ میں رنگ دکھایا ریپبلک کی آخری صدی جو متلاطم تھی اس زمانے میں روم کا سیاسی اسٹیج متعدد اشیا سے محروم رہ جاتا مثلاً سلا، پومپئی، کاٹی لاین، قیصر، کلوڈیس، مارک انٹونی اور اوکٹاویس۔ مختصراً یہ اپنے ممتاز کھلاڑیوں سے خالی رہتا۔

سیسرو کی بچ جانے والی تقاریر سے بدرجہ اتم معلوم ہوتا ہے کہ سیاستدان ان اداروں کو کیسے استعمال کرتے تھے۔ سیسرو نے ٦٠ ق م میں ویرس کو سولی دے دی جو سسلی کا گورنر تھا۔ اس پر یہ الزام لگایا کہ اس نے مالیاتی بدعنوانی کیں اور یہ الزام بھی دھرا کہ اس نے شادی شدہ عورتوں پر تشدد کیا اور آزاد نوجوانوں پر بھی۔ اس سے بھی بدتر وہ ایسا شخص نہ تھا جو ''ہمیشہ عورتوں میں رہے'' بلکہ ''ایک گھٹیا اور ذلیل عورت ہے جو مردوں میں بیٹھے۔'' دس

سال کے بعد سیسرو نے کیٹا لائین پر اپنا معروف حملہ کیا۔ جس نے دلبرداشتہ ریڈیکل سے مل کر سازش کی اور اشرافیہ کے مقروض لوگوں کو ملا کر ریپبلک کو ختم کرنے کے لئے کوششیں کیں۔ اس نے اپنے پیروکار کو مخنث بیان کیا جو ''عشق کے لیے بے تاب'' اور (مزید رسوا کرنے کے لئے) کہ انہیں ''اغلامی بنالیا جائے، پبلی راس کلوڈی اس پلچر جو ایک رئیس تھا جو اپنے طبقے کو دھوکا دے کر فرار ہو گیا اور سڑکوں پر مجمعوں کا رہنما بن گیا اسی نے سیسرو کو ۵۸ ق م میں ملک بدر ہو جانے پر اکسایا تھا۔ اس پر یہ الزام لگا کہ اس نے متعدد عورتوں سے معاشقہ لڑایا جن میں اس کی بہن بھی تھی۔ ان الزامات میں سیسرو نے کسی اور الزام کا اضافہ نہ کیا صرف یہ الزام دھرا کہ لڑکپن میں یہ ''دو غلیظ دولتمندوں کا اوباش معشوق'' تھا۔

قیصر کے قتل کے بعد۔ سیسرو نے اپنی نہایت مشہور سیاسی مہم کا آغاز کیا۔ وہ بھی مارک انٹونی کے خلاف۔ لعنت ملامت کے سخت تواتر میں ہمیں معلوم ہے کہ اپنی تاریخی تقاریر میں اس نے متواتر انٹونی کے اخلاق، چال چلن اور اس کی مردانگی کو نشانہ بنایا۔ جدید تصورات کے پس منظر میں جن کی پرورش شیکسپیر اور ہالی وڈ نے کی ہے انٹونی ایک رومی ہم جنس پرست تھا وہ بھی اعلیٰ درجے کا۔ اپنے ہم عصروں کی نظر میں اس کی شہرت لونڈوں کے پرجوش شکاری کی تھی۔ (یہودی مورخ جوسے فس بیان کرتا ہے کہ شاہ ہیروڈ نے اپنے سولہ سال کے خوبصورت سالے کو اس کے حوالے کر دیا) سیسرو نے تو ایک اور واقعے کی تصدیق کی ہے جو واقعی تباہ کن تھا۔ الزام لگاتے ہوئے کہ انٹونی اپنی جوانی میں خود کو عمر رسیدہ مردوں کو بیچ ڈالتا تھا۔ سیسرو اپنی دوسری تاریخی تقریر میں ایک خلاف معمول بے تکلف تصویر پیش کرتا ہے جو متلاطم روم میں ایک داستان عشق ہے۔

> ''تم نے ایک مرد (جو ۱۷ برس کا ہے) کی عبا قبول کی اور فی الفور تم بدل کر طوائف بن گئے۔ ابتدا میں تم ایک عمومی طوائف تھے تمہاری رسوائی کی قیمت طے شدہ تھی۔ جو قلیل بھی نہ تھی۔ مگر کیوریو کہیں سے نمودار ہوا جس نے تمہیں نمائشی چالوپن سے نکال لیا اور جیسے اس نے تمہیں بوا کی پوشاک دے دی ہو۔ تمہیں ایک دیرپا اور مستحکم شادی کے بندھن میں رکھ دیا ہے۔ نہ کوئی لڑکا کبھی ہوس کے مقاصد کے لئے خریدتا ہے اور وہ چاہے کتنا ہی اپنے آقا کے چنگل میں ہو جتنا کہ تم کیوریو کی

گرفت میں تھے۔ بتاؤ تو کہ کتنی مرتبہ اس کے باپ نے تمہیں اپنے گھر سے نکالا؟
کتنی مرتبہ یہ ہوا کہ اس نے چوکیدار رکھا کہ کہیں اس کی دہلیز نہ پار کرلو! لیکن تم پھر
ادا بدا کر کیونکہ رات تمہاری معاونت کرتی ہے اور تم ہوس کے کہنے اور اپنی تنخواہ کی
مجبوری کے ہاتھوں چکنے فرش پر اکثر پھسلتے رہتے ہو۔''

انٹونی کا عاشق گالیس اسکری بونیس کیوریو، سسرو کے دعویٰ کے مطابق اس سے ملتجی ہوا کہ وہ اپنی مدافعت کرے اگر اس کا باپ اس پر اس لئے مقدمہ دایر کردے کہ مجھے ساٹھ لاکھ سسٹرسز (۱۲۰۰۰۰ امریکی ڈالر) دلائے جائیں جو میں نے انٹونی کو اس لیے دیے تھے کہ وہ قرض خواہوں سے جان چھڑا لے۔

لیکن سسرو کی تقریر میں کانٹے کا ڈرامائی لمحہ وہ ہوتا ہے جب انٹونی نے سر عام قیصر کو تاج پیش کردیا۔ انٹونی پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ رومن لوگوں کے لئے ''غلامی'' چاہتا ہے۔ سیسرو نہایت غور سے اپنے معاملات کیوریو سے سنتا ہے۔ ''تمہیں چاہیئے تھا کہ صرف اپنے لئے مانگتے کیونکہ تمہاری زندگی لڑکپن سے ظاہر کرتی تھی کہ تم کسی بھی شے کے لئے اوندھے پڑ سکتے ہو اور نہایت آسانی سے غلام بن سکتے ہو۔'' اپنے تیرہویں تاریخی خطاب میں سیسرو اپنا تمثیلی استدلال دہراتا ہے ''چونکہ اس نے لڑکپن میں ان لوگوں کی ہوس کو بھگتا ہے جو اس پر بطور آقا مسلط تھے۔ کیا وہ بھی اسی طرح ہمارے بچوں پر بطور آقا مسلط ہونا نہ چاہے گا؟''

اپنی فلسفیانہ تحریروں میں سیسرو افلاطون کا ذکر نہیں کرتا رواقیوں کا بلکہ اپی کیورس کا جس کے خیال میں مثالی حیات ایسی ہوتی ہے جس میں آرام میں خلل نہ پڑے اور اس کی دانست میں عشق طمانیت کے لئے دائمی خطرہ ہے۔ اپی کیورس کا سب سے ممتاز لاطینی ہیرو لکریشیس تھا۔ جو کتاب چہارم (On the nature of things) میں ایک نہایت واضح مگر ایسی ڈراؤنی تصویر پیش کرتا ہے جس کا تعلق جنسی جنون سے ہوتا ہے۔ جس میں اس کے مادی نقطہ نظر سے عشق میں کمی آنے لگتی ہے اور گھٹ کر جسمانی مظہر بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی لڑائی میں زخم آنے پر خون ابل کر دشمن ہی پر گرتا ہے جس نے ضرب لگائی تھی۔ اس لئے وہ شخص جسے سیاہ زہرہ نے گھایل کیا ہو تو بقول لکریشیس وہ

ایذا رساں کی جانب کھینچتا ہے چاہے وہ ''ایک لونڈا ہو جس کا جسم زنانہ پسلیوں کا بنا ہو یا پھر کوئی عورت ہو جس کا پورا جسم عشق افشانی کرتا ہو۔'' لکریشیس کی نگاہ میں عشق کوئی الوہی جنون نہیں ہے جیسا کہ فائیڈرس میں تھا بلکہ ایسی دیوانگی ہے جسے ہمیں طبی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے۔ زخمی مردوں کو جنسکاری سے منہ نہ موڑ لینا چاہیے بلکہ عشق کے چرکوں کی بے اصولی والی جنسکاری کے ذریعے چارہ گری کرنا چاہیے۔ ''ایسا نہ سوچنا کہ اس عظیم جنون سے پہلوتہی کرنے سے تم زہرہ کی مسرتوں سے محروم ہو رہے ہو۔'' وہ قارئین کو یقین دلاتا ہے۔ ''خاطر جمع رکھو کہ اس مسرت سے ایک ظاہر شکل میں بھی لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے جس کے لئے صحت مند طریقہ بھی ہوسکتا بجائے عشق زدہ کے۔

فلسفیانہ مباحثوں میں عشقیہ نقطہ نظر کو سیسرو ٹکلم کے مقام پر اپنی حویلی اس طرح سجاتا ہے جو اس کی طرح ترش ہے۔ یہ جان کر بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ یونانیوں کی تحریروں کے ضخیم نسخوں کے مقابلے میں چار یا پانچ صفحات جو کتاب ۴ میں (Tusculan disputations) میں آئے ہیں ان میں موضوع عشق کا بہ نظر عمیق جائزہ لیا گیا ہے جو لاطینی تنزل میں ہمیں دستیاب ہے۔ یہ اس ماجرے میں دستیاب ہے جسے روح کا ''ناپسندیدہ اضطرار'' کہتے ہیں۔ یہ لکریشیس کے متوازی ہیں۔ لاطینی زبان کے مزاحیہ شاعر سائے سلیس کا حوالہ دیتے ہوئے کہ ہوسکتا ہے کہ عشق عقل ہو یا پھر بے حسی یا سودا یا پھر پسندیدہ، سیسرو محض منفی فیصلوں کو قبول کرتا۔ میڈیا کا جیسن کے لئے تباہ کن جنون اس کی نظر میں عشق کا نقش اول ہے۔ افلاطون اور زینو عشق کی قدر و قیمت آنکنے میں غلطی پر تھے۔ اپی کیورس درست تھا۔

عشق کا ملک سیسرو کے خیال میں یونان کے بدنام زمانہ جمنازیم میں پیدا ہوا۔ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شے پاک عشق نام کا وجود رکھتی ہے تو عقل یہ کہتی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔ کیونکہ یہ اپنے جلو میں صرف دشواریاں اور تشویش لاتا ہے۔ سیسرو لکریشیس کے متوازی طریقہ علاج پیش کرتا ہے۔ عاشق کو لازماً یہ دکھایا جائے کہ اس کا مرکز محبت کس قدر قابل نفرت ہے اور ماحول کو بدل کر توجہ بٹائی جائے اور نئی دلچسپیاں پیش کی جائیں۔ اگرچہ سیسرو بس بے اصولی والی جنس کاری کی حمایت سے اجتناب کرتا ہے۔

یونانی عشق آینیڈ میں:

اہل روم کی ہم جنس پرستی کے خلاف جارحیت کو دیکھتے ہوئے یہ سب کچھ حیران کن لگے گا کہ کوئی لاطینی مصنف کوئی سنجیدہ کوشش کرتا اور یونانی عشق کو اپنے ہاں پروان چڑھالیتا۔ اس کے باوجود ایک شاعر نے یہ کارنامہ انجام دینے کی کوشش کی۔ زیادہ تر رخوں سے آینیڈ ایک قدامت پسند نظم ہے۔ جس میں آئے نیاز کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ جس نے ٹرائے کے سقوط کے بعد اٹلی میں ایک بستی بسائی رومن جس سے اپنا سلسلہ نسب ملاتے ہیں۔ الیئڈ کو ذہن میں اپنا ماڈل مان کر ورجل نے اپنی نظم کو رومن سامراج کا چرچا کرنے کے واسطے شاہکار تخلیق کیا۔ آگسٹس کی پالیسی کی پیروی کرتے ہوئے اس نے یہ چاہا کہ ''اپنے پرکھوں کی روایات'' کو حیات نو دی جائے ایک ایسی قوم کے درمیان جہاں ہر چیز تیزی سے ناپید ہوتی جارہی تھی۔ نظم کا مرکزی خیال تو ہے ''والہانہ وابستگی'' باپوں سے، خداؤں سے، قومی مقاصد سے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ ردمن لازماً اپنی انفرادی آرزویں مملکت اور اس کے ابد پر قربان کردیں۔ ایسے جذباتی رویوں کی حامل قوم سے ہم یہی توقع رکھ سکتے ہیں کہ یہاں عشق پر فرض ہی فتحیاب ہوگا۔ اور بالعموم یہی ہوا۔ ڈائیڈو جو کارتھیج کی ملکہ تھی ایک ہمدردی کی مستحق شخصیت ہے لیکن آئے نیاز جو خدائی احکام کا پابند ہے اس پر لازم تھا کہ وہ اسے چھوڑ کر اٹلی میں واجب فرایض پورے کرے۔ لگتا ہے کہ جیسے ورجل یہ کہہ رہا ہو۔ ''جنگ لڑو محبت ترک کرو۔'' تو ہم یہ پاکر حیران رہ جاتے ہیں کہ ایک شوق عظیم سے آینیڈ میں نہ صرف درگزر کیا جاتا ہے بلکہ اسے جوش وخروش سے تقلید کرنے کے لئے بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اور معاملات عشق کو ''صرف یونانی انداز'' میں جیسا کہ رومن کہتے ہیں۔

ہم پہلی مرتبہ نایسس اور یوریالس سے کتاب ۔۵ میں ملتے ہیں جب آئے نیاز سسلی میں اس لئے توقف کرتا ہے کہ وہ اپنے متوفی باپ کی یاد میں ماتمی کھیلوں کے ذریعے تقریبات مناسکے۔ بیتاب لوگ قدموں کی دوڑ میں شرکت کے لئے صف بستہ ہیں۔

نایسس اور یوریالس اگلی صف میں کھڑے ہیں حسن کے معاملے میں یوریالس ایک ممتاز شخصیت ہے اوراس کی وجاہت کی رعنائی کا نایسس دیوانہ ہے۔ کتاب۔9 میں اہل ٹروجن اٹلی میں داخل ہوجاتے ہیں اور وہ روشولین کے حصار میں آجاتے ہیں۔ جب کہ ان دنوں آئے نیاز کسی سفارتی مہم پر نکلا ہوا تھا۔ عاشق اچانک دوبارہ نمودار ہوجاتا ہے اس مرتبہ فوجی فرایض بھی سنبھالنے کو تیار ہے۔

> نایسس ایک پھاٹک کا محافظ ہے۔اور مسلح بھی ہے اور دل کا جنگجو ہے۔
> یوریالس اس کا ساتھی ہے اور زیادہ وجیہہ ہے آئے نیاز کے کسی بھی سپاہی سے بڑھ کر وہ ٹروجن ہتھیاروں سے مسلح ہے۔ ایسا لڑکا جس کے گال کی ڈاڑھی منڈی ہوئی نہیں ہے مگر ابتدائی جوانمردی نمایاں ہے ایک عشق نے انہیں یکجا کردیا ہے اور شانہ بشانہ وہ رزم میں داخل ہوگئے۔ جیسا کہ اس رات انہوں نے کیا تھا۔ وہ پھاٹک جس پر وہ پہرہ دے رہے تھے۔

نایسس کے ذہن میں ایک جرأت مندانہ منصوبہ آیا۔ اس کی نیت تھی کہ وہ رات کے اندھیرے میں محاصرین کے بیچ سے نکل جائے اور آئے نیاز کے لئے ایک پیغام لیتا جائے جسے ابھی تک معلوم نہ تھا کہ اس کے دستے کن خطرات سے دوچار ہیں۔ جب یوریالس اس سے ساتھ چلنے کی التجا کرتا ہے تو نایسس ابتدا میں آمادہ نہیں ہوتا۔ لیکن بعد میں لڑکے کی مان لی جاتی ہے اور دونوں روانہ ہوتے ہیں اور سوتے ہوئے دشمن کا قلع قمع کرتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ پھر گھنے جنگل کی تاریکی میں اپنے ساتھی سے بچھڑ جاتے ہیں۔ یوریالس خود کو خونخوار سپاہیوں کے نرغے میں پاتا ہے۔ نایسس جن کو غچہ دینے کے لئے چیختا ہے اور طنزیہ جملے بولتا ہے مگر بے سود۔ یوریالس ٹکڑے ٹکڑے کردیا جاتا ہے۔ نایسس غم کا مارا یوریالس کے حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑتا ہے اور خود بھی قتل ہوجاتا ہے۔ وہ لڑکے کی نعش پر مردہ ہوکر گرتا ہے۔

بات صاف ہے ورجل اس بات کے لئے کوشاں ہے کہ اس لاطینی نظم میں ایسے عشق کو شامل کردے جو آچیلز اور پٹروکلس کے درمیان پائی جانے والی جاں نثاری کے ہم پلہ ہوجائے جس کا ذکر ایلیئڈ میں آیا ہے۔ وہ بیک وقت رومن روایات اور سیسرو اور لکریشیس

کے درمیان پائی جانے والی کلبیت کو للکار رہا ہے۔ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ جنسی معاملات میں مفعول بننا رومن کی تشویش نے ان کے لئے یہ دشوار بنا دیا ہے کہ وہ یونانی مثالیت کو قبول کرلیں مگر ورجل پر اس طاعون کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ اس بندھن کو اہمیت دیتا ہے جو بالذات محافظ ہے، جاں نثار ہے اور اپنے ہی لئے سور مائی ہے۔ اپنی فوجی افادیت سے ہٹ کر۔

اس کے علاوہ لگتا ہے کہ یونانی انداز فکر نے اس کی اپنی ذات کو بھی کسی حد تک متاثر کیا ہے۔ ورجل کی سوانح حیات کا ابتدائی مصنف بھی خود شک میں تھا۔ ممکن ہے یہ سوٹونیس تھا ڈوناٹس۔ لیکن خاکے کی کردار سازی سے یہ مترشح ہے کہ شاعر چاہتا ہے اور خصوصاً جب لڑکوں کو ہدایت دیتا ہے۔ کیونکہ یہ کسی سوانح نگار کے منصب کے خلاف ہے کہ کسی مخصوص جنسی نقطہ نظر کو رومن سے منسوب کر دے۔ ہاں ہم یہ مانے لیتے ہیں کہ ورجل کی شخصیت کا یہ گوشہ اپنے ہم عصروں پر بہت بھاری پڑا۔ یہ بھی اس لئے ہوا کہ لگتا ہے کہ ورجل نے اپنے منظور نظر لڑکوں کے لئے ایسا رویہ اختیار کیا جسے ہم محافظت والا کہہ سکتے ہیں یا یونانی عشاق کا تیمارداری کرنے والا کردار ہو اور ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ہو۔ جیسا کہ اس کا سوانح نگار بیان کرتا ہے ''وہ بالخصوص لڑکوں کے جنون عشق پر مایل رہتا اور اس کے خصوصی منظور نظر سی بیز اور سکندر تھے۔ جنہیں وہ اپنی دوسری کتاب (Bucolics) میں ایلیکسیس کہتا ہے۔ یہ لڑکا اسے آسینیو پولس نے دیا تھا اور اس کے دونوں معشوقوں نے کچھ تعلیم بھی پائی۔ جب کہ سیبس تو شاعر بھی بنا۔

جب آئینڈ کی کتاب ۔۹ میں نائیسیس مرجاتا ہے اور ورجل مردہ عشاق کو یوں خطاب کرتا ہے اور ایک پیش گوئی کرتا ہے۔

دونوں ہی خوش نصیب اگر میرے نغموں میں ذرا سا بھی اثر ہے
کوئی بھی مستقبل کی تاریخ تمہیں کہیں پہنچائے گی
ذہن میں محفوظ دستاویزوں سے باہر
جب آئے نیاز کے بچے اپنے گھر بناتے ہوں گے
دارالحکومت کے گرد جمی ہوئی چٹانیں

اور تب بھی رومن باپ تم پر حاکم ہوں گے

لیکن ورجلؔ غلط نکلا۔ نالیسؔ اور یوریالسؔ بھی کبھی عشق کی مثال بن سکے اور نہ ہی اہل روما کی جرأت کے نشان ۔ جیسا کہ آچیلزؔ اور پیٹروکلسؔ اور دیگر ظالم کُشی کرنے والے اہل یونان کے لیے۔

میلی گر اور کلی ماکس:

اس سب کے باوجود لاطینی شہوت آمیز شاعری پر یونان کے صاحب دیوان شعرا کا گہرا اثر تھا جو چھٹی اور پانچویں صدی ق م میں گزرے یا ان کے تابعین میں سے تھے۔ یہ بیاضیں کوئی ۳۷۰۰ مزاحیہ مختصر نظموں کی حامل ہیں جو کوئی تین سو سے زیادہ شعرا کی فکری کاوشیں ہیں۔ جنہیں بازنطینی عالم کالسٹین ٹی نس سی فلاسؔ نے کوئی ۹۱۷ء میں ایڈٹ کیا۔ وہ دونسخوں کو صرف عشقیہ شاعری کے لئے مخصوص کر دیتا ہے۔ جب کہ کتاب ۔۵ کوئی ۳۰۹ مختصر نظموں کی حامل ہے جو عورتوں سے عشق والی ہیں۔ لیکن کتاب ۔۱۲ اس کی ہمسری اس طرح کرتی ہے کہ اس میں ۲۵۸ نظمیں ہیں جو لڑکوں کی محبت پر ہیں جو کوئی ایک ہزار برس سے زیادہ عرصے میں مرتب کی گئی ہوں گی۔ یعنی ۶۰۰ ق م سے لے کر ۶۰۰ ء تک۔

یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ کتاب ۔۱۲ کا مرکزی نکتہ نام نہاد میلی گرؔ کا ہار (Garland of Meleager) جو نظموں کا ایک مجموعہ تھا جو ۶۰۰ ق م میں منصۂ شہود پر آیا تھا۔ میلی گرؔ ایک شامی تھا جو گادارا (یہ ان دس یونانی مقبوضات کے مجموعے میں سے ایک تھا جو فلسطین میں ڈیکاپولس کہلاتا تھا) کا رہایشی تھا۔ جس میں شوق کے علاوہ مشرقی شادانی بھی تھی ساتھ ہی کھلنڈری سورمائی بھی۔ اس کی نظمیں جن میں چالیس سے زیادہ لڑکوں سے مخاطب کر کے کہی گئی ہیں اور مزید چالیس عورتوں سے وہ شاعرانہ استعاروں سے لبریز ہیں کہ وہ تکرار کے خلاف ہے۔ اگر کوئی لڑکا پر دار ہوا ور تیر رکھتا ہو تو وہ خود ایروز بن سکتا ہے، اس لئے وہ ۵۶ ویں نظم میں پراکسی ٹیلزؔ کو ۷ ویں نظم میں زویلسؔ کو اور اینٹیوکسؔ کو ۸۷ ویں نظم میں، اپنے دوستوں کو مذاقاً گھبرا دیتا ہے اور کہتا ہے جلدی کرو، مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو میں نے

ڈای نوسیسؔ۔ جو ایک امرد ہے اسے دیکھنے کی جرأت کی ہے۔ نہ کہ خدا کو۔ اسے اندرا گاتھسؔ حالت سرمستی میں لے جاتا ہے اور مایوسی غلبہ پالیتی ہے اسی طرح ڈای ڈورسؔ، چاری ڈیمسؔ اور کلیو بولسؔ اور وہ قدرے ہیراکلیٹسؔ ، ڈایونؔ، یولی آڈزؔ، فلوکلزؔ، ڈایوفانٹسؔ، ایرسٹا گورسؔ، تھیوکلز اور سوپولسؔ وغیر ہم سے بھی متاثر ہوتا ہے۔ (یہاں پر لبھانے والی عورتوں کی بھی ایک فہرست موجود ہے) اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے جب وہ مارے خوشی کے کہتا ہے ''آرزو کا تیز جھکڑ تو مجھے طوفان میں ایک تنکے کی طرح اڑائے لے جا رہا ہے۔ کیونکہ میں اب رنگا رنگ لڑکوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔'' ہاں وہ چند منظور نظر نام بھی بیان کرتا ہے کیونکہ ان کی دلکشی نے اسے (عارضی طور پر) اندھا کر دیا اور دوسروں کو بھی۔ وہ چاری ڈیمس کے متعلق فلسفیانہ رنگ اختیار کرتا ہے۔ اگر زیوسؔ اسے جیت کر لئے پھرتا ہے جیسے وہ دوسرا گینی میڈؔ ہو۔ وہ تو صرف یہ مانگتا ہے کہ ایک ''میٹھی اور پگھلا دینے والی ترچھی نظر'' اور بوقت رخصت ایک بوسہ لیکن مسکسؔ کی خاطر وہ خود خدا سے لڑے گا۔ زیوسؔ نے عہد کیا تھا کہ وہ اسے نہ لے جائے گا۔ لیکن میلی گرؔ اتنا پریشان ہے کہ اگر وہ کسی اڑتی مکھی کی بھنبھناہٹ بھی سن لے۔ اس کے لئے یہ زیوسؔ شاہین بھی ہوسکتا ہے بسا اوقات وہ عورتوں کو ترجیح دینے کا بھی اعتراف کرتا ہے۔ لیکن وہ صرف اس میں ہی نہیں ہر معاملے میں گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہے۔ یہ سپرسؔ (افروڈایٹ) ہے، ایک عورت جو ہم پر عورتوں کے شوق کا الاؤ جلاتی ہے۔ لیکن عشق (ایروز) خود لڑکوں کی آرزو کو دبوچ لیتا ہے۔ میں کدھر جھکوں لڑکے کی جانب یا اس کی ماں کی طرف؟ میں یقین سے تو اس وقت بولوں گا جب سپرسؔ خود بول اٹھے گی ''جراتمند چھوکرا ہی جیتتا ہے۔''

ہم جنس پرستی والی شاعری کا رجحان لاطینی شاعری میں کم از کم میلی گرؔ سے شروع ہوتا ہے اس موضوع پر روشنی آولس جیلیسؔ سے پڑتی ہے۔ ایک ادیب جو ایتھنز میں ڈھائی صدی بعد لکھتا ہے۔ اس کی قدیم ایتھنز کی راتیں (Attic Nights) جو یونانی اور لاطینی ادیبوں کی گفتگو ہے جو اپنے ادبی تمدن کا موازنہ کرتے ہیں۔ اور گمشدہ مصنفین کے متعلق بہت سی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ ایک لاطینی گومہمان ایک سمپوزیم میں قدرے گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے جب یونانی یہ شکایت کرتے ہیں کہ لاطینی شاعری قاطع باہ معلوم ہوتی ہے مراد

یہ ہے کہ افروڈایٹؔ کی جنسی کشش کے بغیر۔ اس سلسلے میں وہ لاطینی شاعروں کی ابتدائی چار نظمیں سناتا ہے۔ جن میں سے دو میں خطاب مردوں سے ہے۔ ایک تو والیرس آئے ڈیٹسؔ کی ہے جو بہ زمانہ ماریسؔ اور سلاؔ پہلے ہی یونانی مختصر شہوانی نظموں کی نقالی کر رہے تھے۔

اوفی لیروزؔ، کیوں ہمیں ایسی مشعل دیتا ہے جس کی ہمیں ضرورت نہیں
ہم جیسے ہیں ویسے ہی ہم چل دیں گے، ہمارے دل فروزاں
ایسا شعلہ جسے کوئی بھی جنگلی آندھی کا جھکڑ گل نہیں کر سکتا
یا پھر وہ برسات جو آسمان سے موسلا دھار برستی ہے
ناہید ماہ پارہ بھی اس آگ کو سرد نہیں کر سکتی
نہ ہی کوئی ایسی طاقت ہے جس میں اس کی قوت ہو

دوسری ہم جنس پرستی پر نظم ویلیرسؔ کے ہم عصر کنٹس کاٹولسؔ کی کہی ہوئی ہے۔ جو ۱۰۲ ق م میں ماریس میں کونسل کے عہدہ پر تعینات تھا۔ کاٹولسؔ سیپیو کے حلقے کا رکن تھا۔ وہ اشرافیہ کا دانش ور تھا اور بطور سیاستدان شاعر اور سپاہی کے فوج میں شاندار خدمات انجام دے چکا تھا۔ تاہم اسے تذبذب یہ تھا کہ وہ یہ فاش کر دے کہ وہ بڑے شد و مد سے ایک اور مرد تھیوٹائمسؔ کے عشق میں مبتلا رہ چکا ہے۔

لاطینی ادب اپنے عہد زریں میں پہلی صدی ق م میں داخل ہوا اور یونانی مثالیت سے واضح طور پر نجات پالی۔ سب سے زیادہ زور غنائی شاعری پر تھا جسے سکندری مکتب کہتے ہیں۔ جو پراچینی مصر میں کوئی دو صدی پہلے پروان چڑھا تھا۔ سکندری مکتب سب کچھ چھوڑ کر باوقار ہییت، جلا اور ظاہر داری پر زور دیتا اور ان کے نزدیک اعلیٰ صفت علمی فضیلت تھی۔ ان کا رہنما کالی میکسؔ تھا جس نے تیسری قبل مسیح میں تصنیفی کام کیا اور ایک مشہور کتب خانے میں ایک اہم عہدہ پر کام کیا اور وہ والٹ وہٹمین نہ تھا ''میں تمام عام چیزوں سے متنفر ہوں'' اس نے ایک مختصر مزاحیہ نظم میں لکھا۔ ایذرا پاونڈؔ اور ٹی۔ ایس ایلیٹؔ کی طرح اس نے بالقصد ایک نیا طرز ایجاد کیا اور اس پر قانع تھا کہ اس کے سامعین کی تعداد مختصر ہے مگر وہ صاحبان علم ہیں۔ اگر چہ کالی ماکسؔ نئی طرزوں کا موجد تھا وہ شہوانی روایات کا پیرو

تھا۔ اس کی کوئی درجن بھر مختصر شہوانی نظمیں یونانی بیاض کی کتاب ۱۲۔ میں ملتی ہیں۔ جتنا وہ نازک طبع عشق میں تھا اتنا ہی فن میں۔ وہ ہوتا تو میلی گرکو رد کر دیتا۔ میں رزمیہ نظموں سے متنفر ہوں نہ ہی مجھے اس سڑک پر کسی قسم کی خوشی ملتی ہے جو لوگوں کو لاتی اور لے جاتی ہے۔ میں تو ان سے بھی کراہت محسوس کرتا ہوں جو گشتی عاشق ہوتے ہیں اور نہ ہی میں ہر کنویں کا پانی پیتا ہوں۔ وہ معذرت خواہ ہے کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے احساسات کے وحشی کو بے لگام کر کے فرار ہونے دیا تھا۔ اس کے لئے آپ عشق اور شراب کو الزام دیں۔ وہ رات گئے ایک لڑکے کے دروازے پر پہنچا لیکن وہ احتجاج کرتا ہے کہ اس نے اس کو پکار کر کسی نوعیت کی افراتفری نہ پھیلائی۔ اس نے تو محض دیلیز کو بوسہ دیا تھا۔

کاٹللس اور ٹی بللس:

کاٹللس روم کا پہلا عشقیہ شاعر جس کی مختصر زندگی ۸۴ سے ۵۴ ق م تک چلی۔ اس نے کالی میکس کو خراج تحسین پیش کیا اور اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے منظر پر آنے سے ہر چیز ڈرامائی رنگ اختیار کر لیتی ہے ورنہ عشق اور جنس پر رومن خیالات کتنے زیادہ بٹے ہوئے تھے۔ لایوی نے ایک سخت گیر پارسائی پر مایل ابتدائی روم کی تصویر کشی کی ہے۔ ایک ایسا سماج جس کے جفاکش کسان جو نہ تو عیش وعشرت جانتے تھے اور نہ ہی اڑاؤ اور کھاؤ تھے۔ کاٹللس جو ان مثالی نظریات کا ہم خیال نہ تھا اس نے ایک ایسے عہد کی بنا ڈالی جس میں شعرا نے روایات سے انحراف کیا اور صحیح معنی میں جیسا کہ چاہئے ایک شہوانی بغاوت کر دی۔ اتنا مشہور کہ جیسے ''سیفو ویت'' کی عاشق (جس کا ذکر وہ تعریف سے کرتا ہے اور سرشار ہو کر اور ختم کرتے میں کوستے ہوئے مغلظات بکتا ہے) اور اپنی داشتہ کو جھڑکتا ہے'' کہ ہمیں عشق کرنا چاہئے اور زندگی بسر کرنا چاہئے اور ہمیں اس کی ساری گفتگو کو دھیلے بھر اہمیت نہ دینا چاہیئے کیونکہ وہ چڑ چڑے اور کھوسٹ لوگ ہیں۔'' اسی نظم میں وہ اس سے التجا کرتا ہے کہ وہ مجھ پر ہزارہا بوسے ارزاں کرے۔ تا کہ اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ وہ دونوں جنسوں سے غیر جانبداری برتتا ہے۔ وہ بعد میں ایک لونڈے سے مخاطب ہوتا ہے جس کا

نام جووینٹیئس ہے جسے وہ فیاضی سے عطا کرتا ہے۔

اگر مجھے اس کی اجازت ہو کہ میں اسے چوم بھی لوں
تیری شیریں آنکھیں جووینٹیئس
میں انہیں کوئی تین لاکھ مرتبہ چومتا چلا جاؤں گا
تب بھی یہ ہوگا کہ جیسے میں سیر ہو چکا ہوں
نہ ہی ایسا لگے گا کہ جیسے میں گلچیں کی طرح بوسے اتار رہا ہوں
اور وہ اتنے ہی انگنت ہوں گے جیسے بھٹّوں کے بال

بالعموم یہ قیاس کرلیا جاتا ہے کہ لاطینی نظمیں جن میں لڑکوں کو مخاطب کیا گیا ہے وہ غلام لڑکے تھے۔ کاٹولس نے لگتا ہے اس ممانعت کی اس طرح دھجیاں اڑادیں جب اس نے آزاد لڑکے کے والدین کو یہ لکھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنا درست نام لکھا۔ کیونکہ وہ اپنے جان آرزو کو یہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے ''اے جوونٹائی کے پھول'' مراد یہ ہے جووینٹیئس ایک ممتاز خانوادے کا چشم و چراغ تھا۔ تاہم معاملہ عشق ہموار انداز میں نہ چلا۔ کاٹولس ایک بوسہ ضرور چرالیتا ہے لیکن وہ تباہ کن ثابت ہوتا ہے جب لڑکا اسے یہ سمجھ کر پونچھ ڈالتا ہے جیسے کسی ''غلیظ جسم فروش'' نے اسے چوم لیا ہو۔ پھر بھی کاٹولس کی صورت بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ تھی۔ شعرائے عشق میں سب سے کم لایق محبت۔ وہ اپنے حریفوں کے لئے اوچھی خود پسندی میں مبتلا تھا۔ یہ بتاؤ، وہ پوچھتا کہ جووینٹیئس فوریئس کو برداشت کرتا ہے۔ جو غریب ہے یا پھر دوسرا امیدوار جو دایمی مریض ہے؟ جب اسے اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی اس کے معشوق لڑکے کو ورغلا لے گا۔ تو اس پر وہ مارپٹائی پر اتر آتا ہے اور اسے ایسی سزا کی دھمکی دیتا ہے جو شادی شدہ لوگوں کو جنسکاری کرنے پر دی جاتی ہے۔ اور اس کی مقعد میں ایک مولی ٹھنسی ہوتی ہے۔ اس کے فخر مردانگی کو تسکین بس اس سے ملتی ہے جب وہ ان پر ذلت الٹ دیتا ہے جس پر یہ شبہ ہو کہ وہ مفعولی کردار ادا کرتا رہا ہے۔ ذلت کرتے وقت اس کی پسندیدہ گالی جسے وہ ایک نظم کے بعد دوسری نظم میں استعمال کرتا ہے ''لونڈے باز'' وہ قیصر کو ایک گانڈو کہتا ہے اسی الزام کو اس کے دست راست مامرا پر دھر دیتا ہے۔ (جس کے لئے اسے بعد میں معافی مانگنا پڑی اور معاف بھی کردیا گیا) جب اس کی اپنی

مردانگی پر شبہات کی پرچھایاں پڑیں وہ بھی اس کے واقفوں کی طرف سے جو اس کے ''ہزاروں بوسوں'' کی سن گن لیتے رہے ہیں تو وہ ایک ناقابل ترجمہ نظم لکھنا شروع کر دیتا ہے جس میں جبراً گانڑ مارنے کی دھمکی بھی ہوتی ہے۔ میں تمہاری گانڑ ماردوں گا اور منہ میں بھی دے دوں گا اے اوریلیس باکڑ بلے اور فوریلیس اے گانڈو۔ چند ہی لاطینی مصنفین ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اپنی مردانگی کی تشویش کو اس تندی و تیزی سے بیان کیا ہو۔

ٹی بللس پہلا لاطینی شاعر ہے جس نے رثای کلام لکھا اور قدرے نفیس مزاج کا تھا۔ ٹی بللس گال (ملک) میں آگسٹس کے جرنلوں کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ لیکن ویٹ نام زمانے کی نوجوان امریکی نسل کی طرح وہ عشق پر جنگ کو ترجیح دیتا تھا۔ جو اس کی نظر میں صرف مال غنیمت تھی۔ ''بگل اور پرچم مردہ باد!'' وہ لکھتا ہے ''زخم اور لالچیوں کے لئے دولت!'' وہ اپنے اوسط درجے کے فارم میں دستیاب سہولتوں کو ترجیح دیتا ہے۔ جہاں وہ ایک ترنگل کو بروئے کار لاتا ہے اور آوارہ گرد بھیڑوں کو گھر ہانک لاتا ہے۔ دیہی زندگی کو مزوں میں خوشگوار ڈیلیا بھی ہے لیکن وہ متلون مزاج ثابت ہوتی ہے۔ وہ بھٹک کر کسی اور راہ پر چل دیتا ہے۔ اس کا چوتھا رثائی گیت اووِڈ کے ''عشق کے ہنر'' میں ہم جنس پرستی کا مثیل ہے۔ جس کے لئے بلاشبہ یہ ایک نمونہ بنا ہوگا۔

نظم کچھ اس طرح شروع ہوتی ہے کہ ٹی بللس خدائے پریاپس سے دعا کرتا ہے کہ وہ اس کی رہنمائی کرے کہ وہ لونڈوں کو کیسے پٹائے۔ پریاپس جس کی لنگ نما شبیہ کھیتوں اور فصلوں کی رکھوالی کرتی ہے۔ جس میں بھونڈا جنسی مذاق بھی اٹکا رہتا ہے۔ لیکن یہاں کسی اور رجحان کا حامل ہے۔ خدائی بللس کو ہمدردانہ اور نرم لہجے میں ہدایات دیتا ہے۔

اچھے لڑکوں کے کسی چوکڑی کا اعتبار نہ کر

ان کے بہت سے پینترے جن پر تو لہلوٹ ہوسکتا ہے

ایک کی تو عبارت خوانی تجھ پر سحر کردے گی

اور ایک پرسکون تالاب میں شناوری تجھے لے بیٹھے گی

ایک اور اپنے نوخیز مسحور کن اعتماد ذات سے رشتہ بنالے گا

اور ایک شاید ایسا شرمائے گا کہ لاج کا تو گرویدہ ہوجائے گا

اہل کریٹ کی طرح ٹی بللسؔ شخصیت کو حسن پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ تو لڑکے کا فکری طور پر ہونہار ہونا ہے یا پھر اس کی صاف گوئی یا پھر اس کی ضرر پذیری ہے جس میں اس کی کشش ہوتی ہے۔ پریاپسؔ کا خطبہ ایک شخص اور امرد کی ایک نادر تصویر ہے جو اٹلی کے کسی دیہہ میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔

تمہارا معشوق تم سے جو بھی طلب کرے

کبھی انکار نہ کرو، عشق جب کچھ دیتا ہے تو وہی تو اس کا حاصل ہے

جاؤ جہاں وہ جائے۔۔۔ ہزار میل یا اس سے بھی پرے

وہ بھی اگست کی چلچلاتی دھوپ میں جو فصلوں کو بھسم کر دیتی ہے

اور یا پھر اس آسمان تلے جو تاریک ہو چکا ہو اور گہرے بادل امنڈ چکے ہوں

اور ان میں ایسی کمانیں چمکتی ہوں جن سے بارش کا خطرہ ہو

آخر میں ٹی بللسؔ ایک تکلیف دہ اعتراف کرتا ہے۔ وہ خود کو اس مرتبہ پر فائز کر لیتا ہے جس کا کام عشاق کو مشورہ دینا ہے۔ لیکن اس کا مراتھسؔ اس کی ملامت کرتا ہے۔ کیا یہ لڑکا غلام تھا۔ مفسرین تو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن کیا وہ خلا ملا جس کی ٹی بللسؔ تفصیلات دیتا ہے وہ کسی غلام پر ارزاں کی جاسکتی ہیں۔ ممکن تو تھا۔ حساس اہل رومن جنسی رسائی کے لئے حاصل ہونے والے حقوق سے یکسر دستبردار ہونے کو تیار ہو جائیں جس کی قانون میں نظریاتی اجازت تھی اور اس بات سے انکار کر دیں کہ غیر آمادہ لڑکوں کو مجبور کیا جائے۔ معاملے کی نوعیت کچھ ہو کتاب ۔ا کانواں رثائی نغمہ جلی کٹی باتوں سے بھری دعایں ہیں۔ مراتھسؔ کو روپیے اور تحایف کے زور پر ورغلا لیا گیا۔ ٹی بللسؔ پر امید ہے کہ نئے عاشق کو بیوی قلتبان بنا لے گی۔ شوق اور باہمی الزام تراشی اس زمرے میں شمار ہوں گے جیسی کہ ڈیلیاؔ کی نظمیں ہیں۔ وہ لاطینی رثای نغموں کے ٹکسال کے یکساں سکے ہیں۔

تھیوکریٹس جو ۲۷۰ ق م میں لکھا کرتا تھا کلی ماکسؔ کا خوشہ چین ہے جو سکندرؔ کے مکتب کا رہنما تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ کلی ماکسؔ کی عشقیہ نظموں میں سے ایک جو ایک نوجوان بنام تھیوکراٹسؔ کو مخاطب کر کے کہی گئی ہے جسے ارباب اختیار شاعر سے منسوب کرتے ہیں۔ یہاں پر پورپیڈؔ زا اور اگاتھنؔ کے دو سو برس بعد یہ ایک اور مثال نظر آتی ہے جب یونانی ادبی

تاریخ میں ایک ہی عہد کے دو ممتاز شاعر آپس میں عشاق ہیں۔

تھیوکریٹس بالخصوص سکندری روایات میں ڈھلا ہوا شخص ہے جو اپنی ہیت اور انداز میں باوقار حرکات و سکنات میں دل آویز اور بین الاقومیت کا حامل ہے۔ اس کی نظموں کا پورا ادوار قدیم یونانی دنیا پر محیط ہے۔ سیرکیوز (جہاں وہ پیدا ہوا تھا) جنوبی اٹلی میں کوز کے اسجین جزیرے میں گویا سکندریہ میں، ادبی علماء اسے اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ نام نہاد گلہ بانی کا سرچشمہ ہے۔ جس کی روایات دو ہزار سال سے شعرا پیروی کر رہے ہیں۔ در حقیقت سے سپنسر، ملٹن اور آرنلڈ نے بھی یہی کیا مگر سادہ گڈریوں کی پوشاک ڈاٹ کر۔ اس کے نام نہاد ''مختصر شذرے'' خاص طور سے دو یا دس صفحوں پر محیط ہوتے ہیں یہ گلہ بانی کی شان میں کافی حد تک ایک دوسرے سے لہجے اور انداز میں مختلف ہوتے ہیں۔ ''کٹائی کا میلہ'' (آئیڈل۔ ۷) مصنوعی اور سبک ہے جب کہ ''بکریوں کا گڈریا اور رکھوالا۔'' (آئیڈل۔ ۵) دو دیہاتیوں کے درمیان دو گنواروں والی گفتگو ہے۔

''کٹائی کا میلہ'' میں رکھوالوں کے بھیس میں بہت شستہ شاعر ہیں ان میں سے ایک لای سیڈاز اس پر گریہ کرتا ہے کہ اس کا مرد عاشق مایٹلنس کے لئے رخصت ہو چکا ہے جب کہ اس کا ساتھی ماریٹو نام کی لڑکی سے محبت کرتا ہے مگر اپنے تحریر کئے ہوئے گانے کو اپنے درگت کے مارے دوست آراٹور سے معنون کرتا ہے جو ''اپنے دل میں ایک لڑکے کے لئے مرا جا رہا ہے۔'' دونوں گنوار وانداز میں بڑے ادب و لحاظ سے گفتگو کرتے ہیں۔ اس کے برعکس کوماٹاس اور لاکون سے ''بکری کے ریوڑ اور رکھوالا'' میں شیخی کے عوض شیخی بگھارتے ہیں اور بے عزتی کے بدلے بے عزتی کرتے ہیں۔ کوماٹاس ان لڑکیوں کے متعلق شیخیاں بگھارتا ہے جنہوں نے اس پر نوازشیں کی تھیں اور لاکون ان لڑکوں کے لئے جن سے وہ لطف اندوز ہوا تھا۔ دیہی کینہ کا حامل کوماٹاس لاکون کو ایک ابتدائی مڈبھیڑ کے متعلق یاد دہانی کراتا ہے ''کیا تمہارے حافظے میں ہے جب میں نے تمہاری گانڑ ماری تھی اور تمہارے چوتڑ دونوں جانب ہل رہے تھے۔ مگر تم شاہ بلوط کے درخت سے مضبوطی سے لپٹے ہوئے تھے۔''

ان کہانیوں میں سب سے پر اثر کا تو تھیوکراٹس راوی ہے جو ہیراکلس کے المناک

عشق جو ہیلاسؔ سے تھا (آئیڈیل ۔۱۳) ۔ ہیرو جو سونے کا حق دار بننا چاہتا ہے آر گوناٹس گھونگھریالے بالوں والے ہیلاسؔ کے ساتھ بحری سفر پر روانہ ہو جاتا ہے جسے وہ چاہتا بھی ہے۔ جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہیراکلسؔ لڑکے کو تعلیم دیتا ہے ''جیسا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کو یہ سب وہی ہے جس نے اسے اچھا اور مشہور آدمی بنا دیا۔'' (کسی رومن سے اس انداز میں لکھنے کی آپ امید نہیں کر سکتے) لیکن جب جہاز ہیلس پونٹ کے قریب لنگر انداز ہوتا ہے تو بچہ گم ہو جاتا ہے۔ پانی لینے کے لئے جاتا ہے اور ایک تالاب کی پری کے سحر میں پھنس جاتا ہے جو اسے اس طرح دبوچ لیتی ہے کہ وہ اس کی گود ہی میں غرق ہو جاتا ہے۔ بولایا ہوا ہیراکلسؔ طول و عرض میں اسے تلاش کرتا ہے حزنیہ انداز میں لڑکے کا نام پکارے جاتا ہے اور جہاز کی طرف لوٹنے کا نام نہیں لیتا۔ بالآخر طیش میں آئے ہوئے اس کے ساتھی اسے چھوڑ کر چل دیتے ہیں تا کہ وہ گریہ وزاری کرتا رہے۔

تھیو کرائیٹسؔ کی تمام نظمیں ایسی ہی ڈرامائی ادبی شاہکار نہیں ہیں۔ اپنے آئیڈل ۔۱۲ میں وہ اپنی آواز میں کہتا ہے۔

تم آ گئے ہو جان من لڑکے۔ بالآخر دو راتوں اور دن کے بعد
تم آ ہی گئے! لیکن وہ جو ہجر میں ایک ہی دن میں بوڑھے ہو گئے
ایک نہایت شیریں بہار ہے جو سرما سے بہتر ہے، جیسے سیب جو شمالی امریکہ کی جھاڑی سے بہتر ہے
تمہارے لوٹنے سے میری خوشی بے کنار ہے اور میں تیری طرف اڑ رہا ہوں
ایک بھٹکے مسافر کی طرح جو دھوپ سے پیاسا ہو اور شاہ بلوط کے سائے میں پناہ ڈھونڈے
ہائے کاش ایسا ہو کہ عشق ہم دونوں میں زندگی کی سانس بھر دے
تا کہ ہم دونوں شاید اساطیری قصہ بن جائیں ان لوگوں کے لئے جو ہمارے بعد آئیں گے
وہ سب الوہیت والے تھے جوان میں ابتدائی عہد میں لوگ رہتے تھے
ان میں ایک ولولہ انگیز تھا جو امیکلائے (سپارٹا) کا تھا ہم یہ کہہ سکتے ہیں

اور سب ہی ایک جوئے کے نیچے بند تھے وہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے

وہاں ان میں طلائی اشخاص بھی تھے جب معشوق سے چاہنے والی کی بھی جھلک آتی

اسے امید تھی کہ دو صد نسلوں کے بعد کوئی بھی یہ سند یسہ لائے گا کہ ہیڈز کے لوگوں میں اس کا عشق آج بھی مشہور ہے۔ آئیڈل ۔۲۹ وہ وعدہ کرتا ہے کہ ایک متلون مزاج لڑکا وہی وارفتگی دکھائے گا جو آچیلز نے پیٹروکلس پر ظاہر کی تھی۔ وہ آئیڈل ۔۳۰ میں یہ شکایت کرتا ہے کہ وہ اب بھی عشق کا مارا ہوا ہے اگر چہ میری کنپٹی کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ یہ نظمیں پڑھ کر ہم سناٹے میں آجاتے ہیں کہ کلاسیکل عہد کا یونانی عشق اسکندریہ دور میں اب بھی زندہ جاوید ہے۔

یہ باثروت روایت لاطینی زبان میں پہنچ کر اپنی سایہ بن چکی ہے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح ورجل نے معمولی کامیابی سے یہ کوشش کی کہ سورمائی عشق کے تصور کو آینیڈ میں مانوس بنادے۔ اس کے باوجود اس کی دوسری دیہی نظم میں اختیار کیا جانے والا مردانہ عشق کے لئے نہایت دھوم دھام والا انداز لاطینی زبان کے لئے ٹکسالی ٹھہرا۔ نظم تھیوکرائیٹس اپنے انداز اور روانی میں کوریڈون کی نوحہ گری ہے۔ جب گلہ بانوں کا سردار سسلی کی ایک جاگیر میں الیکس کی لاتعلقی کی وجہ سے فکر مند ہے جو اس کے آقا کا بگڑا ہوا چہیتا ہے۔ اس کی ڈرامائی ہیت کے باوجود لاطینی مفسرین اس نظم کو مستقلاً پڑھتے ہیں جیسے یہ کوئی ذاتی بیان ہو۔ ورجل کا لاطینی سوانح نگار، جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں ، نے یہ قیاس کرلیا جیسے وہ ''الیکس'' کے عشق میں مبتلا ہو۔ اور اسے اس غلام لڑکے سے ملا بیٹھا جسے ورجل کے مربی نے اسے بطور تحفہ دیا تھا۔ بعد کے لکھنے والوں نے نظم کی رسوائی میں کچھ اضافہ ہی کیا۔ بائرن نے منصب شاہی انگلستان کو ڈان جوان کی لمبی نظم میں یہ بیان کر کے سراسیمہ کردیا اور آندرے گائیڈ نے اس کا عنوان 'کوریڈون محض ہم جنس پرستی جیسے متنازع موضوع کے دفاع میں جو اس نے ۱۹۲۴ء میں شائع کی۔

ورجل کوریڈون کے شوق جنون کو نفسیاتی حقیقت نگاری کے تحت بیان کرتا ہے جس میں ایک ہلکے سے روکھے ، طنز کے ساتھ کوریڈون خود کو ان گھڑ دیہاتی ظاہر کرتا ہے اور الیکس کے لئے فریاد کرتا ہے کہ وہ دیہی زندگی کی سادہ حسرتوں سے نفرت کرتا ہے(درجل

کے سوانح نگار نے اس کے اپنے اول جلول حلیے کا ذکر کیا ہے) گلہ بان ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے کہ خود کو سمجھائے لیکن ہم اس خود فریبی پر اور اس کے ریشہ خطمی ہونے کو دیکھتے ہیں۔ یہ ایک اپی کیورس کے پیرو کا عشق کے متعلق خیال ہے جو اسے ایک دیوانہ پن جانتا ہے جسے ایک ہمدردانہ مزاح سے نرم بنایا گیا ہے۔ کیا کوئی عملی چیز، جیسا کہ گلہ بان خود کو سمجھاتا ہے کہ بالآخر مایوسی تمہاری شراب کو ترشا دے گی اور ایک ٹوکری بُن دے گی۔ تب تمہیں ایک اور الیکسؔ مل جائے گا۔

ہوریسؔ کا اوڈز:

ہوریسؔ ورجلؔ کا ایک قریبی دوست تھا یوں وہ آگٹسؔ کے دولتمند معتمد کی فیاضی میں شریک ہوتا۔ اگر چہ اس نے کوئی طویل رزمیہ نہ لکھا جو آینیڈ کو آنکھیں دکھاتا۔ وہ پھر بھی ورجلؔ کا جانشین اور روم کا نیا شاعر اعظم مان لیا گیا۔ ہوریسؔ کو ورجلؔ کے مقابلے میں یونانی طرز زندگی کا کہیں زیادہ براہ راست تجربہ تھا۔ اس نے دو برس بطور طالب علم ایتھنز میں بسر کئے تھے اور اس کی شاعری میں اکثر دوراز کار بحریں در آئیں مگر وہ اپنے جوہر۔ اور احساسات میں رومن ہی رہتا۔ خوش مزاج (جب اسے ستایا نہ جاتا) منکسر مزاج (جب اپنی صلاحیتوں کی تعریف نہ کررہا ہو) سیاست سے لاتعلقی برملا (جب وہ روم کے آگٹسؔ کے عہد زریں کی نغمہ سرای نہ کررہا ہو)۔ تو ہوریس عشق اور جنسکاری کی بابت قدرے نرم رویہ اپناتا۔ اس سے ہویدا ہوتا اور وہ بھی بہت اچھی طرح کہ غلاموں کا آقا ایک رومن کیوں کر ان انسانی احساسات کو پس پشت ڈال سکتا تھا جن پر اسے حکمرانی کرنا ہوتی تھی۔

> اگر تم پیاس سے مر رہے ہو تو کیا تم پوچھتے ہو کہ پیالہ طلائی ہے؟ یا پھر تم فاقہ کر رہے ہو اور بھوکے ہو تو کیا خوراک لینے سے انکار کرو گے جو نہ مور ہو نہ گٹی دار مچھلی؟ جو تمہارا معدہ نفخ میں مبتلا ہو جائے اور سر دست کنیز ہو یا پھر غلام لڑکا اور وہ بھی تمہاری پسند کا اور جس کے لئے وقت آنے پر تم مرنے لگتے ہو تو تم کیوں اس کا انتخاب کرو گے کہ شہوت کی گرانی کو برداشت کیا جائے میں تو نہ کروں گا۔ میں تو

ایسے عشق کا رسیا ہوں جس تک رسائی ہو اور بہ آسانی ہاتھ آ جائے۔

ہوریسؔ کی عشقیہ نظمیں جیسا کہ ہمیں توقع ہے ورجلؔ کی مثالیت پسندی سے عاری ہیں جیسی ہم نائیسؔ یوریالسؔ اور کیٹولسؔ کے عشقیہ جنوں میں پاتے ہیں۔ لالاجسؔ، گلیسراز، پیرازؔ اور چلوز اور متعدد اس کے صفحات میں جھلک دکھا کر غایب ہو جاتے ہیں۔ وہ بنا تا ہے کہ اس کا آرزومند باپ اس کے ساتھ بطور اتالیق اسکول جاتا تا کہ مجھ پر رسوائی کا سایہ بھی نہ پڑنے پائے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ سب ہوریسؔ کی جوانی کے مشاغل میں مانع ہوئے ہوں گے۔ ایک طنز میں وہ ایک رواقی شاعر کی ملامت کرتا ہے کہ وہ کیوں ''ہزاروں لڑکیوں کو کچل رہا ہے۔'' اور ''ہزاروں لڑکوں'' کو بھی۔ قصہ۔۱۱، میں وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے تین بہاریں اناچیا میں بڑی مسرور گزاری ہیں۔ اب وہ لای سسکزؔ کو چاہتا ہے کیونکہ س کی نزاکت کسی بھی عورت کی نزاکت سے بڑھ کر ہے۔ صرف کسی لڑکی سے نیا معاشقہ یا لڑکے سے تعلق سے اس سحر سے چھڑا سکتا ہے۔ وہ حقیقی احساسات کے بالکل نزدیک اپنی آخری کتاب اوڈز میں آ جاتا ہے جو اس نے ۔۱۳ ق م میں شایع کی جب وہ پچاس برس کا تھا۔ وہ کوئی آٹھ برس تک دلوں کے سودوں سے دور رہا اب وہ یہ پوچھتا ہے۔

کیا یہ ضرور ہے کہ جنگ ہو

جب کہ بڑی دیر سے جنگ ٹھہری ہوئی ہے۔ زہرہ رحم کر، احتراز کر

۔۔۔ مجھے تو اس میں کوئی مزہ نہیں آتا

اس سیدھی سادہ سے امید میں کہ ایک عورت یا لڑکے سے باہمی عشق ہو جائے گا

پھر کیوں، اے لیگورینسؔ پیارے، کیوں

یہ ٹپ ٹپ گرنے والے آنسوان خشک رخساروں کو

کیوں حیران کرتے ہیں۔ اور میری زبان کی روانی

لڑکھڑاتی ہے اس نازیبا سکوت پر

جو لفظ کے حصے ہیں۔ شبوں میں اور خوابوں میں

میں تو تمہیں بازو میں جکڑ لیتا ہوں یا پھر تمہارا تعاقب کرتا ہوں

مریخ کے پورے کھیت میں

یا پھر ان لہروں پر سوار ہو کر جو اطاعت گزار ہیں اس لڑکے پر جو کبھی نہ حامی بھرے گا۔

ان اشعار کو بہت سراہا گیا۔ لیکن کیا یہ شائستہ تھے یعنی کیا یہ کسی کے سیاسی مقام کے لئے ضرر رساں ہو سکتے تھے۔ یہ ایک ایسا مخمصہ تھا جس کی رومن قانون اور رومن خطابت نے مردوں کے مابین آشنائی کی مذمت کی جب کہ رومن شعرا نے کبھی اس میں کوئی گرانی نہ محسوس کی کہ لڑکوں سے اپنے عشق کا اعتراف کر لیں جس میں شعور ذات کا دخل نہ ہو۔ ہم سب مل کر اس تمدنی منافقت کا کیا اچار ڈالیں۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دل پر لکھ لینا چاہیے کہ اگر کوئی قانون موجود تھا تو دار و گیر کی تو سن گن بھی نہیں ملتی۔ نہ ہی اس کا امکان دکھائی دیتا ہے کہ مردانہ امور سیاحت میں در آئے ہوں جس سے بالائی طبقات کے لڑکوں کے لئے ان رنگ رلیوں میں پڑنا دوبھر ہو گیا ہو۔ جہاں تک عمومی اخلاقی رویوں کا تعلق ہے ان میں ناہمواری بے حد و حساب تھی جو قدامت پرست تھے انہوں نے اس پر شدید غم و غصے کا اظہار کیا کہ (Mos Maiorum) کو منظور کیا گیا اور دیگر جیسے اووڈ اس پر مسرور ہوئے کہ ''اچھے پرانے دن'' گزر گئے۔ چند بعد کے رواقی فلسفی جیسے موسونیس روفس اور اس کا شاگرد ایپک ٹیٹس (۶۰۔۱۴۰ء) نے غلاموں سے ہر نوعیت کے جنسی تعلقات کی مذمت کی۔ لیکن مخصوص رومن رویہ زیادہ بے پرواہی والا تھا۔ جنسی رویے کی ممانعت مذہبی بنیادوں پر نہ تھی۔ تردد یہ تھا کہ کوئی مرد کسی اور مرد کی جائیداد پر ہاتھ نہ صاف کرے۔ مراد یہ ہے کہ اس کی بیوی بیٹی یا پھر بیٹا۔۔۔ یا پھر معمولی کردار ادا کرے۔ بات یہ تھی کہ نہ کہ کسی آدمی کے ساتھی کی صنف اہمیت رکھتی یہ رومن اخلاقیات کے قانون حرکت کے محرکات تھے۔

سیسرو خود ایک چٹپٹی مثال سے ان تضادات کی پول کھولتا ہے۔ اس نے مردوں میں ہونے والے آشنائی پر اپنی تقاریر میں حملے کئے تھے اور یونانی عشق کی ملامت اپنی ڈسپیوٹیشنز میں کر چکا تھا۔ لیکن وہ کبھی کبھی اس نکتہ چینی کو بالائے طاق رکھ کر عشقیہ شاعری کرتا۔ وہ نظمیں تو اب نہیں ملتیں۔ لیکن اس کی پاٹ دار آواز کا اونچا سر پلائین نوجوان سفیر کے خطوط میں ملتا ہے جس میں وہ ان پر تبصرہ کرتا ہے۔ سیسرو کی مثال نے پالائینی سفیر میں ہمت پیدا

کی کہ وہ اس کی پیروی کرے۔ میں نے تو سیسرو کی لطیفہ گوئی کی حس دریافت کر لی ہے۔ جس میں وہ شا کی ہے اور دانستہ بیر رکھنے کا ذکر کرتا ہے۔ ٹیرو نے اپنے عاشق کو دھوکہ دیا (سیسرو کو) اور اسے غچہ دینے کی غرض سے رات میں اسے چند بوسے دیے جن کا عشائیہ کے بعد پورا کرنے کا شاید وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ پڑھ کر میں نے خود سے کہا کہ میں اپنے عاشقوں کو کیوں پوشیدہ رکھوں اور مارے ڈر کے انہیں شایع کرنے سے کنارہ کشی کروں۔ میں کیوں نہ اعتراف کرلوں کہ میں بھی ٹیرو کی طرح چند داؤں جانتا ہوں اور تیرو کا ڈورے ڈالنے والا غرّہ اور عیاری جس سے وہ دو آتشہ بنا تا ہے۔ ٹیرو سیسرو کا غلام تھا لیکن منہ چڑھا۔ سیسرو دو مرتبہ کا مطلقہ تھا اور اسے اپنا سکریٹری مقرر کرلیا اور بعد میں اسے آزاد کردیا۔ وہی اس کا ادبی وارث بنا۔ سیسرو کی موت کے بعد ٹیرو نے اپنی سرگذشت لکھی اور اس نے ادبی دنیا میں ممتاز مقام پایا۔ اسی کو غالباً یونانی عشق کہتے ہیں۔

اووڈ کا اسطوری قصہ:

اووڈ کے لئے نہ تو کوئی تضادات کا معاملہ تھا اور نہ ہی کوئی تذبذب درپیش تھا۔ آغاز ہی سے اس کی ہمدردیاں شعرا سے وابستہ تھیں اور اخلاقی بغاوت سے۔ اس لئے اس کا آگسٹس سے تصادم کی راہ میں پڑ جانا ناگزیر تھا۔ جس کی نئ حکمت عملیاں شادی کی ہمت افزائی کرتی تھیں اور بڑے کنبوں کو تاکہ رومن افواج کے لئے افسران میسر آئیں اور منتظمین مل سکیں تاکہ نو آبادیات میں انہیں تعینات کیا جائے۔ سب کے آخر میں شہنشاہ نے اووڈ کو ملک بدر کر کے اپنی برہمی ظاہر کی اور الزام یہ لگایا کہ مذکورہ شخص عشق کے فن میں باغیانہ اثرات کا نفوذ کر رہا ہے۔ ایک ایسی درسی کتاب جس میں عورتوں کو پھانسنے کی چالیں درج تھیں۔

اووڈ کو ہم بااعتماد طریقے سے ایسا شخص کہہ سکتے ہیں جو دگر جنسی تھا۔ اپنی نظموں Loves کے آغاز میں یہ نظمیں ڈرامائی انداز میں ایک عورت سے عشق کو ظاہر کرتی ہیں جو ہموار طریقے پر نہیں چلا۔ اووڈ مخصوص رومن قیاس کر لیتا ہے کہ عشق کا تعلق صنف سے نہیں

ہوتا اور پوچھتا ہے کہ ''میں ہلکے اشعار میں کیا کرسکتا ہوں؟ میرا تو کوئی لونڈا ہی نہیں جس کے لئے میں نغمہ سرا ہوں۔ نہ ہی کوئی زلف بنگالہ والی لڑکی ہے جو میرے نغموں کو واسطے خیالات مہیا کرے۔'' اسی رواداری میں اووڈ کی سب سے زیادہ مشہور نظم قلب ماہیت (Metamorphoses) میں یونانیوں کی دوجنسوں میں رغبت کے افسانے کو سمجھنے کی بلاتعصب ایک کوشش ہے۔ جو شئے مسیحی چرچ کے فادرز کی نظر میں یونانی مذہب کے اوپر نہ چھٹنے والا داغ تھا وہی اووڈ کی شاعری کے واسطے سبب تخلیق تھا۔اس پر صرف اس نظریے ہی کا اثر ہے جو مافوق الفطرت انداز میں قلب ماہیت کا عمل ہے۔ ہم جنس پرستی والی کہانیاں جو میٹا فورسس میں ہیں ان کا ارتکاز کتاب ۔۱۰ میں آرفیئس کی ذات پر ہے۔جس میں وہ آرفیئس کے یوری ڈایس کو گمشدگی کی کہانی سناتا ہے اور پھر دھراتا ہے کہ وہ افسانہ جس میں آرفیئس کی دلچسپیاں بدل کرلڑکوں کی جانب ہوگئیں۔ اس کے علاوہ وہ بالآخر آرفیئس کو گانے پر آمادہ کرلیتا ہے یعنی ''لڑکوں کا عشق'' ایسی ترکیب جو اووڈ کو موقع دیتی ہے کہ وہ مشتری کی قلب ماہیت کر کے اسے عشق کے شاہین میں ڈھال دے اور گینی ماَیڈ بنادے اور جون بدل کر سائی پارسیئس ہوجائے، اپالو کا معشوق تھا جو اندوہ ناک موت کے بعد بدل کر ایک درخت بن گیا۔

ان کہانیوں میں اووڈ اپنا زور ہنر ہیاسنتھ کی کہانی پر صرف کردیتا ہے۔ اپالو اپنی الوہیت کو برطرف کر کے ایک طرف رکھ دیتا ہے اور ڈیلفی کو ایک نوجوان مرد سے عشق کرنے کے لئے چھوڑ آتا ہے۔مگر ایک مرتبہ پھر ایک واقعہ دوبارہ اسے لڑکے کی رفاقت سے محروم کردیتا ہے۔ اپالو ایک موٹی تھالی پھینکتا ہے جو بے دھیانی میں اس کے معشوق کو جا کر لگتی ہے جس سے وہ مرجاتا ہے (اس داستان کے دوسرے نسخوں میں حاسد ہوا کا خدا زی فیرس کا دل خود بھی ہیاسنتھ پر آچکا تھا۔ وہی اس مہلک تھالی کا رخ بدل دیتا ہے) اووڈ کی ہیاسنتھ کی موت کی منظرکشی ورجل کے مصرعوں میں جھلکتی ہے جب وہ یوریاس کی موت کا ذکر کرتا ہے۔

گھاؤ کا تو علاج ہو چکا تھا، یوں ایک باغ میں
اگر کوئی بنفشہ یالالہ کو توڑے

یا پھر چتی دار سوسنوں کو توڑے جن کے روئیں کھڑے ہوں اور زرد ریشے استادہ ہوں

لیکن دھرتی کو دیکھو کیسے ڈوبے ہیں مرنے والے خطوط

اپآلو اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ دوبارہ پھول کی صورت میں جنم لے گا جس سے اس کے غم کی یاد منالے گا۔

جب آرفیئس اپنا گانا ختم کرتا ہے تو ایک متشدد گروہ جو تھراسیں ماینا ڈز کے تھے اس پر اترتے ہیں۔ اس پر برہم ہیں کہ اس نے لڑکوں کے عشق میں مبتلا ہوکر عورتوں سے بے وفائی کی اور اس ''فن'' کو دیگر تھراسین کوسکھا دیا۔ وہ اسے ڈنڈوں اور پتھروں سے مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ اس کارگزاری پر بیکس عورتوں کو شاہ بلوط کے جھنڈ میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ وحشیانہ قتل جسے اووڈ ایک جرم بنا کر پیش کرتا ہے عہد وسطی کے ارباب اخلاق کی نظر میں آرفیئس کو اس طرح ملوث کرتے ہیں جیسے وہ ڈنڈے بازی کا موجد ہو۔

چپٹی (سیوفویت):

کتاب ۔۹ میں ایفس اور پانتھے کی کہانیاں قدرے مختلف رنگ کی ہیں۔ ایک چپٹی داستان عشق جو کچھ بھی ہے مگر کلاسیکل ادب کی نایاب کہانی ہے۔ جب ایفس کی ماں حاملہ ہوجاتی ہے تو اس کا شوہر نادری حکم جاری کرتا ہے کہ اگر لڑکی پیدا ہوئی تو اسے مار ڈالوں گا۔ اس کے لڑکی پیدا ہوتی ہے اور ماں اس کی صنف پوشیدہ رکھتی ہے اور اس کا ایسا نام رکھتی ہے جس سے اس کی صنف مبہم رہے یعنی ایفس ۔ جب یہی ''بیٹا'' تیرہ برس کا ہوتا ہے تو باپ اس کے لئے سنہری بالوں والی اباَنتھے کو''اس کے'' واسطے دلہن بنانے کے لئے تلاش کر لیتا ہے۔ اووڈ دونوں لڑکیوں کے باہمی عشق سے ہمدردانہ سلوک کرتا ہے۔

دونوں ہم سن تھیں، دونوں پری پیکر بھی تھیں

انہوں نے اب تک بھی ان اساتذہ سے سیکھا تھا جو الگ نہ تھے

اور یوں دونوں میں عشق بھی ایک ہی وقت میں جاگا

بڑی معصومیت سے اور دلوں میں ہلچل بھی مچا گیا

اور آرزو اور تڑپ بھی برابر تھی

لیکن جب شادی کا دن اپنے ناگزیر افشاراز کے ساتھ قریب آنے لگا تو ایفس مارے خوف کے چھوئی موئی ہوتی گئی اور اپنے عشق کو ''عفریت صفت جسے نہ دیکھا نہ سنا گیا ہو'' سمجھی۔ اس لئے وہ اپنے دردناک انجام پر نوحہ و فریاد کرنے لگتی۔ دیوی ایسیس اس رکاوٹ کا حل نکالتی ہے اور اس طرح کہ اس کی صنف بدل دیتی ہے۔ ایفس کا اپنی ذات سے احساس تنفر کو ہم ایک ایسی مثال کہہ سکتے ہیں جسے آج کل داخلی ہم جنس پرستی کا خوف کہتے ہیں۔ لیکن ہم یہ بھی پوچھ سکتے ہیں کہ اس چپٹی والے عشق کے متعلق اووڈ کا رویہ کیسا تھا۔ شاید ہم سے وہ یہ چاہتا ہے کہ دیوانی جوانی والی ایفس کو اپنی ہی ذات کی تردید کرنے والی تسلیم کرلیں۔ آپ کچھ بھی کہیں وہ ابھی تیرہ برس کی ہے۔ تاہم غالب امکان یہ بھی ہے کہ اووڈ کلاسیکل دنیا کے تعصّبات کا حامل ہو۔ جو چپٹی سے اس رواداری کا حامل نہ ہو جو وہ اغلام بازی کو بخش چکا تھا۔

عورتوں کے مابین عشق کا ذکر دور دور اور شاذ و نادر ملتا ہے۔ یونانی بیاضوں میں مختصر نظموں میں سے ایک جو تیسری صدی عیسوی کا ایک شاعر کی ہے جس کا نام آسلے پیاڈس تھا اس نے ساموز کی دو عورتوں پر الزام لگایا کہ انہوں نے عشق کے لئے غلط راہ اختیار کی تھی۔ وہ افروڈایٹ سے التجا کرتا ہے کہ وہ ان سے نفرت کرے (کتاب۔۵ نظم ۲۰۷) فایڈرس جو قصے گھڑنے کا استاد ہے کوئی ۵۰ء کے متعلق لکھتا ہے اس نے سیفو ویت کو ایک شاعرانہ رجز کی صورت میں بیان کیا ہے۔ پرومیتھس نشے میں چور ایک پارٹی سے گھر لوٹتا ہے اور نشے کی جھونک میں وہ چند عورتوں اور مردوں کے اعضائے تناسل کو بدل دیتا ہے۔ یہ حیران کن ہے کہ فایڈرس عورتوں کی ہم جنس پرستی کا موازنہ مردانہ ہم جنس پرستی سے نہیں کرتا بلکہ بالعموم وہ بھی صرف اغلامی (مفعولیت) کے متعلق جیسے یہ کوئی ایسی چیز ہو جو بداعمالی میں شمار ہوتی ہو۔ پرومیتھس کی غلطی کے نتیجے میں وہ یہ تبصرہ کرتا ہے۔ ''ہوس اب بداعمالی کی حسرت سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔''

سینیکا (کبیر) ایک قانونی مقدمہ پر بحث کرتے ہوئے ایک ایسے شوہر کا ذکر کرتا

ہے جس نے اپنی بیوی کو قتل کر کے اس کی دوگانا کو بھی قتل کر دیا اور یہ دلیل دیتا ہے کہ جیسے اس کا جرم شادی شدہ لوگوں کو جنسکاری سے بھی بدتر کام تھا۔ چند دہائیوں کے بعد مارشیؔل اپنے مخصوص کند اور ہذیانی انداز میں ایک عورت پر طنز کرتا ہے جسے وہ فلائے نیسؔ کہہ کر پکارتا ہے جو جسمانی کھیلوں کی شوقین ہے اور جو انگیہ اور چڈی میں گیند کھیلتی ہے کیچڑ میں کشتی لڑتی ہے، رات میں عشائیہ شروع ہونے سے پہلے شراب کی قے کرتی ہے، اور کھانے میں ہوکا کرتی ہے اور پھر سے مئے خواری شروع کر دیتی ہے (کتاب ۔۷ نظم ۶۷) وہ چپٹی کھیلنے کو مافوقی مرد سے ملا دیتا ہے۔ مارشیؔل ایک عجیب و غریب نظریہ پیش کرتا ہے کہ چپٹی والیوں کے ٹنے خلاف معمول بڑے ہوتے ہیں جن سے انہیں جنسکاری کے وقت دوسری عورتوں کو فرج میں دخول کرنے کی سہولت ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر فیلائے نینسؔ لڑکوں کی گانڑ اس لئے مارا کرتا تاکہ اس کی مردانگی ثابت ہو سکے۔

مردانہ ہم جنس پرستی یونان کے رومانی نثر کے دفاتر میں کہیں کہیں نمودار ہوتی ہے لیکن چپٹی بازی کا ذکر خال خال ہی ہے لامبلیکاؔ کی بیبی لونی یاکا (۱۵۰ء) میں ہم ایک مصری شہزادی کا ذکر سنتے ہیں جس کا نام بیری نائسؔ ہے جو ایک اور عورت سے عشق کرتی ہے اور بعد میں شادی بھی۔ تاہم ناول نگار ایسے عشق کی بالا علان مذمت کرتا ہے اور اسے ''وحشیانہ اور لاقانونیت'' میں شمار کرتا ہے۔ لوشین کا پانچواں ''داشتاؤں کا مکالمہ'' (۱۸۰ء) کا موازنہ مارشیؔل کوئی ایک صدی بعد کے ایک گھسی پٹی مردانہ شخصیت سے کرتا ہے۔ میجلاؔ خود کو میجلسؔ کہلاتی ہے اور ایک وگ لگاتی ہے تاکہ اس کا منڈا ہوا سر چھپا رہے۔ اس کی کورینتھ کی ڈیمونساؔ سے شادی ہو جاتی ہے مگر وہ خود لزبو کی رہنے والی ہے۔ اس کی نئی سہیلی لی آئینہ یہ تبصرہ کرتی ہے ''ان کا کہنا ہے لزبو میں اس قسم کی عورتیں ہوتی ہیں جن کے چہرے مردوں کی مانند ہوتے ہیں اور وہ مردوں سے ازدواج کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں بلکہ صرف عورتوں سے، جیسے کہ وہ خود مرد ہوں۔'' میجلاؔ لا آئینہ کو ورغلاتی ہے تاہم یہ سوچنے لگتی ہے کہ یہ تجربہ بیان کرنے میں گھناؤنا لگے گا۔ معاملہ عیاں ہے کہ سیفو کے متمدن جمالیاتی دایرے سے بہت دور ہیں۔ جہاں عورتیں حسن اور فنون کو تخلیق کرتی ہیں۔

ایک اور مکالمے میں جو لوشینؔ سے منسوب ہے لیکن درحقیقت وہ اس کی موت کے

کچھ عرصے بعد لکھا گیا تھا۔ دو مرد اس پر بحث کرتے ہیں کہ ان دو میں سے کون سا بہتر ہے۔عشق یا دگر جنسی تعلقات ۔ایک مقرر تو یہ احتجاج کرتا ہے کہ اگر اغلام بازی کو قانونی حیثیت دے دی گئی تو اس کے نتیجے میں چپٹی بازی بھی مباح ہو جائے گی۔ جو ہمارے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ اس کی لفاظی اس بات کی جھلک ہے کہ کس طرح ایک جارح یونانی مرد ۲۷۰ء میں ایسی عورتوں کے متعلق کیا خیالات رکھتا تھا جو عورتوں سے عشق کرتی تھیں۔

> اگر مرد چاہیں کہ وہ مردوں کی ماریں تو یہ قابل قبول ہے آئندہ تمام عورتوں کو دوسری عورتوں سے عشق لڑانے دو اب آتے ہیں مستقبل کے معاملات کی جانب۔ عجیب و غریب مسرت کے قانون ساز مردانہ ہوس کے واسطے تازہ راہیں نکالتے ہیں۔ لیکن یہی سہولتیں عورتوں پر بھی ارزاں کر دیتے ۔ اور انہیں ایک دوسرے کو چودنے دیتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے مرد کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم انہیں موقع دیں کہ وہ خود کو عیاشی کے عیارانہ پرزوں میں جکڑ لیں۔ یہ پراسرار خباثتیں جو بے تخم کی ہیں اور عورتوں کو عورتوں کے ساتھ لیٹنے دو جیسے مرد کرتا ہے۔ ان شریر چپٹیوں کو (مساحقہ باز) یہ لفظ جو کبھی کبھار سننے میں آتا ہے، جسے مجھے منہ سے نکالنے میں بھی شرم آ رہی ہے۔۔۔ ہر جانب گردش کرنے دو، اور عورتوں کے مخصوص رہائشی حصوں میں فی لاینیس کی پیروی کرنے دو۔ اور انہیں خود کو ذلیل کر لینے دو تا کہ وہ نر و مادہ دونوں کے عشق میں مبتلا ہو لیں۔

خطیب کی برہمی کا ایک سراغ تو شاید اس میں ملتا ہے جو وہ فی لاینیس کا حوالہ دیتا ہے۔ مارشیل جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس نے اس شئے کا خلیائی نام استعمال کیا جسے ہم ان دنوں چپٹی (سیفو ویت) کہتے ہیں۔ تاریخی فی لاینیس نے یہ باور کرانے کے لئے جنسکاری پر ایک ہدایت نامہ رسالے کی صورت میں چوتھی یا تیسری صدی قبل مسیح میں لکھا اور اس میں چپٹی سے متعلق جنسی مشاغل کو اس طرح سے تحریر کیا جسے برہمی کی حد تک فحش کہا گیا۔ فی لاینیس کے علمی کام نے ممکن ہے قدیم زمانے میں عورتوں کے درمیان ہونے والے عشق پر برا اثر ڈالا ہو اور بدرنگ کر دیا ہو۔ لیکن مذکورہ تقریر ایک اور دلیل کی جانب اشارہ کرتی ہے

کہ سیفو ویت پر اچینیوں کی نظروں میں کیوں اس قدر ناگوار لگنے لگی۔ یہ جرم (جیسا کہ مردانہ مفعولیت میں ہے) اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ کیونکہ یہ صنفوں کے طے شدہ کردار سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔

پیٹرونیئس کی ساٹریکون:

اب ہم اووڈ سے منہ موڑ کر پیٹرونس کی طرف توجہ کرتے ہیں تاکہ شاعرانہ افسانوی رنگ کو پرے رکھ کر گلی کوچوں والی حقیقت پسندی پر نظر ڈالیں جس میں طنز کے تیر بھی ہوں گے۔ یہ عام طور پر قیاس کرلیا جاتا ہے کہ ''ساٹریکون'' کا مصنف نیرو کا ''شائستگی کا پارکھ'' تھا۔ ایسا شخص جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ''جس نے عیاشی کو ایک شایستہ فن بنا ڈالا۔'' اور اس نے اپنی کہانی کی اس طرح تالیف کی جو شاہی دربار کے لئے وجہ نشاط بن گئی۔ جسے پہلا ناول بھی کہا جاتا ہے۔ ساٹریکون اس کا بھی دعویٰ کرسکتی ہے کہ وہ ہم جنس پرستوں (Gay) پر پہلی افسانوی تخلیق ہے۔ کیونکہ اس کے کردار لونڈے بازی کے جھمیلوں میں اینچا تانی کرتے ہیں اور یہی چلتا پھرتا واقعات کا سلسلہ اس کا مرکزی خیال ہے۔ کتاب ارزل زندگی کی ایک بے رحم کتاب ہے جیسا کہ جنوبی اٹلی میں پہلی صدی عیسوی میں گزرا تھا۔ مخرب اخلاق مگر پر لطف جس میں لفاظی اور چرب زبانی کے متعدد رنگ کا آمیزہ ہے اور ٹھسے کے ساتھ چٹپٹا پن ہے مگر جہالت بھی موجود ہے۔

سب سے ممتاز شخصیت انکولپیئس (میانی والا) جو جیٹن کے عشق میں منزل فنا پر پہنچ چکا ہے۔ یہ سولہ برس کا ایک مخنث ہے جس کے عشق کا دم بھرنے والوں میں آسلٹوس بھی ہے۔ یہ چوروں کے تگڈم کا تیسرا رکن ہے آسٹلوس کی جو کھمی طبیعت اسے ٹریملچیو کے کھانے کی میز پر پہنچا دیتی ہے جو عشائیے کے لئے انواع اقسام سے لدی پھندی ہے اس نے بھلا اتنا کھانا کب دیکھا تھا۔ ٹریملچیو ایک آزاد کردہ غلام ہے۔ وہ شیخی بگھارتا ہے اور اس میں سوقیانہ پن بھی ہے مگر بے حد امیر و کبیر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ سسلی خرید لے۔ لیکن بہت صاف گو ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا آغاز کیسے کیا۔ ''پہلے چودہ برس تو میں

اپنے آقا کا منظور نظر تھا۔لیکن اس میں شرمانے کی کیا بات ہے اگر آپ وہ کام کرتے جس میں آپ کو حکم دیا جاتا ہے بالکل اسی طرح ، کیا تم سمجھے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ میں نے جتن کر کے اپنی مالکن کی ایک دو معاملات میں مدد کر دی'' پیٹرونیئس کا ہم عصر سینیکا فلسفی تھا۔اس نے '' گانڈووں کے دستے'' کے خلاف جی بھر کے زہر افشانی کی۔اس کی کھانے کے بعد کھال چمکنے لگی اور ان کے رخسار لٹکنے لگے جنہیں رومن عشایے کے بعد شرمناک سلوک برداشت کرنا پڑا۔ ساٹریکون میں ٹیملچیو اور اس کا ایک دوست اپنی بیویوں کو اس طرح ناراض کر دیتے ہیں کہ وہ کھانے کی میز ہی پر اپنے معشوق لونڈوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دیتے ہیں۔

آخر میں جیٹان یہ سوچتا ہے کہ نکولپیئس سے رخصت ہو جب کہ وہ آسلطوس کے ساتھ رات گزار چکا تھا۔انکولپیئس خاطی جوڑے کو سیسرو کے شاہانہ انداز مین یوں جھڑک دیتا ہے۔

> کیا میں اسی لئے انصاف سے بچ کر فرار ہوا ہوں کہ میں نے چار آیئنہ سپاہی کو اس واسطے چھوڑا اور اپنے میزبان کا اس لئے قتل کیا تھا؟ کیا یہی میری بہادری کا صلہ ہے اور میرے جرائم کا۔ کہ مجھے یکہ و تنہا چھوڑ دیا جائے اور دربدری ہو ایک فقیر بنا دیا جائے جو کسی یونانی قصبے کے گھٹیا سرائے میں پڑا رہے یعنی (جنوبی اٹلی میں) ؟ اور کس نے میرے نصیب میں تنہائی لکھ دی ہے؟ ایک نوجوان شخص (آسلطوس) جو ہر قسم کی جنسی کج روی اور بدی میں غوطہ کھاتا رہا ہو۔ایک ایسا فرد جو خود اعتراف کر چکا ہے کہ وہ شہر بدری کا مستحق ہے۔اس کی آزادی کی قیمت کس نے چکائی کہ وہ عیاشی سے نکل آئے اور اس کی عیاشی کے لئے جو اس کی آزادی سے منسلک ہے۔ جب کوئی شخص ایک ٹکٹ خریدتا ہے تو کس کا جسم بکتا ہے کس سے ایک عورت کی طرح سلوک کیا گیا جس میں وہ بھی شامل تھے جنہیں معلوم تھا کہ وہ ایک مرد ہے! اس کے شریک جرم لوگوں کا کیا ہوا؟ ایک چھوٹا لڑکا (جیٹن) جس نے اپنی پتلون کے عوض اسکرٹ لے لیں۔ جب کہ اس کی ماں اسے سمجھاتی رہی کہ کبھی مرد نہ بننا!

جیسا کہ سینٹ کی سیاست میں ہوتا ہے جب لونڈے عورتوں کے بھیس میں شریک ہوتے ہیں یہی وہ نقطہ ہے جہاں پر انکولپیئس کی گالی گلوچ شروع ہوتی ہے۔

ناول میں ایک نازک موقع اس وقت آتا ہے جب انکولپیئس بالآخر پھر سے جیٹن سے مل جاتا ہے جب دونوں جہاز میں ہوتے ہیں جو غرق ہو جاتا ہے۔

دریں اثنا میں تو جیٹن سے پوری قوت سے لپٹا ہوا تھا۔ دہشت اور المناک مایوسی کی وجہ سے سسکیاں لے رہا تھا۔ ''اے عالم بالا کے خداؤ'' میں دل کی گہرائیوں سے چلایا'' کیا یہی تمہارا انصاف ہے کہ دو عشق کرنے والے موت کی گھڑی میں ملیں؟ ہائے افسوس، اسی پر اکتفا کیا جاتا کیونکہ انجام بہت ظالم ہے اور جلد ہی سمندر کی موجیں جہاز کو تہہ و بالا کر دیں گی اور وحشی لہریں دو عشاق کی آخری ہم آغوشی کو دولخت کر دیں گی۔۔۔عجلت میں وہ اپنے کپڑے اتار ڈالتا ہے۔ جیٹن میرے چغہ کے اندر پناہ لیتا ہے اور اپنا چہرہ یوں بلند کرتا ہے کہ اسے چوم لیا جائے۔ اس کے بعد حاسد سمندر کو روکنے کی غرض سے کہ وہ ہماری ہم آغوشی میں رخنہ نہ ڈال سکے وہ اپنی پیٹی ہم دونوں کے گرد لپیٹ لیتا ہے اور کس کر بکسوا لگا لیتا ہے۔ آخری تالیف قلب پھر بھی رہتی ہے۔ انکولپیس وہ چلاتا ہے اب چاہے کچھ ہو کم از کم ہم دونوں ایک ساتھ عشق میں مریں گے چاہے کچھ دیر کے لئے سمندر کے تموج میں ہچکولے لینا پڑے اور اگر محض اتفاقاً کوئی بے ضرر لہر جو باقی ماندہ سے مختلف ہو ہمیں ساحل پر لا پٹکے۔ کوئی راہگیر صرف انسان دوستی کے جذبے کے تحت ممکن ہے ہم دونوں کی ایک ہی قبر بنا دے۔''

بلاشبہ عموماً حرامزادے کی رسی دراز ہوتی ہے۔ جو جذباتی لفاظی اس نثر کے ٹکڑے میں ہے وہ تو جیسے آنے والی صدیوں میں یونانی رومانس کا پیش خیمہ ہو۔ جن میں تاہم ہم جنس پرستی کا کردار محض ثانوی رہا۔

سوٹونیس اور کئی شہنشاہ:

ساٹریکون ایک عجیب وغریب دستاویز ہے جس کے صفحات اگر چہ بدمذاقی کی مذمت

کرتے ہیں مگر بدچلنی کے خلاف بہ مشکل کوئی لفظ نکالتے ہیں۔ اس میں یہ جھلکتا ہے جیسے وہ شاہی روم کی اوباشی کو ظاہر کر رہی ہو۔ اگر ہوسناک شعرا باشعور باغی ہیں جو عشق کرنے کی غرض سے جیتے ہیں اور پیٹرونئیس تو سر سے پاؤں تک بداخلاقی ہے۔ اس عہد کے رومن مورخین مسلسل عوامی حکومت کی سنسر کی پالیسی پر غور و خوض کرتے رہے۔ تاکہ مردانہ معاملات کو استعمال کر کے سیاسی طور پر طاقتور لوگوں کو رسوا کیا جائے بالکل اسی طرح جیسے بہ زمانہ سیسرو کیا جاتا تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ ذاتی بدنامیوں کی جتنی مقدار سیاسی سوانح عمریوں میں ملتی ہے اس سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ایسے عشق تو رومن بالائی طبقے میں ہر مقام پر حاضر و ناظر رہتے تھے۔ اس لئے ایڈورڈ گبن نے لاطینی منابع میں سے یہ نکالا جسے اس نے زیریں حاشیے میں ترش و تیز لہجے میں ان صفحات میں تحریر کیا جو ہاڈریان کے لئے اس نے زوال اور خاتمہ (Decline and Fall) میں مختص کئے ہیں۔ ''پہلے پندرہ شہنشاہوں کلاڈیس واحد ایسا فرد تھا جس کا مذاق عشق سولہ آنے درست تھا۔''

رومن شہنشاہوں کی جنسی سرگرمیوں کے متعلق ہماری زیادہ تر معلومات سوٹونیس کی کتاب ''بارہ قیصروں کی زندگیاں'' (Lives of the Twelve caesars) سے حاصل ہوئی ہیں۔ یہ بری طرح کھنگالی جانے والی سوانح پلوٹارک کی 'متوازی زندگیاں' (Parallel Lives) کی اشاعت کے چند برسوں کے اندر شایع ہوئی تھی اس کے باوجود یہ مردانہ تعلقات کے رکھ رکھاؤ کے معاملے میں بہ مشکل مختلف ہیں۔ لیکن کسی حد تک سوٹونیس محض رسیلی گپ شپ کا ماجرا بیان کرتا ہے کیا اس کے بیانات سیاسی تعصب میں رنگے ہوئے ہیں؟ سوٹونیئس کے خاکے مجموعی طور پر خشک، حقیقت پرداز اور لفاظی سے عاری ہیں۔ اس کی تحریروں میں تو لوگوں نے یہ بھی اخذ کرلیا جیسے وہ سلطنت کے ادارے کا مخالف تھا۔ جیسا کہ اس کی جولیس سیزر پر تصنیف جس میں قیصر کی بطور جنرل تعریف اور مدبر کے تعریف کرنے کے بعد وہ اس کی مذمت کرتا ہے کہ اس نے کس طرح غصب اقتدار کیا۔ ایسے برملا فیصلے تاہم خال خال ہیں۔ اس کے باوجود سوٹونیئس اس پر آمادہ نہیں لگتا کہ کوئی تفصیل ہاتھ آ کر نکل جائے جو شہنشاہ کے کردار پر منفی طریقے سے اثر انداز ہو۔

سوٹونیئس کی تحریریں کوئی ۱۲۰ء کی ہیں لیکن سیسرو کی طرح وہ مردانہ تعلقات کو صرف

جارحانہ سیاق ہی سے بیان کرتا ہے۔ اس کا پہلا باب جو جولیس سیزر پر ہے طرز تحریر کو طے کر دیتا ہے۔

قیصر کی پارسائی پر کوئی داغ نہ تھا الا اس کی شاہ نیکو میڈز سے بے تکلفی کے لیکن وہ ایک گہری اور دیرینہ خجالت کا معاملہ تھا جس نے اسے ہر جانب سے ذلت کا نشانہ بنا دیا۔ میں لائسینیس کالوس کی بدنام زمانہ سطروں کا ذکر نہ کروں گا ''بتھیانیا کے پاس جو کچھ بھی تھا اور قیصر کا آشنا (جو قیصر کی گانڑ مارتا تھا) میں بھی آگے بڑھتا ہوں۔ ڈولا بیلا کی دشنام اور کیوریو کبیر جسے ڈولا بیلا ''ملکہ کا رقیب'' پکارتا ہے جو شاہی بستر کا نزدیکی ساتھی ہے۔ اور کیوریو کو ''نکومیڈز کا چکلہ اور بتھیانیا کا قیمہ'' میں بی بولس کے فرمان کو خاطر میں نہیں لاتا جس میں اس نے اپنے ساتھی کو ''بتھیانیا کی ملکہ'' کہا ہے اور یہ کہہ کر کہ ''پہلے تو وہ ایک بادشاہ کے سحر میں تھا مگر اب اس کی نظر بادشاہ کی ملکیت پر ہے۔'' لیکن گالیس میمیس تو براہ راست الزام لگا دیتا ہے کہ وہ تو نکومیڈز کا ساقی رہا ہے جب کہ ایک ڈنر پارٹی میں اس نے جو خرمستیاں کیں اور مہمانوں میں سے چند روم کے تجار بھی تھے جن کے نام میمیس دیتا ہے۔ سیسرو بے شک اس نے مختلف طرز تحریر میں لکھا ہے کہ قیصر بادشاہ کے ملازمین کی رہنمائی میں شاہی اپارٹمنٹ میں پہنچایا گیا کہ وہ ایک طلائی بستر پر لیٹے جو ارغوانی بیلوں سے مزین ہیں۔ اور ناہید کے اس بیٹے کی عزت بتھیانیا میں لٹی تھی۔

اس کے بعد سوٹونیس مارک انٹونی کے الزامات درج کرتا ہے جو آگسٹس نے کمائے تھے اور قیصر نے جنسی رعایتیں دے کر اختیار کیں لیکن وہ اس کہانی کو سیاسی جھوٹی افواہ سازی کہہ کر ضعیف کر دیتا ہے۔

سوٹونیس مستبد شہنشاہوں کی جنسی تواریخ کو کھودنا چاہتا ہے جن میں ٹائی بیریس، کالی گولا اور نیرو جس پر خصوصی رغبت دکھاتا ہے۔ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ چند معاملات میں وہ سادہ لوحی سے کہانیوں کو بلا کسی تنقید کے بیان کئے جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے ماخذوں کی بھی تنقیح نہیں کرتا۔ یہ بالخصوص ٹائی بیریس کی حد تک درست ہے جن پر سوٹونیس یہ الزام دیتا ہے کہ وہ کیپری میں اپنی قیام گاہ کے تخلیوں میں جنسی کھیل منعقد کراتا تھا اور بڑے باضابطہ انداز میں بچوں سے بدکاری کی جاتی۔ جب کہ کالی گولا اور نیرو کے معاملے

میں اس کا رویہ مزید ازروئے واقعات ہے۔ کالی گولا کے متعلق تو وہ یہ کہتا ہے کہ اشرافیہ کا ایک نوجوان جس کا نام والہریس کاٹل لس ہے نے ''سرعام یہ اعلان کردیا کہ اس نے شہنشاہ کی ماری ہے اور تجارت میں بگاڑ آجانے سے وہ اس سے جدا ہوگیا ہے۔'' نیرو کی عیاش فطرت اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے نوجوان سپورس کو خصی کرادیا تھا۔ پھر ان کی جھوٹ موٹ کی شادی ہوئی۔ اور پھر اس کا سرعام اس سے اس طرح پیش آنا جیسے وہ اس کی ملکہ ہو۔ اس کے بعد سوٹونیس یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نیرو نے اپنے آزاد کردہ غلام ڈوری فورس سے اسی طرح شادی رچالی جس طرح سپورس نے اس سے کی تھی۔ معاملہ بہ ایں جارسید کہ یہ سوانگ بھرا گیا کہ جب کسی دوشیزہ کا پردہ بکارت پھٹتا ہے تو وہ کیسے چلاتی ہے اور آہ و بکا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ان تین افراد کے مختصر خاکے بھی دیے جنہوں نے مختصر عرصے کے لئے نیرو کی موت کے بعد زمام اقتدار سنبھالی ان میں شہوانی پہلو کو نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ عمر رسیدہ گلبا جس کی اپنے فوجی دستوں سے جزرسی نے یہ دن دکھایا کہ اسے تخت سے محروم ہونا پڑا وہ ''کڑیل جوان تنومند مردوں کو'' لڑکوں پر ترجیح دیتا اور کفایت شعار اوتھو ''بقول کسے'' نیرو کا بستر میں ساتھی تھا۔ اور یہ بھی کہ چپ چپا وٹیلیس نے عملی زندگی کا آغاز ٹابیرس میں بطور شہوانی اداکار کے کیا تھا اسی لئے اس کا چڑانے والا نام ''عمر رسیدہ غیر شادی شدہ عورت'' پڑ گیا۔ (Spintria)۔

سوٹونیٹس کو ہو نہ ہو ڈومیشین کی ہولناک عہد حکومت کی تفصیلات بہت صاف یاد ہوں گی۔ جن میں اس نے اپنی جوانی کے دن بسر کئے ہوں گے۔ پہلے دو فلیوی شہنشاہ، جو ڈومیشین کے باپ اور بھائی تھے ان سے باوقار سلوک کیا گیا۔ وہ منکسر اور خوش مزاج ویسپا سین کی مدح و ثنا کرتا ہے اور اس کے بیٹے ٹائی ٹس کے متعلق بڑے جوش و خروش سے کہتا ہے کہ ''وہ نوع انسان کی نسل کا شگوفہ اور جان ہے'' اگرچہ سوٹونیس یہ بھی کہتا ہے کہ ٹائی ٹس ''گانڈووں اور خواجہ سراؤں کی فوج رکھتا ہے۔'' مگر یہ سب تخت پر بیٹھنے سے پہلے کی بات تھی۔ اس کے نزدیک یہ سب کچھ نوجوانی کی ترنگ میں جائز تھا اور ٹائی ٹس ان علتوں سے جلد ہی جان چھڑا لیتا ہے اس سے پہلے کہ اس کا مختصر اور مثالی عہد اختتام کو پہنچے۔

تاہم سوٹونیئس وقت ضائع کئے بغیر ٹایی ٹس کے چھوٹے بھائی کو کوسنے لگتا ہے یہی

آخری شہنشاہ بنا جس کا اس نے ذکر کیا۔ اس کا پہلا پیراگراف ڈومیشین کو اس طرح مورد الزام ٹھہراتا ہے کہ اس نے بطور قلاش فرد کے خود کو قونصلر کلاوڈیس پاولیو کو فروخت کر ڈالا تھا۔ وہ اس سلسلے میں ایک خط بھی پیش کرتا ہے جس میں شہنشاہ بننے والے نے وعدہ کیا تھا کہ میں مذکورہ عمر رسیدہ شخص کو چوری چھپے مناسب عہدے پر تعینات کر دوں گا۔ تاہم وہ اس بارے میں خاموش رہتا ہے کہ وہ ایک وجیہہ مخنث ایرینس کی ڈومیشین سے وابستگی مشہور تھی۔ جس کے متعلق ودنوں سٹےشیس اور مارشیل نے قصیدہ خوانی کی۔ غالبًا جس کی وجہ یہ ہے کہ غلاموں سے جنسی رشتے استوار کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا ہوگا۔ لیکن ہم پھر بھی سوٹونیس کے الزامات کو نظر انداز کر دیں تب بھی ہمیں ایک اعلیٰ پیمانے کا ہم جنس پرستی کا واقعہ درپیش ہے جو رومن ایمپایر کے قیام کے پہلے سو برس میں سر اٹھاتا ہے۔ بے شک ایک ہی جنس کے درمیان آشنائی لگتا ہے دنیا بھر کی سیاست میں اس قدر عام بات تھی جیسی کہ یہ بات عشقیہ شاعروں میں پائی جاتی تھی۔

سٹےشیس، مارشیل جووینل:

سیٹی ریکون کی متناقض اور کھردری حقیقت پروازی اور سوٹونیس کی چٹپٹی رسوا کن کہانیاں ایک نظم میں ہیں جو اس کے وکیل دوست فلای ایس ارسس نے ایک نوجوان محبوب دوست فلائیٹس کی موت پر لکھی تھی۔ سٹےشیئس جو پہلی صدی کے دوسرے نصف میں جیا اس کی اپنے زمانے میں بے حد مدح و ثنا ہوئی اور بعد میں ڈانٹے اور چاوسر نے زمانہ وسطی میں جب اسے (نا قابل توضیح وجوہ پر) مسیحی سمجھا گیا۔ اس کی دوسری کتاب (Silvae) جو نظموں کی ہے اس کی چھٹی نظم رومن ادب میں ایک نادر شے ہے۔ وہ سطریں جو مردانہ عشقیہ معاملے کو اس نقطہ نظر سے ذکر کرتی ہیں جو قطعاً یونانی ہے۔

فائی لیٹس جس کے نام کے معنی ''معشوق'' کے ہیں۔ اسے وفادار اور چاہنے والا بیان کیا گیا ہے۔ بہت سے منظور نظر غلام لڑکے لڑکیوں جیسے چہروں والے اور کنڈلی والے چیتے کہلاتے۔ لیکن سٹاشیس کا کہنا تھا کہ یہ پندرہ سال والا پورا مرد تھا منکسر مزاج اور قوت

فیصلہ میں بالغ نظر اور خود کو لئے دیے رکھتا۔ ''وہ بھی ایک اہل اسپارٹا'' کی طرح یا پھر اولمپک کھیلوں کے کسی کھلاڑی کی طرح۔ اس کی ذات سے خیال گینی میڈ کے بجائے تھی سیوس اور آچیلز سورماؤں کی طرف جاتا۔ سٹاشیئس اس کی جاں نثاری کو ارسٹس کی پیٹرو کلس سے مقابلہ کرتا اور آچیلز کے لئے عشق کو ''سیکروپین'' کہتا جس کے معنی ایتھنز والا ہے۔ سٹا شیئس کی تعریف اتنی حد سے بڑھ کر ہے کہ ہمیں تو شک ہونے لگتا ہے کہ کہیں وہ بھی اس پر نیم دیوانہ تو نہیں ہوگیا تھا۔ آخر میں وہ اس پر مجبور ہوگیا کہ یہ جوان کچھ بھی کہیں، ہے تو غلام۔

مارشیل اور سٹاشیئس ہم عصر تھے جن کے دوست اور مربی بھی ایک ہوئے لیکن دونوں ان کا ذکر نہ کرتے۔ شاید یہ خاموشی معنی خیز ہے کیونکہ چند ہی شعرا میں اتنی گہری چشمک ہوسکتی ہے۔ سٹاشیئس ایک عالم، مثالیت پسند شخص تھا۔ اس کی چھوٹی نظموں والی چودہ کتابیں شہوانی رویے سے مملو ہیں اور ان میں پہلی صدی عیسوی کے کنسے کی صراحت نظر آتی ہے۔ وہ کسی اور لاطینی مصنف کے مقابلے میں کہیں زیادہ پردہ چاک کرنے والا ہے جس میں اپنی ترجیحات کے علاوہ اس پر بھی کمر بستہ ہے کہ وہ کن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ تاہم وہ کسی مصلح فلسفی کا مرتبہ نہیں حاصل کرنا چاہتا۔ اس کی مزاحیہ نظمیں جن میں تلقین کے بجائے ان میں بغض وعناد کے بجائے ڈھکا چھپا پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔ وہ تو ایسا اخباری نامہ نگار ہے جس کا اخبار بڑی بڑی سرخیوں اور تصاویر سے چلتا ہو اور جو اونچے اصولوں کا چاہے نقیب نہ ہو بلکہ داخلی احساسات اور گلی کوچوں میں مٹر گشت کرنے والے عامیوں کے ردعمل کا نمائندہ ہو۔

مارشیل میں پایا جانے والا سلسلہ مراتب بالخصوص جنسی تعصّبات کی حد تک نہایت واضح ہے۔ اسے ان چیزوں سے کوئی رغبت نہیں ہے جنہیں ہم ان دنوں قبیح یوں کہتے ہیں کہ یہ ''کلیسا'' کا کہنا ہے مگر عورتوں کی گانڑ مارنے میں کوئی مضایقہ نہیں سمجھا جاتا تھا یہی حال لونڈے بازی کا ہے۔

کسی گانڑ مرانے والے یا گانڈو کا کردار کرنے والا اس کی نظر میں ہوسکتا ہے اس کے لئے قابل ملامت ہو (نظم ۲۔۵۱، ۳،۱۷، ۴۷۔۹) لیکن ان سے بھی بدتر لنگ چوس یا پھرٹنا

چوسنے والا ہے (۲۔۲۸،۲۔۵۰،۳۔۸۱،۶۔۲۶) ایسے مرد اور عورتیں چاہے وہ دگر جنسی ہی کیوں نہ ہوں (۱۔۷۷،۴۔۸۴) یا ہم جنس پرست ہوں (۷۔۶۷، ۹۔۲۷) وہ سب خلاف ضابطہ رویہ کے باہر ہیں۔ وہ یہ ضرور تسلیم کرتا ہے کہ جب عورتیں اس کا آلت چوستی ہیں تو اسے بہت مزا آتا ہے لیکن میرے لئے ان کا احسان اتارنے کے لئے ان کے بظر چوسنا اتنا توہین آمیز ہے کہ جسے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ (۹۔۴۰،۹۔۶۷)

مارشیل تو اقبالی طور سے بلکہ جارحیت کی حد تک دوجنسیا ہے وہ ورجل کی نظم (۸۔۵۵) اور کاٹلس کی طرح جس سے وہ کئی معاملات میں گہری مشابہت رکھتا ہے لڑکوں کو مخاطب کر کے ''چومنے والی نظمیں'' لکھتا ہے (۳۔۶۵، ۶۔۳۴، ۱۰۔ ۴۲، ۱۱۔۶، ۱۱۔۲۶) وہ بغیر لگی لپٹی رکھے اپنی جنسی ناآسودگی کو بیان کر دیتا ہے جس پر اس کی ہوس پانی پھیرے دیتی ہے تاکہ میں اس کا علاج مشت زنی سے کروں۔ وہ اس کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ نسوانی چہروں والے لڑکے اس پر جادو سا کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ لونڈوں میں پائے جانے والے مردانہ پن سے کوئی پرخاش نہیں رکھتا۔ ایک خیالی پلاؤ پکانے میں ایسا لڑکا ابھرتا ہے جو نرالی سج دھج اور سنہری بالوں والا مصری ہوتا ہے جس کے بال گندھے ہوئے نہیں ہوتے جو سب کے لئے ''مرد'' ہوتا ہے مگر اس کے لئے محض ایک ''لڑکا'' (۴۔۴۲) وہ خوشامدانہ انداز میں ڈومیشیا کے منظور نظر کی بے جا تعریف کرتا ہے جو خوبصورت ایرینس ہے۔ نظموں کے پورے سلسلے میں (۹۔۱۱۔۱۲۔۱۶۔۱۷۔۳۶) لیکن اس سے بڑھ کر نہ تھا جو سٹاشیس اس سے پہلے ہی کر چکا تھا۔ وہ غلاظت کے سمندر میں غوطہ کھاتے ہوئے ایک لمحے کے لئے اپنی منشا کو ابھرنے کا موقع دیتا ہے اور دو نوجوانوں کے متعلق بڑی نرم زبان میں لکھتا ہے کہ ان کے عشق کا انجام موت کی صورت میں نکلا۔ (۶۔۶۸) مخصوص انداز میں وہ یہ بھی خبر دیتا ہے اور وہ بھی ایسے شخص کی طرح جو رسوا کر کے مزے اٹھاتا ہے کہ ''باریش کالسٹرالس کی شادی'' ''بھدے آفر'' سے ایک ایسی تقریب میں ہوئی جہاں عروسی نقاب اور جہیز بھی تھا۔

مارشیل کی طرح جو وینل بھی ایک طنز نگار تھا لیکن جہاں مارشیل چھوٹی ہجو یہ نظموں پر قناعت کر لیتا ہے جس کا نقطہ نظر کوچہ گرد لڑکے کے خیالات سے مختلف نہیں ہوتا وہیں

جووینؔل بہت زور دار نظمیں لکھتا ہے اور اس کی تیوری پر بل کسی برہم مبلغ کی طرح آ جاتے ہیں۔ وہ نسوانی چہروں والے مردوں اور مردنما خواتین پر زہر افشانی کرتے ہوئے طیش میں ہوتا ہے۔ نو دولتیا رذیل اور غیر ملکی۔ خصوصاً گہری رنگت والے مرد جو جوار مشرق سے چلے آتے ہیں۔ اس کی طویل ترین طنزیہ نظم عمومی طور پر خواتین کے خلاف ہے جن کی مذمت کرتے ہوئے وہ انہیں فتنہ پرداز، کنجوس، شبق النسا یا ضبط جذ اس میں مبتلا اور قتالہ کہتا ہے۔ یہاں آپ کو قدیم دنیا میں زن بیزاری کی سب سے زیادہ زہر میں بجھی ہوئی تحریر ملے گی۔ جووینؔل کی دوسری طنزیہ نظم مخنثوں پر حملہ ہے لیکن اس کی طوالت ایک تہائی ہے۔ لیکن اس میں ایکسوسٹر متنفر کرنے والی بحور مسدس ہیں۔ اس کے باوصف یہ بھرپور تلخ نوای جو کلاسیکل لاطینی دنیا کی ہم جنس پرستی پر سب سے بیش قیمت تحریر ہے۔

جووینؔل آغاز ہی میں ایک نامور صاحب اخلاقیات کو اس لئے نمایاں کرتا ہے کیوں کہ اس نے اس کے جذبات مجروح کئے تھے۔ ایسے مردوں کے ذریعے جن کے بازو سینک سلائی تھے اور ''بال ابرووں سے باریک'' جن کا دعوی تھا کہ وہ نہایت سادہ مردانہ خوبیوں کے حامل ہیں لیکن وہ گانڈو ہیں جو اس کی اجازت دے دیتے ہیں کہ جو مرد چاہے ان کی مقعد میں دخول کرے۔ (''تمہارے چوتڑ دل آویز ہیں جب متبسم ڈاکٹر مسوّں کو کاٹ کر نکالتا ہے'' مقصد یہ ہے کہ جب مرد کی جھانٹیں مونڈی جانے لگتی ہیں تو اس سے ڈاکٹر پر مریض کی مفعولیت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے)۔ جووینؔل اس پر احتجاج کرتا ہے کہ یہ اس کے لئے سہل ہے کہ وہ نسوانی چہرے والے مردوں کو سرراہ معاف کر دے جو اپنی علتوں کو نہیں چھپاتے۔ لیکن اس رواداری کے دعویٰ کو وہ ایک وکیل پر حملہ کر کے جھٹلاتا ہے جو ہمیشہ ایک آر پار نظر آنے والی پوشاک پہن کر عدالتوں میں آتا تھا۔ ایسے مرد جو ہار پہنتے ربن باندھتے اور دیوی بونا ڈیا (زنانہ مسلک) کی پرستش میں شریک ہوتے اور ایسے مرد جنہیں اپنی کھال کی رنگت فکر مند رکھتی۔ بالکل شہنشاہ اوتھو کی طرح جسے وہ گانڈو کہہ کر مذمت کیا کرتا کہ وہ میدان جنگ میں بھی آئینہ لے کر جاتا ہے۔

جووینل کو خصوصاً اس وقت جھٹکا سا لگتا ہے جب اس نوعیت کی سرگرمیاں قدیم رومی روساء کے کنبوں میں راہ پانے لگتی ہیں گرا کچی گوت والے روم کی نرینہ اقتدار سے تعلق

یگانہ روزگار تھا۔ وہ سلطنت کے جلوسوں میں روایتی طور پر مریخ کی بھاری ڈھال اٹھا کر چلا کرتے۔ جووینؔل اس بات پر گراک کسؔ پر برافروختہ ہوجاتا ہے جو ایسی شادی کی تقریب میں جو ایک ہی صنف کے لوگوں کے درمیان روم میں ہوتی تھیں بطور دلہن نمودار ہوتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ اس قسم کے معاملات بالآخر روزنامے میں شامل کئے جائیں گے؟ (اس بیچارے کے نصیب میں اکیسویں صدی دیکھنا نہ تھا)۔ دوسری اقوام کے لئے اس کی دشمنی پر کوئی بھی یہ توقع کرسکتا ہے کہ جووینؔل کو الزام دے کر یہ خطرناک نئے رجحانات جو غیرملکی اثرات کی وجہ سے ہوں لیکن اسے پتہ چلتا ہے کہ اس ''طاعون'' کے ماخذ روم ہی میں ہیں۔ وہ سوچنے لگتا ہے یہ جراثیم افریقی بربروں کو بھی متاثر کریں گے۔

جدید قاری کے لئے عین ممکن ہے یہ معاملہ گورکھ دھندا لگے جب وہ جووینؔل کی چھٹی طنزیہ نظم پڑھے۔ جووینؔل عورتوں کی جانب اشاارہ کرتے ہوئے انہیں اتنا، قابل اعتراض کہتا ہے کہ کوئی شخص بھی اپنے ہوش وحواس میں ان میں سے کسی سے شادی کرنا پسند کرے گا اور اپنے ایک دوست کو مشورہ دیتا ہے کہ اسے خودکشی کو ترجیح دینا چاہئے۔ اس کے بعد وہ ایک تعجب انگیز تجویز پیش کرتا ہے کیا یہ مفید نہ ہوگا کہ اس کی تجویز کے مطابق ''کہ کسی لڑکے کو بستر میں سلانے کے لئے رکھ لیا جائے جو تم سے رات میں کبھی بھی تو تو میں میں نہ کرے گا۔ اور لیٹ کر کبھی بھی تم سے تحالیف کی فرمائش بھی نہ کرے گا؟'' لیکن ہاں رومن نقطہ نظر سے اس میں کوئی تضاد بھی نہیں ہے۔ اغلام بازی سے کسی بھی حالت میں مردانہ حیثیت میں کبھی بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ جووینؔل کے دوست مارشیؔل کے اشعار انکشاف کرنے والی مزید روشنی ڈالتے ہیں جو جووینؔل کی اپنی ترجیحات کو عیاں کردیتی ہے۔ اپنے اسپینی فارم کی مسرتوں کی تعریف وثنا کے بعد جہاں وہ جووینؔل کو رہنے کے لئے مدعو کرتا ہے۔ مارشیؔل اس کے چند نئے نوکروں میں سے ایک کی تعریف کرتا ہے جو ایک نوجوان شکاری ہے۔ ''آیا تم پسند کرو گے کہ وہ تمہارے ساتھ ایک مخفی شاخسار میں رہے۔'' شاید وہ مرد جو دوسرے مردوں کے لئے کشش انگیز ہوتے ہیں یہ بات بڑے جوش وخروش سے محسوس کرتے ہیں کہ اغلامی کی مذمت کریں۔

ہاڈرین اور آنٹی نوس:

جناب عیسیٰؑ کے بعد پہلی صدی نے خلاف معمول تعداد میں بے ڈھنگی اور مستبد شخصیات کو روم کے اقتدار اعلیٰ پر براجمان ہوتے دیکھا۔ جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر نیرو، کالی گولا اور ڈومیشین تھے۔ لیکن ۹۶ء میں ڈومیشین کی جگہ عمر رسیدہ نروا نے تخت سنبھالا۔ جو انٹونا ین سلسلے کا سب سے پہلا ''اچھا شہنشاہ'' تھا۔ اس کے مختصر عہد کا بقول گبن کچھ اس طرح افتتاح ہوا۔ اس نے پورے یورپ کو یکجا کرنے کے خیال سے۔ اپنے دور کو ''ایسا بنانا چاہا جو دنیا کی تاریخ میں جب انسانی نسل کی حالت سب سے زیادہ پر مسرت اور خوشحال تھی۔''

یہ نصف النہار پہلی مرتبہ ٹراجن اور ہاڈریان کے عہد میں حاصل ہوسکا۔ جو دونوں ہی بڑی حد تک ہم جنس پرست تھے اسپنی ٹراجن ایک تنومند اور سادہ سپاہی تھا جس میں نہ فوں فاں تھی نہ ہی رسائی دشوار، نہ چھل فریب تھا اور نہ ہی درشتی اس لئے ڈایو کسی سس بتاتا ہے کہ اس سے ''سب ہی محبت کرتے اور دشمنوں کو چھوڑ کر کوئی بھی اس سے نہ ڈرتا۔'' اپنی مملکت کو توسیع دے کر اس نے ڈاسیا (جدید رومانیا) میسو پوٹا میا (عراق) اور آسوریہ کو فتح کر ڈالا۔ وہ واحد شہنشاہ تھا جو خلیج فارس تک پہنچ کر سکندر کی ہمسری کر سکتا تھا۔ اس نے قوانین کو مزید انسان نواز بنایا اور روم میں ایک ایسا مرکز تعمیر کرایا جو قدیم طرز تعمیرات میں سے ایک عجوبہ تھا جہاں پر اس کا مینار فتح اور محراب اب بھی موجود ہے۔ ممنونیت کی ماری سینٹ نے اس پر آپٹیمس کا لقب عطا کردیا۔ جس سے اس کی تصدیق ہوگئی کہ وہ شہنشاہوں میں سب سے اچھا ہے۔ ڈیوکا سیس نے اس کی شراب اور لڑکوں سے رغبت پر کچھ یوں تبصرہ کیا ہے کہ اس سب کے باوجود وہ ہمیشہ رومن شائستگی کی حدود میں ہی رہا۔ ''بلاشبہ مجھے یہ معلوم ہے کہ وہ لونڈوں پر فدا تھا اور شراب کا رسیا تھا۔ لیکن اگر اس نے کبھی بھی کسی غلط کاری کا ارتکاب کیا ہوتا یا کسی بدی کو گوارا کیا ہوتا تو اس کے نتیجے میں اسے سیاسی سرزنش کا سامنا کرنا پڑتا جیسا کہ اس زمانے کا معمول تھا۔ تاہم اس نے جی بھر کر مے خواری کی اس کے باوجود وہ ہمیشہ متین رہا اور اغلامیوں سے تعلقات میں اس سے کسی

لڑکے کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ٹراجن کی جگہ اس کا متوسل ہاڈریان تخت نشین ہوا جو اسپینی ہونے کے علاوہ کزن بھی تھا۔ وہ اتنا ہی انتھک تھا جتنا اس کا پیشرو۔ ہاڈریان ایک نہایت پیچیدہ طبیعت کا مالک شخص تھا۔اس کی شاہی پالیسی اتنی جارجیت آمیز نہ تھی جتنی ٹراجن کی تھی۔ فوج کو وہ خوب مسلح اور عالی ہمت رکھتا۔اس نے اپنی سرحدوں کو زیادہ قابل مدافعت بنانے کی غرض سے فوج کو ڈینیوب کے ورے بلایا اور اس طرف فرات تک۔ جب کہ ٹراجن اچھی طرح تعلیم یافتہ نہ تھا لیکن ہاڈریان یونان اور یونانی تہذیب کا بڑا دلدادہ تھا جو لاطینی کے مقابلے میں بہتر یونانی بولتا تھا۔ باضابطہ طور سے وہ روم کے تمام حکمرانوں میں سب سے بڑھ کر اچھا حکمراں تھا۔ وہ ریاضی اور عسکری امور میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ موسیقار، مصور اور شاعر بھی تھا اور علمی مباحثوں کا شوقین۔ٹراجن کی مانند اس نے تعمیرات پر دل کھول کر خرچ کیا۔ہم اب بھی اس کے بنوائے ہوئے مقدس ہڑوار پر عش عش کرتے ہیں یا پھر اس کے تیار کرائے ہوئے تعمیرات کے سرسری جایزوں کو دیکھتے ہیں جو اس نے سلطنت کے لئے اور اپنی دیہی حویلی کے لئے ٹیوولی میں تیار کرائے تھے۔عموماً انصاف پسند فیاض اور رحمدل ۔ وہ کسی کسی وقت موج میں آکر درشتی پر اتر آتا اور ٹراجن کی عالمگیر مقبولیت کا ذکر اسے گوارا نہ تھا۔ وہ شاید تمام شہنشاہوں میں سب سے اچھا منتظم تھا اور صاحب علم مدبر بھی لیکن اس کا یہودیوں سے سلوک ایسا نہ تھا جو اسے ستانے والا کہہ کر لعنت ملامت کرتے ہیں۔ وہ بھی ٹراجن کی طرح لونڈوں کا رسیا تھا اور اس موضوع پر شاعری بھی کرتا تھا اور یہ بھی افواہیں گردش کرتی رہیں کہ وہ اپنے پیشرو کے منظور نظر لڑکوں سے بھی معاملہ کرتا رہا۔ آخر میں موت نے ایسے شوق کا دنیا کے سامنے بھانڈا پھوڑ دیا۔

وہ ایک انتھک سیاح بھی تھا ہاڈریان نے یہ پالیسی بنائی کہ اسے سلطنت کے ہر خطے کا دورہ کرنا چاہیے۔ گال اور برطانیہ (جہاں اس نے مشہور دیوار تعمیر کرائی) سے لے کر مشرق میں مصر تک۔ ایتھنز میں ایک موسم سرما میں ۲۹۔۱۲۸ء اس نے قاضی القضات کے فرائض اختیار کر لئے اور ایلوس کے مقام پر لگنے والے میلے میں کھنچ کر پہنچ گیا۔ اور اس نے شہر کی عظمت کو چار چاند لگا دیے۔ اسے ایک مضافاتی نو آبادی سے سرفراز کیا جس میں ایک شاندار لائبریری قائم کی اور نہایت پرشکوہ معبدوں کی حد سے اپنی روحانی پراچینی یونانیت کو

تسکین پہنچائی۔ مذکورہ سیاحت کے دوران میں کسی مقام پر وہ انٹی نوس کے عشق میں گرفتار ہوگیا۔ جو بیتھ نیا کا رہنے والا ایک نوجوان تھا۔ جو اس کے مصاحبین میں شامل ہوگیا۔ شائد وہ اس سے اس وقت ملا جب وہ پہلی مرتبہ اس صوبے کا دورہ کررہا تھا۔ شاید بعد میں وہ ایتھنز میں بحیثیت طالب علم کے ملا۔ ہم صرف یہ بات یقین سے جانتے ہیں کہ انٹی نوس نے ہاڈریان کی معیت میں مصر کا دورہ کیا اور وہیں وہ اٹھارہ یا انیس سال کی عمر میں دریائے نیل میں ڈوب گیا۔

انٹی نوس کی تصاویر یہ ظاہر کرتی ہیں کہ بطور ایک نوجوان وہ ششدر کردینے والے حسن کا مالک تھا۔ چہرہ شہزادوں سا، سوچ بچار میں منہمک، چہرے پر افسردگی اور سادے خدوخال پر گھنے گھونگریالے بالوں والا تاج رکھے ہوئے۔ بسا اوقات بشرہ کے جذبات میں لڑکوں کی طرح بھولپن اور کبھی پرفن اور خواہشات کا اسیر۔ اس کی ذات یونانی نوآموز فوجی جوان کی کھلاڑیوں والی قوت اور مشرقی حسی لذات کی تڑپ کا مرکب تھی۔ یوں لگتا جیسے فنکار نے مسلمہ روایات اور ہندوفن سنگتراشی کا گہرا مطالعہ کیا ہو۔ لیکن اگر ایک ہزار مجسمے، سکے اور جواہرات یہ دکھائیں کہ انٹی نوس کیسا لگتا تھا مگر ہمارے پاس مختصر علم ہے جس سے پتہ چل سکے کہ اس نے ہاڈریان کے ساتھ کیسے زندگی بسر کی۔ ایک گشتی ابھرواں سنگ تراشی کا نقشہ جو روم میں کانسٹنٹاین کے معبد کی زینت بنا ہوا ہے دکھاتا ہے کہ وہ شہنشاہ کے ہمراہ جنگلی سور کے شکار کے لئے ایشیائے کوچک میں ہے۔ ایک ایسا ہی اور نقشہ جو یہ دکھاتا ہے کہ ہاڈریان ایک مارے ہوئے شیر کی ایال پر کھڑا ہوا ہے جس میں بڑی عمدگی سے واقعے کی عکسبندی ہوئی ہے۔ جب ۱۳۰ء میں ہاڈریان مصر میں وارد ہوا تو اس نے ایسے خونخوار شیر کا ذکر سنا جو لیبیا کو تاراج کررہا تھا۔ چونکہ یہ ہمیشہ کا پرجوش شکاری تھا اس لئے وہ ایک پارٹی کے ہمراہ صحرا میں نکل گیا تاکہ عفریت سے لوگوں کو نجات دلا سکے۔ شکار کا ماجرا جس میں انٹی نوس بھی شریک تھا اسے یادگاری نظم میں سکندر کے عہد کے شاعر پن کریٹس نے لکھا ہے۔ تفصیلات ممکن ہے شہنشاہ نے مہیا کی ہوں۔ انٹی نوس بیٹھا ہوا آدم خور شیر کا منتظر ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں گھوڑے کی لگام ہے اور داہنے میں ایک نیزہ جس کی انی نہایت سخت دھات کی ہے۔ سب سے پہلے ہاڈریان اپنا نیزہ پھینکتا ہے جس کی نوک پر

پیتل چڑھا ہوا تھا اس نے وحشی کو زخمی تو کر دیا مگر ہلاک نہ کر سکا۔ کیونکہ قصداً صحیح نشانہ نہیں لیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ خوبصورت انٹی نوس کو نشانہ بازی کی مشق کی آزمائش کرے۔ لیکن اس سے پہلے کہ انٹی نوس حملہ آور ہوتا شیر نے اس پر دھاوا بول دیا اور ہاڈریان کو مجبوراً ہلاک کرنے کے لئے حملہ کرنا پڑا۔

چند ہفتوں کے اندر ہی اندر وہ نوجوان مرگیا جس کی زندگی شہنشاہ نے بچائی تھی۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہاڈریان کا غم واندوہ سے برا حال تھا ''وہ کسی عورت کی طرح رویا'' اس کے باوجود تمام معاملات پر اسرار رہے۔ کیا انٹی نوس کی موت ایک حادثہ تھی یا پھر اس نے عمداً خود کو غرق کر لیا؟ ڈایو کاسیئس کی تاریخ جو ایک صدی کے بعد تحریر کی گئی وہی پوری اور ابتدائی تفصیلات دیتا ہے۔ ڈایو کے پیش نظر ہاڈریان کی خودنوشت سوانح حیات تھی (جواب دستیاب نہیں ہے) مگر وہ اپنی قیاس آرایاں پیش کرتا ہے۔

> انٹی نوس مصر میں مرا تھا۔ دریائے نیل میں گر کر جیسا کہ ہاڈریان نے لکھا ہے یا پھر جو کہ سچ ہے اسے ہاڈریان کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں کیوں کہ شہنشاہ ہمیشہ بڑی ٹوہ میں رہا کرتا جس کے لئے وہ جیوتشیوں سے ملتا اور ہر قسم کے جادو ٹونے والوں سے روابط رکھتا۔ اس کے مطابق اس نے انٹی نوس کو عزت و اکرام سے نوازا، اس کی وجہ یا تو اس کا عشق تھا یا پھر نوجوان نے رضا کارانہ ہی موت کو گلے لگالیا (اس کی ضرورت یوں پڑی کہ ایک زندگی کو رضا کارانہ بھینٹ چڑھانا ضروری تھا تا کہ ہاڈریان نے جن مقاصد کو متعین کیا ہے انہیں شہنشاہ کو بہ ہر صورت حاصل کرنا ہے) اس مقام پر ایک شہر بسا کر جہاں وہ اپنے انجام کو پہنچا اور اس کا نام متوفی پر رکھ دیا گیا۔ اس نے وہیں پر اس کا ایک مجسمہ نصب کرایا۔ یا پھر اس کی بابرکت شبیہوں کو وہیں۔۔۔ یا پھر قریب قریب ساری دنیا میں۔ سارے گمان تو یہ کہتے ہیں کہ اس کی موت ایک حادثہ تھی۔ مگر شاید مصری پروہتوں نے چند پیش گویاں کی تھیں جن کا مذہب شہنشاہ کو بہت بھا گیا تھا۔ بعد میں اسطوری رنگ نے فرضی قربانی کو جذب کر لیا اور الیسٹس کا روایتی قصہ حقیقت بن گیا۔ یوں آریلین وکٹر نے ۳۰۳ء میں لکھا '' دیگر لوگوں کا خیال ہے کہ

انٹی نوسؔ کی قربانی پاک اور مذہبی تھی۔''

کیونکہ جب ہاڈریانؔ آرزو مند تھا کہ اس کی زندگی طویل ہو اور جادوگر یہ چاہتے ہوں کہ ایک رضا کار اور جاں نثار کشتہ بنے۔ ان کا کہنا ہے کہ دیگر کے انکار کر دینے پر انٹی نوسؔ نے خود کو پیش کر دیا۔

پندرہ صدیوں کے گزرنے کے بعد ایک غمزدہ مغل شہنشاہ نے اپنی محبوب بیوی کی یاد میں پرشکوہ تاج محل تعمیر کرایا۔ ہاڈریانؔ نے تو بہت ہی بڑے پیمانے پر کام کیا اور ایک نیا شہر تعمیر کر کے کھڑا کر دیا یعنی انٹی نو پولس، جو دریائے نیل کے کنارے تھا جہاں اس کا معشوق مرا تھا۔ سنگ بنیاد رکھنے کا فرمان ۳۰ اکتوبر ۱۳۰ء کو جاری ہوا اس حکم کے ساتھ کہ یہ مرنے والے لڑکے کی یادگار بنے گا۔ جو ایک مذہبی معبد ہوگا۔ جو ایک نئی یونانی نو آبادی اور انتظامی مرکز ہوگا۔ ہاڈریانؔ کے خواب کو کماحقہ تعبیر ملی۔ جس میں ٹھاٹھ باٹ والے معبد تھے، سنگ مرمر کے قطار اندر قطار ستون اور حدود قانون میں نو تعمیر شدہ شہر صدیوں تک پھیلتا پھولتا رہا۔ مسیحیت اور عربوں کے ہاتھوں فتح مصر کو جھیل گیا۔ جب ۱۷۹۸ء میں ایڈمے فرانکویس جومارڈؔ نے اس جگہ کا خسرہ نپولین کی فرمائش پر کرایا تو وہ ان وسیع و عریض کھنڈرات کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ دو شاہانہ ایوان کے دونوں جانب سینکڑوں ستون موجود تھے۔ اس کے علاوہ شہر بھر میں ہر جگہ جونارڈؔ نے ۱۳۴۴ مجسمے اور سرو سینہ والے مجسمے پائے۔ خوش قسمتی سے جونارڈؔ ان انتظامات کا بھی ذمہ دار ٹھہرا اور اس نے ایک بہت ضخیم کتاب شائع کرائی جو خوبصورت تصاویر سے مزین تھی جو اسی علاقے کی تھیں۔ کیونکہ جب ایک ماہر مصریات جب وہاں ۱۸۱۳ء میں پہنچا تو وہ پرشکوہ کھنڈرات صفحہ ہستی سے غایب ہو چکے تھے۔ سارا ملبہ ایک سیمنٹ فیکٹری کی تعمیر میں صرف ہو چکا تھا جس نے بڑے تسلسل سے اپنے صدیوں پرانے ستونوں معبدوں اور مجسموں کو زمین بوس کر دیا تھا۔ کاروباری مفادات نے ہر چیز کو منہدم کر کے چونے کے ڈھیر میں ان عظیم یادگاروں کو بدل دیا تھا جنہیں کبھی عشق نے تعمیر کیا تھا۔

انٹی نو پولس تمام امور رہے ایک طرف ایک نئے خدا کا شہر تھا۔ ابھی تک رومن شہنشاہوں اور ان کے عزیزوں کو مقام الوہیت سینٹ دیا کرتی تھی، لیکن کسی عام آدمی کو خد

اکے کسی مرتبے پر فائز ہونے کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ مگر ہاڈریاں نے اپنے لگن کے جذبے میں جس طرح شاہ خرچی کی اسے یہ اعلان کر دینا چاہئے تھا کہ انٹی نوس لافانی ہے۔ ایسا کوئی خیال آج ہمیں عجیب سا لگتا ہے لیکن رومن، یونانی اور مصری روایات میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ ایک چو پہلو مخروطی ستون جس پر ہیروغلیفی طرز تحریر میں کندہ کاری کی گئی ہے تا کہ آنٹی نوس کی عزت افزائی ہو۔ آج کل روم کی پنشیان پہاڑیوں پر اسے بڑی محبت سے بلایا جاتا ہے ''کہ وہ مصریوں کے خداؤں کا رفیق ہے'' اور اسے اوسیرز کا ہم پلہ کہا جاتا ہے جو یونانیوں میں موت اور آواگون کا خدا کہلاتا ہے کہ کوئی فانی بھی الوہیت کے مرتبے پر فایز ہوسکتا ہے۔ اہل اسپارٹا نے اپولو کے لونڈے کے لئے ایک معبد معنون کر دیا تھا اور اس کے لئے سالانہ ایک میلہ منعقد کرتے جو ہیاسنتھیا میں ہوتا۔ انٹی نوس کی نئی عبادت کو حیران کن حد تک عمومی قبولیت ملی ماہرین آثار قدیمہ کو کوئی پانچ لاکھ مخروطی مرتبان ملے جو انٹی پولس کے معبد میں نذر و نیاز رکھنے کے کام میں آتے تھے۔ اس کے مسلک میں ایلوسز کے مذاہب کی اسراریت کے علاوہ یونانی سورماؤں کے معشوقوں کی مثالیت پسندی میں مشرقی اثرات بھی نفوذ کر گئے۔ یہ ایک عہد کے مذہبی مزاج سے بھی مطابقت رکھتے جس نے مشرقی تہذیب میں پائے جانے والے نجات کے نظریے، قربانی اور روز قیامت مردوں کا جی اٹھنا جیسے نظریات کو ارفع منزلت دے دی۔

یہ بات ناگزیز تھی کہ مسیحیت سے موازنہ کیا جائے۔ مظاہر فطرت کی پرستش کرنے والے مذہب کا حمایتی سیکس دونوں نئے عقائد کے خلاف تھا یہ احتجاج کیا کہ مسیح کو جو عزت دی جارہی ہے'' وہ اس سے مختلف نہیں ہے جو ہاڈریان اپنے منظور نظر لونڈے کو دیتا تھا۔'' یہ ایک ایسا موازانہ تھا جس نے کلیسا کے فادرز کو بدمزہ کر دیا ہوگا۔ اس مسلک کی کوئی بھی شبیہ جو انٹی نوس کی ہیں وہ ہاڈریان سے کسی تعلق کو نہیں ظاہر کرتیں۔ یہ ذمہ داری تو جارح مسیحیوں پر آپڑی کہ آنٹی نوس کی جنسی سرگرمیوں کا تعین کریں۔ اسپینی شاعر کے زور تخیل نے یہ بتایا کہ نیا خدا ہاڈریان کی آغوش میں پڑا ہوا ہے۔'' اور اپنی مردانگی گنوا چکا ہے۔'' آتھن ناسیوس جو کٹر پنتھی کا مورچہ بند محافظ ہے وہ اسکندریہ میں بیٹھ کر ۳۵۰ء میں لکھتا ہے اور مذکورہ مسلک والوں '' کو ایسے پرستش کرنے والا کہا ہے جو اپنے آقا کی ہوس کے آگے

ذلیل اور گھناؤنا کارکن تھا۔‘‘

ہاڈریاںؔ نے بذات خود انٹی نویسؔ کے لئے خدائی انتہائی پراسرار انداز میں تلاش کی۔ بہ ظاہر معقول طریقے سے کہا جاتا ہے کہ جو نقوش پنشین ستون پر ہیں انہیں ہیروغلیفی طرز تحریر میں ہاڈریاںؔ نے یونانی زبان سے ترجمہ کیا تھا۔ وہ نئے خدا کو یوں پکارتا ہے ’’اوسیزر۔ آنٹی نوس عادل‘‘ ’’جو از سرِ نو‘‘ دوسری زندگی کے لئے جاگا ہے۔‘‘ اور ’’جو اس کے در پر آتے ہیں ان کی التجا یں قبول کرتا ہے۔‘‘ مخالفت کے باوجود آنٹی نوسؔ سے عقیدت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ جیسا کہ ایک تفصیلی سروے سے معلوم ہوتا ہے جو رویسٹن لامبرٹؔ نے کیا تھا۔ آنٹی نوسؔ کی شبہیں رومن سلطنت کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی ملی ہیں۔ ایشیائے کوچک کے تیس شہروں، یونان اور مصر نے اپنے سکوں پر اس کی شبیہ بطور خدا یا سورما کے ڈھلوائی۔ اور وہ بچے جو حواری پالؔ سے واقف تھے ممکن ہے وہ بھی ٹارسس کے بعد اس نئے خدا سے بخشش کی دعائیں کرتے ہوں۔ چونکہ بی تھنیا، آرکیڈیا کی نوآبادی تھا، اس لئے ہاڈریاںؔ نے آرکیڈیا کے شہر مانٹانیہ میں اپنے مسلک کا مرکز بنایا جو یونان میں تھا۔ ایتھنز میں عبادت گزاروں کے دو اجتماع ہوتے تھے اور ڈیلفی، اولمپیا، کورنتھ، آرگو، ایلوسس اور اپی ڈاورس کے مقامات پر کھدائی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ اسے ان جگہوں پر بھی خراج عقیدت ملتا تھا۔ یہاں تک کہ اٹلی میں بھی جہاں اس کا احترام اس لئے مشکوک ہوسکتا ہے کیونکہ یہ دساور کا مال تھا وہاں سات معبد ملے ہیں۔ آنٹی نوسؔ مسلک نہ یہ کہ طول وعرض میں پھیلا ہوا تھا یہ دیرا اثر بھی تھا۔ ہمیں تو صرف یہی توقع ہوسکتی ہے کہ یہ اسی وقت جاری رہے گا جب تک ہاڈریاںؔ حکمراں ہے۔ لیکن یہ نظریہ تو شہنشاہ کی موت کے بعد کئی صدیوں تک چلتا رہا۔ سالانہ یادگاری کھیل تو ۲۶۶ء تک ایتھنز میں ہوتے رہے اور آرگوسؔ میں ایک صدی بعد تک۔ مسیحی مناظرہ بازوں کے حملے جن میں۔ ٹرٹلیانؔ، کلیمنٹ، جیرومؔ اور دیگر شامل ہیں۔ یہ سب اس مسلک کے ثبات کی گواہی دیتے ہیں یہاں تک کہ بالآخر مسیحیت فتح پا کر پوری طرح غالب آ گئی یہ بھی چوتھی صدی عیسوی میں گراشینؔ اور تھیوڈوسئیسؔ کے عہد میں ہوا۔

کلاسیکل عہد کے آخر آخر زمانے میں فن کے عظیم ترین شاہکاروں میں آنٹی نوس کی

نمائندگی اونچے درجے کی ہے۔ ونکلمان مونڈراگون کے سر کو شائستگی اور انتہائی اعلیٰ درجہ کی ہنرمندی کا نمونہ کہتا ہے جو فراشاٹی کے مقام پر ۱۷۶۰ء میں کھدائی کے دوران میں ملا تھا۔ ''جسے دنیا کی سب سے عمدہ شئے کہا جاتا ہے۔'' اور حویلی الیانی سے جو راحت ملی'' اسے اس عہد کی سنگ تراشی کا شکوہ اور تاج کہا جاتا ہے۔'' سب سے زیادہ شاہانہ مجسمہ ایک زور آور آنٹی نوس، ڈاینی سوس ہے جو ڈیٹیکن کے سالا روٹنڈا کا جزو ہے۔ ڈولفی کا نو آموز فوجی کا مجسمہ نفیس ترین ہے۔ نام نہاد آنٹی نوس۔ اپالو جو ۱۸۹۳ء میں دریافت ہوا۔ ان سب ہی میں یوں لگتا ہے کہ ان میں حسن کا ایک نیا تصور ہے جو جاذب نظر ہے اور نمایاں ہے جو ایک شخص کی دین ہے مگر ہمہ صفت ہے۔ بے نظیر چہرہ اور پرعزم تنومند خدوخال کو دیکھ کر کوئی غلط فہمی نہ ہوگی کیونکہ یہ سب کچھ ان دو سو شبیہوں میں ملتا ہے جو ہم تک پہنچا ہے مگر جذبات یکساں نہیں ہیں۔ آنٹی نوس اس وقت اطمینان کی گہری سانس لیتا ہے جب زراعت کا خدا سلوانس جسے شراب کے کارکنوں نے اس وقت کمپا گنا میں بیسویں صدی کی ابتدا میں کھود نکالا۔ وہ چرواہوں کی طرح نرم خو لگتا ہے اس کے برعکس ایلوسنس سے ملنے والے مجسمے اگرچہ سخت ہیں مگر تکنیکی طور پر بے ڈھب ہیں۔ اور بڑی دردناک ہمدردی سے انسانی عوارض کو دیکھتے ہیں۔ ان ہی پسندیدگیوں میں ایک لڑکا جس سے عشق کیا جاتا ہے اور شہنشاہ اسے دیوتا کا مقام دے دیتا ہے۔ مختلف فنکاروں نے انگنت آرزویں ان میں انڈیل دی ہیں۔ اس الوہی حسن کے لئے ان کا مزاج عقیدت اور آن بان یونانی مذاہب اور جمالیاتی مثالیت کا مرکب ہے۔ جس میں رومن اقتدار اور مشرقی روحانیت بھی سموئی ہے۔

باب۔۵

عیسوی سال۔ا سے ۵۶۵ء

مسیحی اور ملیچھ (Pagans)

حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات و تنزیلات:

مسیحیت نے اس وقت جنم لیا جب روم کا اقتدار نصف النہار پر تھا اور یونانی تمدن ابھی تک بحیرہ روم کی دنیا پر حاوی تھا۔ لیکن مسیحیت یہودیت کا بچہ تھی اور اس نے سابق عقیدے سے بہت کچھ ترکے میں پایا۔ اس کے بانی مسیحؑ نے باب استثنیٰ کے احکام کہ اپنے ہمسائے سے محبت کرو اور غریبوں اور خاک نشینوں کے لئے پیغمبرانہ جذبات کا اظہار کیا۔ جنسیاتی معاملات میں انہوں نے قدامت پرستی اور شوق کو مخلوط کر دیا، طلاق کی مذمت کی مگر شادی شدہ اگر کہیں اور جنسکاری کرتے تو اسے سنگساری سے تو بچا لیا جو موسوی سزا تھی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پر اسرار لفظ ''راکا'' جو باب میتھیو ۵:۲۲ میں آیا ہے اسے ایک تحقیر ی اصطلاح سمجھا جائے جو زنانہ شکل کے اغلامیوں کے لئے ہے۔ پہاڑ جیسس پر جو خطبہ دیا گیا اس میں متنبہ کیا گیا کہ سننے والے اسے استعمال نہ کریں ورنہ دوسری صورت میں ہم جنس پرستی پر جناب عیسیٰؑ اپنی تنزیلات میں بالکل خاموش ہیں۔ یہ حیران کن ہے کیونکہ ان دنوں مردوں کے مابین عشق فلسطین کی یونانی برادریوں میں عموماً ملتا ہوگا جہاں وہ تبلیغ کرتے ہوں گے۔ مثال کے طور پر مارکؔ والا نسخہ ان کے اس دورے کے متعلق بتاتا ہے جو انہوں نے ''گاڈاریز کے ملک'' کا کیا تھا۔ گاڈارا ان دنوں ڈیکاپولس کا حصہ تھا (وہ دس یونانی شہر

جو سکندر کے زمانے سے شامل تھے) اور جو نہایت شہوت پرست میلیچر کی جائے پیدائش تھی۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ مسیح کے بہت سے پیروکار فلسطین کے اضلاع کے رہنے والے تھے۔

کیا اس خاموشی کے پیچھے کوئی سبب تھا حضرت مسیح کا خراج دیکھتے ہوئے کچھ لوگوں کو اچنبھا ہوتا ہے۔ یہ خیال کہ حضرت عیسیٰ ؑ خود بھی مردوں پر فریفتہ ہو جاتے ہوں گے جس کے لئے سینٹ جون کا حوالہ دیا جاتا ہے (اور چار مرتبہ) اور ان حواریوں کا جنہیں عیسیٰ ؑ چاہتے تھے۔ کئی مصنفیں کرسٹوفر مارلو، جیمز آئی، ڈینس ڈایڈی روٹ اور جیری بینتھم ان میں شامل ہیں۔ جنھوں نے مسیح ؑ اور جون کو عشاق کی طرح دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ بینتھم کے خیال میں وہ ننگا جوان جو ''لنگوٹ'' میں مسیح ؑ کا ساتھ دے رہا تھا جب انہیں گیتھ سی مین میں گرفتار کیا گیا (مارک ۱۴:۵۱) وہ ایک لڑکا طوایف تھا اور اس جاں نثاری کا سبب مسیح ؑ کی ہمدردی تھی جو انہوں نے اس کی برادری بدری میں روا رکھی تھی۔ لیکن یہ سب قیاس آرایاں لگتی ہیں جیسا کہ داؤدؑ اور جو ناتھن کے ساتھ ہوا اس لئے ہمیں اپنے فیصلوں کو فی الحال معطل کر کے رکھ دینا چاہئے۔ کیونکہ چند ہی لوگ ایسے ہیں جو اپنے تمدن اور وقت سے متاثر نہیں ہوئے۔ یہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ مسیح ؑ اپنے عہد کے نچلے درجہ کے یہودیوں کے روایتی تعصّبات میں شریک ہوگئے۔ بطور ایک حساس فرد کے وہ خاموشی کو بھی ترجیح دے سکتے تھے تا کہ مقبول تشدد کو نہ اکساتے جس قسم کے حالات کو فیلو نے بھڑکایا تھا۔ جب وہ سدوم اور عمورہ کے متعلق بولتے تو مسیح تالمود کی مانند جنسی گناہ کا ذکر نہ کرتے بلکہ مہمان نوازی نہ کرنے والوں کے خلاف بولتے اور جب بھی وہ اپنے پیروکاروں سے کہتے ''یہ سدوم اور عمورہ کے باسیوں کے لئے کہیں بڑھ کر رعایت ہوگی'' بہ نسبت ان شہروں کے جوان کا استقبال کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔

بین الاقوامی یہودیت اور پال:

ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس وحشیانہ انداز میں فیلو نے (The Special Laws) خصوصی قوانین کے ذریعے ہم جنس پرستوں کو نیست و نابود کرنے کی تبلیغ کی تھی۔ یہودی

مصنفین کا بین عہودی (قدیم اور نیئے کے درمیان دو صدیوں کا وقفہ) کا تسلسل سے اور جارحانہ ذکر جو اتنا تشدد آمیز نہ ہوتا۔ زیادہ تر عجیب وغریب تحریروں کے دفاتر میں ملتا جنہیں علماء نے جعلی یہودی متون (جنہیں ۲۰۰ ق م سے ۲۰۰ ء میں بائیبل میں شامل کیا گیا) کہا گیا ہے۔ جن میں متعدد روایات، نظمیں اور تفسیریں جو یونانی زبان میں تھیں اور جنہیں مصدقہ بنانے کے لئے غلط تعبیر کے ذریعے انہیں قدیم اساتذہ یا پیغمبروں سے منسوب کردیا گیا۔ اسی زمرے میں آرسیٹز کے خطوط آتے ہیں ہفتادی یونانی متن کی اصلیت کا پورا ماجرا جس میں اس کی ہم زمانی کا دعویٰ کیا گیا ہے مگر غالباً یہ سب ترجمہ ہونے کے کوئی ایک صدی بعد مکمل کیا گیا تھا۔ اس کا یہودی مصنف باقی ماندہ دنیا کو موردالزام ٹھہراتا ہے کہ وہ مردوں سے اغلام بازی کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس بات پر بھی شیخی بگھارتا ہے کہ یہودی موسیٰ ؑ کے قوانین کی وجہ سے ایسا رویہ اختیار کرنے سے محفوظ رہ گئے۔ ایک عجیب وغریب ایجاد تو یہ ہے "نام نہاد فوسی لائڈ کے جملے" اقوال وامثال پر مبنی اشعار جو چھ رکنی یونانی بحر میں کہے گئے لیکن ان کی ابتدا یہودی تھی۔ غالباً کسی آیونی شاعر کی مساعی ہیں جو تھیوگنس کے عہد میں گزرا ہے۔ مگر ان کی تالیف جناب مسیح ؑ کے زمانے میں ہوئی۔ جعلی "جملوں" غلط عہد سے منسوب کرنے سے متعلق اس میں تنبیہہ بھی موجود ہے یعنی "مردوں کی مردوں سے جنسکاری"۔

طاہر جعل سازیوں کا ایک سلسلہ جو نام نہاد کاہنہ کی غیبی پیش گوئی جو فال گھروں سے کی جاتیں۔ یا پھر "سرکاری" پیش گویوں کا چربہ ہوتیں جنہیں مقدس کتب کی طرح روم میں محفوظ رکھا جاتا۔ لیکن یہ سب یہودی ماخذات کی ہیں۔ ہاں انہیں کلیسا کے فادرز نے اکثر بطور حوالہ جات کے پیش کیا۔ ان پیش گویوں میں مسیحی تحریف وانحراف کا بھی دخل ہے۔ ان ہی کے اعزاز میں مایکل اینجیلو نے شاہانہ نسوانی کاہنہ کے مجسموں کو سسٹاین کی چھت کے نیچے بارلیش پیغمبروں کے پہلو میں جگہ دی ہے۔ تیسرا فال گھر جو ۳۰ قبل مسیح سے ذرا ہی پہلے قایم کیا گیا لونڈے بازی سے یہودی اجتناب کو ظاہر کرتا ہے اور اہل فونیشیا، مصریوں، رومن، یونانی، اہل فارس، گالاشین، "اور تمام ایشیا" کی سماجی اقدار اس میں نمایاں ہیں۔ تاریخ کے اس موڑ پر یہودی جارحیت رواداری کے نسبتاً بڑے سمندر میں ایک چھوٹے سے

جزیرے کی حیثیت رکھتی تھی۔

تاریخی طور پر ایک عقیدے کے لوگ معمول کے مطابق دیگر عقاید کے لوگوں کی اخلاقی بدی پر طعنہ زن رہے ہیں۔ یہودی اور مسیحی اپنی فطرت پرست مخالفین کی طرح اس حرکت میں غلطاں رہے اور کبھی کبھی اس میں ہم جنس پرستی کے الزامات بھی شامل کردیتے۔ نام نہاد سلیمانی دانش (wisdom of Solmon) جسے ایک کٹر یہودی نے کوئی ۱۰۰ ق م میں یونانی میں تحریر کیا تھا اور اس میں اس نے غیر معتبر روایات شامل کرنے کے علاوہ رومن کیتھولک لاطینی روپ میں شامل کیا۔ وہ لاتعداد وحشیانہ مظالم کو بھی قلم بند کرتا ہے جو یہودی مرتدوں پر روا رکھی جاتیں۔

> یا تو مناسک کی بجا آوری میں بچے قتل ہوتے ہیں یا پھر خفیہ بھید اور مغضوب الغضب حالت میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سب کا تعلق عجیب وغریب قوانین سے ہے جس سے ان کی زندگیاں نہ ہی ان کی شادیاں پاک رہتی ہیں بلکہ ہر شخص یا تو اپنے ہمسائے کا عیاری سے گلا کاٹتا ہے یا پھر چدائی کر کے اسے اذیت پہنچاتا ہے۔ چہار طرف افراتفری ہے۔ خونی قتل، فریب سے چوری، ہیرا پھیری، دھوکا دہی، ہنگامہ خیزی حلفیہ دروغ گوئی، شایستہ لوگوں کی شورش، احسان فراموشی، روح کو مسلنا، منفی کردار بدلنے کی غرض سے جنس کا بدلا جانا، غیر متوازن شادیاں، شادی شدہ افراد کی بے محابا جنسکاری اور عیاشیاں۔ یہ سب کچھ ایسے بتوں کی پرستش سے ہوتا ہے جن کا نام زبان پر نہیں آ سکتا۔ یہی اس کی ابتدا ہے، سبب ہے اور تمام برایوں کا انجام بھی۔

یونانی مجموعہ الفاظ جس کے لغوی معنی تو ''نوع کی تبدیلی'' ہے۔ جسے بالعموم ہم جنس پرستی کے بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور سیاق وسباق سے تو یہ لگتا ہے کہ یہ اسی تفسیر کی حامل ہے۔ جب کہ یروشلم والی بائیبل کا نسخہ اس کا ترجمہ یہ بتاتا ہے یعنی ''فطرت کے خلاف گناہ''۔

اس متعصب ترکہ سے تو یہی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہم جنس پرستی کے خلاف مسیحیت کی علانیہ مذمت کا سب سے زیادہ موثر حواری پالؔ کا مکتوب ہے جس میں رومن سے خطاب کیا

گیا ہے۔ پاؔل کا حملہ کوئی دوٹوک مذمت نہیں ہے جو ہمیں ابتدائی یہودی تحریروں میں نظر آتا ہے۔ اپنے توسیع پذیر اور تندوتیز لہجے میں یہ فیلوؔ کی نقل لگتی ہے۔ سیاق وسباق غور طلب ہے۔ یہ پہلے باب کے آخری حصے میں آتا ہے جس میں مذکورہ خط درج ہے۔ جس میں پاؔل تمام مذہبی عقاید کے لتے لیتا ہے جو نہ یہودی ہیں اور نہ مسیحی ۔ پاؔل کی نظر میں یہ سب ''بت پرست'' ہیں جن کے ساتھ جو بھی کیا جائے کم ہے۔ وہ پرخشونت حقارت سے ان میں پائی جانے والی اخلاقی بداعمالیوں کا مرتکب ٹھہراتا ہے زنانہ چپٹی بازی سے شروع کرکے مردانہ ہم جنس پرستی پر ختم کرتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا نے ان پر نہایت پلید ریاکاریاں لاد دی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی عورتوں تک نے فطری استعمال کو بدل کر اس حصے کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے جو خلاف وضع فطرت ہے۔ اور بالکل اسی طرح مردوں نے بھی عورتوں کا فطری استعمال ترک کر دیا ہے اپنی ہوس میں وہ ایک دوسرے کے لئے چلے جاتے ہیں مرد ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں جو نازیبا بات ہے (رومنز ا: ۲۶۔۲۷)

اس بات پر کچھ شک تھا کہ آیا پاؔل جب عورتوں کے متعلق بات کرتے ہوئے یہ بدلنے کی بات کرتا ہے کہ انہوں نے ''فطری استعمال'' بدل دیا تو اس کے معنی سیفو ویت یا چپٹی بازی ہے یا پھر عورتیں غیر فطری مگر جنسی تعلقات میں مشغول رہتی ہیں۔ ایسے مفسرین جو آخر الذکر تشریح کے حامی ہیں اگر چہ واضح اقلیت میں ہیں اور انجیل کی اس عبارت کو اکثر وبیشتر ایسے پڑھا گیا ہے کہ جس سے غیر مبہم لہجے میں سیفو دیت کے عشق کی ملامت کی گئی ہے۔ جب زمانہ وسطی میں مسیحی منصفین کو قدیم انجیل میں درج سدومیت کی سزا کو توسیع دے کر سیفو ویت والیوں پر منطبق کرنا پڑا تو وہ ہر مرتبہ رومنز ا: ۲۶ کا حوالہ دیتے۔ قوانین کی عدالتوں نے جب اسے للکارا تو معمول کے مطابق انہوں نے پاؔل کی تحریر کو پیش کیا۔

ایک اور تنازع پاؔل کے حوالے سے سر اٹھاتا ہے جب ''تبدیل کرنے'' یا عورتوں کے ''فطری استعمال'' کا ذکر ہو۔ چند شارحین پاؔل کی درشتگی کو رفع کرنے کی خاطر اس عبارت کو یوں پڑھتے ہیں کہ یہ ہم جنس پرستوں کی عمومی مذمت نہیں کرتی بلکہ یہ صرف دگر جنسی مردوں اور عورتوں کی مذمت کرتی ہے جنہوں نے ہم جنس پرستی کا گیہوں کھایا ہو۔ اس تشریح کے مطابق پاؔل کے کلمات ''سچ مچ'' کے ہم جنس پرستوں کے خلاف نہ تھے جو

باضابطہ زندگی بسر کرتے ہوں۔لیکن اس مفہوم کو پڑھ کر نکالنا اگر چہ نیک نیتی پر منحصر ہے آلودہ اور کشیدہ ہے جس کی کوئی تاریخی حقیقت نہیں ہے۔کہیں بھی نہ تو پاؔل اور نہ ہی اس زمانے کا کوئی یہودی مصنف کنایتاً بھی کسی صورت میں معمولی سی بھی قبولیت ایک ہی جنس کے افراد کے مابین تعلق کو جائز نہیں قرار دیتا۔ یہ خیال کہ ہم جنس پرستی کو باہم جاں نثاری کے جذبے کے ذریعے بازیاب کرایا جاسکتا ہے یہ سب کچھ پاؔل کے خواب وخیال میں بھی نہ آیا ہوگا نہ کسی یہودی کو نہ ہی کسی ابتدائی مسیحی کو۔

پاؔل غالباً یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ ابتدا میں تمام مرد اور عورتیں سب ہی ایک عقیدہ اور اخلاقیات پرکار بند تھے یعنی اس خدا پر جس کا ذکر عبرانی صحیفوں میں آتا ہے اور اس عالمی ضابطہ اخلاق کے پیرو تھے جو عبرانی مقدس صحیفے سے ملتا جلتا ہوا تھا (تاریخی طور پر بلاشبہ حالانکہ یہ ایسا نظریہ ہے جو قابل مدافعت نہیں ہے)اس طرح کوئی بھی جو یہودی اور عیسائی نہ ہواس نے ہو نہ ہو کج روی سے اپنے عقیدے سے ترک تعلق کرلیا ہو''بدل لیا ہو'' تاکہ بتوں کی پرستش کرے۔ رومنز ۱:۳۲ میں پال ایسے مرتدوں کی جانب طیش میں اپنی توجہ مبذول کرتا ہے جن میں نہ قواعد زبان ہوتے ہیں اور نہ ہی استدلال۔ان پر ہم جنس پرستی کا الزام عاید کرکے وہ یوں بڑھتا ہے۔

> اور جیسا کہ ہوا کہ انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ اپنے ذہن میں خدا کو رکھیں تو خدا نے اسے راندہ درگاہ شخص کے حوالے کردیا کہ وہ ان خدمات کو انجام دے جنہیں انجام دینا آسان نہیں اور جو ہر گڑ بڑ سے لبریز ہیں۔سرراہ جدائی، بدکاری، حرص، پرعناد، حسد کا مارا ''قتل'' کٹ حجتی، فریب دہی، موذی پن، کانا پھوسی کرنے والا، چغل خور، خداؤں کا دشمن، کینہ ور، مغرور، بری چیزوں کا موجد، والدین کا نافرمان، فہم و فراست سے عاری، قانون شکن، فطری محبت سے عاری، اطمینان سے خالی، بے رحم، جو خدا کے فیصلوں کو جانے کہ وہ سب جو مذکورہ چیزیں کرتے ہیں وہ موت کے مستحق ہیں۔ وہ ادبدا کر وہی کرتے ہیں اور وہ اس پر خوش بھی ہوتے ہیں کہ وہ ایسا کررہے ہیں۔

لیکن وہ کون سے کرتوت ہیں جنہیں پاؔل ''موت کے قابل'' گردانتا ہے؟ ان میں

بہت سے گناہ تو ایسے ہیں جو اتنے معمولی ہیں کہ انہیں موت کی سزا کے لئے الگ کرنا نہایت احمقانہ بات ہوگی۔اس کے باوجود ان کا حوالہ دینا جو نہ صرف ''ایسی چیزیں کرتے'' ہیں اور پھر اس کی حمایت کرتے ہیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ یونانی عشق کی جانب اشارہ کر رہا ہے۔اس وضاحت سے اور بڑھا چڑھا کر نیو انگلش بائیبل کے مترجمین نے بیان کیا ہے۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ خدا کے کیا احکام تھے کہ جن کا رویہ اس طرح کا ہوگا وہ اسی موت کے مستحق ہیں۔ اور پھر اس کے باوجود وہ وہی کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت ان سرگرمیوں کو پرزور طریقوں سے سراہتے ہیں۔اس کا کلام اگرچہ اسی کی طرح الجھا ہوا ہے اس کے باوجود اس پر مائل ہے کہ ہم جنس پرستی کے لئے سزائے موت کی توثیق کر دے جیسا کہ موسوی قانونی ضابطے میں دیا ہوا ہے۔انہیں اسی طرح پیرس کی کاونسل ۸۲۵ء میں سمجھا گیا تھا۔

پآل کی تحریر کا جو بھی مفہوم ہو لیکن اس تحریر کے موثر انداز بیان کی کوئی تردید نہیں کرسکتا۔ مذہبی عقیدے کے معاملے میں پال بہت متشدد تھا۔ مذہب کی تبدیلی سے پہلے اس نے بطور کٹر مذہبی فریسی یہودی کے، وہ ان یہودیوں کو جو عیسائیت اختیار کر چکے تھے بہت ستاتا اور یہاں تک کہ سٹوفن کی سنگساری میں حصہ بھی لے چکا تھا جو میسیحیت کا پہلا شہید ہے جس کی وہ یہ کہہ کر مذمت کرتا تھا کہ یہ مرتد ہے مذہب کی تبدیلی کے وقت پآل دمشق کی جانب حالت سفر میں تھا تا کہ وہاں مسیحیوں کو گرفتار کر کے انہیں زنجیروں میں جکڑ کر یروشلم لے آئے۔ پآل ایسا شخص نہ تھا جو زاہد خشک ہو۔اس نے پہلا خط جو کورنتھیوں کو لکھا ہے اس میں عشق کی انتہائی فصیح زبان میں تعریف کی ہے جو آج بھی بے مثال ہے لیکن میسیحیت کو قبول کر لینے کے باوجود ان لوگوں کے لئے اس کی نفرت میں کوئی کمی نہ آئی جن کے عقاید اس سے نہ ملتے ہوں۔جیسا کہ اس کا خط جو رومیوں کے لئے تھا اس میں زور بیان، جوش و خروش سب ہی نمایاں ہے۔

رومیوں کے لئے پآل کا خط سب سے زیادہ پراثر تھا۔اسے کہا جاتا ہے ''یہ فقہہ کی سب سے اہم کتاب ہے جو کبھی لکھی گئی ہے۔'' اس کے علاوہ کہا جاتا ہے اس خط کے موضوع پر جتنا آج تک لکھا گیا ہے اتنا کسی اور نثر کے شہ پارے پر نہیں لکھا گیا۔

مسیحیت اور چرچ کے آغاز میں اور تحسینؔ، پیلاگیسؔ ایمبر وز اور آگسٹاین سب ہی نے اس کی تفسیریں لکھیں۔ نہ صرف یہ کہ کیتھولک تعلیمات کا مرکزی نقطہ رہیں بلکہ تحریک اصلاح دین کے اہل دینیات کو بھی اس کے نجات کے نظریات بطور عقیدہ بالخصوص ان کی پسند کے نکلے۔ میلانکتھونؔ اور مارن بوسرؔ دونوں نے رومیوں کے لئے علمی مقالے شایع کئے۔ ایسا ہی لوتھرؔ نے کیا جس کی دانست میں مقدس صحایف کی تفہیم کے لئے یہ کنجی بنے گا۔ ہم جنس پرستوں کے لئے یہ افضلیت ایک المیہ ثابت ہوئی کیونکہ اس میں حد اعتدال سے بڑھا ہوا زبانی حملہ اس کے دل میں مستور تھا۔ جو چاہے مسیحیت کا نہ ہو مگر کم از کم اس کا تعلق مسیحی دینیات سے تھا۔

موسیٰ اور ابتدائی کلیسا:

پال کا تمدن موسوی تھا مگر اس کا پیغام وسیع دنیا کے لئے تھا۔ اس کی موت کے کوئی ایک صدی بعد مسیحیت بڑی تیزی سے بے دینوں میں پھیلی جو یونانی ترکے کے لوگ تھے۔ ان پر اچینی یونان کے ماننے والوں نے موسوی اور پاولین کی مذمتوں سے ایک ہی جنس کے تعلقات کے سلسلے میں کیا اثر لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عدم رواداری کو ہر جگہ فتح نصیب ہوئی۔ جیسا کہ ہم مذاہب تبدیل کرنے والوں کی تحریروں میں دیکھ سکتے ہیں۔ جن کے پاس اس عہد کے متعلق کہنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ ان میں اسکندریہ کا کلیمنٹؔ تھا جو ایتھنز کا رہنے والا تھا اور یونانی کلاسیک کا وسیع مطالعہ کئے تھا۔ اسی نے دوسری صدی عیسوی میں اسکندریہ میں قائم اس اسکول کی سربراہی کی جہاں ذریعہ تعلیم سوال جواب پر قایم تھا۔

یہ کلیمنٹؔ ہی تھا جس نے شہوانی طرز عمل ''سکندری قانون'' کے کلیے کی تدوین کی جس کے تحت ''مسرت کا بالذات حصول چاہیئے وہ شادی کی حدود میں ہو ایک گناہ ہے اس لئے یہ قانون اور دلیل دونوں سے متصادم ہے'' یہاں پر ہم افلاطون کا جسمانی لذت کے خلاف نظریے کو فتح مند ہوتا پاتے ہیں۔ اگر مجامعت میں اس لئے غرق ہیں جس میں بچہ پیدا کرنے کی نیت نہ ہو تو کلیمنٹؔ کے نزدیک ''فطرت کو غصب'' کرنا تھا۔ اس موقف کو

دیکھتے ہوئے کلیمنٹ کے ہم جنس پرستی سے متعلق خیالات پر بہ مشکل حیرانی ہوگی۔ اس کا لادینوں پر حملہ جو اس نے اپنی کتاب ''یونانیوں کے لئے پندووعظ'' میں یونانی خداؤں کی ایک طویل فہرست شامل کرتا ہے جن کے مرد عشاق تھے یہ یونانی مذہب کو بے توقیر کرنے کی ایک چال تھی۔ جس میں آدھے سچ کو دبالیا گیا وہ افلاطون کے متعلق بتاتا ہے کہ وہ ہر قسم کے مردوں میں عشق کی ''چمڑی ادھیڑنے'' والا ہے جو فائیڈرس میں موجود ہے اور سقراط کو دھراتے ہوئے ان لوگوں کی حالت جو مسرت کے آگے سپر ڈال دیتے ہیں یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ''کوئی خونخوار درندہ اپنے منہ میں شکار کا کانٹا لے لیتا ہے۔'' پھر کلیمنٹ پوری رومنز کا حوالہ دیتا ہے۔ ا:۲۶۔۲۷۔

لیکن سکندریہ میں یونانی ۔ رومی قانون ایسی چیزوں کی اجازت دیتا تھا جس کا وہ شاکی ہے اور یہاں تک کہ انہیں اپنی ذمہ داری بھی مانتا تھا۔ اپنی تصنیف سخت گیر استاد (Pedagogus) میں وہ اس میں کامیاب ہوجاتا ہے کہ زہد اور مذہبی ممانعات کو ایک ڈور میں پرو دیتا ہے جس کی امید افلاطون نے اپنی کتاب قوانین (Laws) میں کی تھی ۔ ساتھ ہی ساتھ کلیمنٹ جنسی رویوں کے متعلق گہری تشویش ظاہر کرتا ہے یہاں تک کہ چمکدار کپڑوں کی مذمت ، عطروں اور بے ریش ہونے تک کو مردوں میں زنانہ پن پیدا ہوجانے کی خطرناک علامات شمار کرتا ہے۔ کوئی بھی اچھی پرورش پانے والا مرد یا تو دو جنسیا ہوگا جو دونوں صنفوں کے لوگوں کے لئے پرکشش ہوگا یا پھر پوری طرح کونی ہوگا جو'' خود کو رات میں ایک عورت ثابت کرے گا'' ڈاڑھی تو سماجی ضرورت ہے ۔ شیو کرانا ایک غیر فطری فعل ہے۔ انسانی مرد شیر نر کی طرح ہے اور نر سور کے مانند جھبرا اور رونگٹوں دار ہونا چاہیے۔ کلیمنٹ کوئی واحد ابتدائی حامی نہ تھا جس نے جنسی معاملات میں عبرانی صحایف سے رہنمائی کے لئے مدد لی ہو۔ اگر چہ انہوں نے یہودیت سے تعلقات ختنے پر ختم کر لئے اور موسوی قوانین کو جو خوراک، پوشاک اور صفائی پر تھے انہیں رد کردیا۔ مسیحیت نے بڑے اصرار سے اپنے جنسی رویوں کی توثیق کی۔ کلیمنٹ کا ہم عصر ٹرٹولین جو ابتدائی لاطینی چرچ کا نہایت بااثر فادر تھا نے یہ اعلان کیا کہ'' خدا حکم دیتا ہے ۔۔۔ کہ انہیں سزائے موت دو۔۔۔ جو بدنام کرنے والے ، ہوس کی دیوانگی میں پڑے ہیں وہ بھی مردوں کے خلاف۔'' یہ ممتاز

چرچ مورخ یوسیبیسؔ کی نظر میں اور اسقف کا یسار یہؔ اپنی (Preparation for the Gospel) کتاب جو ۳۲۰ء میں لکھی گئی اس میں اس نے بڑی تفصیل سے فائیڈرس کے اقتباسات دیئے ہیں کہ مردوں کے مابین عشق کی ولولہ خیز طاقت کیا اثر رکھتی ہے اس کے بعد بناوٹی خاموشی'' کہ افلاطون یوں کہتا ہے لیکن موسیٰؑ نہیں جس نے صریحاً اس کے برعکس حکم جاری کیا تھا۔ جس میں بلند آہنگی سے اس کا دعویٰ کیا تھا کہ لونڈے بازی کی سزا ہوگی۔ ''اگر ایک مرد کسی اور مرد کے ساتھ لیٹتا ہے جیسے کہ عورت کے ساتھ لیٹا جاتا ہے تو دونوں ہی نے نفرت انگیز حرکت کی ہے، انہیں موت کے گھاٹ اتارا جائے گا اور ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا۔''

اپاسٹولیکل کانسٹی ٹیوشنز (Apostolical Constitutions) ایک ایسا کام ہے جس کا مقصد یہ باور کرانا ہے کہ یہ سینٹ پیٹر اور حواریوں سے ماخوذ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی تالیف شام میں تین صدیوں کے بعد ہوئی تھی۔ اور جیسے یہ کہا گیا ''مذہبی مناسک اور عقاید کے لئے اس عہد کی ایک بیش بہا گواہی۔'' کانسٹی ٹیوشنز کئی یہودی ممانعات کو اپنے صفحات میں جگہ دیتا ہے اور احبار سے حوالہ دیتا ہے کہ'' سدومیت کا گناہ خلاف فطرت ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ وحشی جانور سے کیا جائے۔۔۔ ان تمام چیزوں کی قوانین کے تحت ممانعت کی جاتی ہے، کیونکہ یہی سب کچھ فال گھر بھی کہتے ہیں۔' تو مرد ذات کے ساتھ نہ لیٹے گا جیسے تو عورت ذات کے ساتھ لیٹتا ہے۔۔۔ کیوں کہ کسی پر اگر الزام ہے اور تو اسے پتھر سے سنگسار کرتا ہے: انہوں نے بے غیرتی لادلی ہے۔'' میسحیت کے حامیوں نے ابتدا ہی سے اس جان لیوا آزار دہی کا پروانہ جاری کر دیا ہے جسے جسٹینینؔ کے زمانے میں روبہ عمل آنا تھا لیکن پھر بعد میں یورپ بھر میں اور زمانہ وسطی میں بلکہ انیسویں صدی کے ابتدائی دنوں تک عمل ہوتا رہا۔

یونانی عشق بہ زمانہ قدیم کا آخر:

جناب عیسیٰؑ کی پیدائش اور مسیحیت کو رومی سلطنت میں پوری فتح اور مکمل مذہبی بالا دستی کے درمیان تین صدیاں حایل رہیں۔ ہم یہ استفسار کر سکتے ہیں کہ اس عبوری مدت میں غیر

مسیحی آبادی کا ہم جنس پرستی کے متعلق کیا رویہ رہا۔ خصوصاً یونانی سرزمین پر اور سلطنت کے ان خطوں پر جہاں کا تمدن بالادستی کی حد تک یونانی تھا۔ کچھ مورخین نے تو یونانی زہد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ مسیحی خوف شہوانیت کے خلاف کمر بستہ ہورہا تھا۔ مگر حقیقت اس سے بھی زیادہ پر پیچ تھی۔ بہت سے یونانیوں نے اپنی دیرینہ اقدار پر مزید اصرار جاری رکھا اور نئے مذہب کی لعنت ملامت کو نظرانداز کیا۔ اور بے شک اگر وہ ان سے باخبر بھی تھے۔ اگر ہم پلوٹارک کا مطالعہ کریں (۱۱۰ء) یا پاوسانیاس (۱۸۰ء) یا پھر اتھی نائیس اور ایلیان کا (دونوں ۲۰۰ء) یا پھر لوشیانا کے مکالمے جو عشق کے موضوع پر کوی ۲۷۰ء میں لکھے گئے۔ یا پھر بعد کی یونانی رومان انگیزی۔ ہم تو اس پر ششدر ہیں جب چھٹی اور پانچویں صدی قبل مسیح کے رویوں کی استواری دیکھتے ہیں۔ جب یہ مصنفین لونڈے کی محبت پر بولتے ہیں تو ہم زور تخیل سے ایتھنز کے اس دور میں پہنچ جاتے ہیں جو پیریکلز کا عہد تھا۔

ایسا ہی ان نظموں میں بھی ہے جو کتاب ۔۱۲ میں یونانی بیاض کے عنوان کے تحت سارڈس کے شاعر سٹراٹو کے نام سے درج ہیں اور عہد ہاڈریان کی ہیں۔ سٹراٹو کی ایک سو مختصر مزاحیہ نظمیں کتاب ۔۱۲ میں کسی بھی شاعر کا سب سے بڑا تحریری حصہ ہے۔ اس میں اتنا مواد ہے کہ جب یونانی بیاض نے دسویں صدی میں اپنا رنگ نکالنا شروع کیا تو اس کتاب کا ایک ذیلی نام ''سٹراٹو کے لڑکوں جیسے افکار'' می لیگر سے مصرع طرح لے کر سٹراٹو کھلنڈرے نغمے سر پر سے اچھال دیتا ہے بالکل آ لکے یوس اور اناکریون کی طرح یہ سب پانچ سو سال بعد ہوا جب ان کے تمام مداح گل سڑ کر مٹی ہو چکے تھے۔ نہ ہی وہ آخری لوگ تھے۔ اتنا وقت گزر گیا کہ چھٹی صدی آ گئی جسٹینین کے دربار کے دو اہل کاروں ۔ روفی نس اور پال دی سی لینشر ی نے ۔لڑکوں کی مدح وثنا میں کہیں زیادہ نظمیں پیش کیں۔

جہاں تک تاریخ اور علمی معاملہ ہے یونانی عشق کے متعلق ہماری ساری معلومات قدیم یونان کے احیا سے منسلک ہے جو دوسری صدی عیسوی میں ہوا تھا جو ایسا وقت تھا'' جو پر شکوہ اور زریں یونانی ماضی بعید سے مغلوب تھا۔'' اس کی قدامت پر کسی نے بھی تحقیق کرنے کی زحمت نہ کی۔ مردانہ عشق کے متعلق ہماری زیادہ تر معلومات سولون سے لے کر مقدس جتھے تک شاید سادہ سی ہوتیں۔ علاوہ ازیں وہ راستہ جس پر پلوٹاک ، پاوسانیاس ،

ایتھی نائیس اور ایلین کا اس ماضی سے سلوک نہایت افشا کرنے والا ہے۔ وہ ابتدائی یونانی تمدن میں ہم جنس پرستی کے اثر کا جشن مناتے ہیں۔ اس کے مالا مال ادب کی نمائش کرتے ہیں اور دیگر مشہور معاشقوں کی یاد منائی جاتی ہے جو عموماً ہمدردانہ انداز میں ۔ چند نئے عناصر اسی صورتحال میں داخل ہوجاتے ہیں۔ پلوٹارک شادی کے ادارے کی تعریف کرتا ہے جو ایک مثال ہے۔ اس کے باوجود پلوٹارک قدیم یونانی روایات جو مردانہ عشق کی ہیں ان کا امین رہتا ہے یہ ایسا تعصب ہے جو کسی حال میں جانے کا نام نہیں لیتا حالانکہ یہ اب متنازع ہوچکا ہے جیسا کہ افلاطونی عہد میں نہ تھا۔

دوسری صدی عیسوی میں پراچینی یونان کا احیا کا بڑا سبب علم کی جستجو تھی۔ اس کی کامیابیوں میں ''ممتاز سائینسدان عشایئے میں'' جس کا مصنف ایتھی نائیس تھا۔ ایک ایسا بے تکان گفتگو کرنے والا جس نے سات جلدوں میں تحریر چھوڑی ہے جس کا ترجمہ لویب کلاسیکل لائبریری نے پیش کیا ہے۔ ایتھی نائس نے تقریباً ۲۰۰ء میں ناوکریٹس میں قلمبند کیا تھا جو دریائے نیل کے ڈیلٹا میں ایک تجارتی چوکی تھی اور یہی یونان اور مصر کے مابین اسکندریہ کے بسائے جانے سے پہلے تمدنی رابطے کا پل تھا۔ اس نے جو عفریتی مجالس مذاکرہ ترتیب دی تھی اس کی وسعت کا اندازہ ان قدیم مصنفین کی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے جن کی تعداد ۱۲۰۰ ہے ۔ ان میں کوئی ہزار یونانی ڈرامے شامل ہوئے اور لاتعداد عنوانات پر علمی مباحثے ہوئے، فلسفہ، شاعری، قانون، طب، طباخی۔۔۔ اور عشق اپنے عنوان کے علی الرغم کتاب ۔۱۲ (جو عورتوں سے متعلق ہے) کیتھولک مذہب کا رنگ دکھاتی ہے۔ ''کلہم اجمعین'' جو ہمیں بتایا جاتا ہے ''بہت سے لوگ مردوں سے رابطہ رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں بجائے عورتوں سے کیونکہ ان کی دانست میں یہ ریت ہیلاز کے تمام شہروں میں حد سے زیادہ جانبداری سے جاری وساری ہے اور لوگ بڑی جانبداری سے اس پر عمل پیرا ہیں۔ جن کا اگر دوسروں سے موازانہ کیا جائے تو ان پر اچھے قوانین کے تحت حکمرانی کی جارہی ہے۔ مثلاً کریٹا کے لوگ ۔۔۔ اور چالسس کے لوگ جو ایوبویا میں واقع ہے انہیں ایسے مراسم پیدا کرنے کا جنون کی حدتک شوق ہے۔''

ایتھی نائیس چھوٹی موٹی کمی بیشی سے اس بات کو دہراتا ہے کہ پلوٹارک کی ان افراد

پر مشتمل فہرست جنہوں نے مستبد حکمرانوں کی حکم عدولی کی وہ بہادر عشاق تھے۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ چند مستبد حکمراں ''اس درجہ گر گئے کہ انہوں نے کشتی رانی کے اسکولوں کو منہدم کرا دیا اور ان کی دیواروں کو یہ جانا کہ یہ ان کی اپنی قلعہ بندیوں کو مسمار کر دیں گی۔ اور اس لئے انہیں منہدم ہی کیا جانا چاہیے یہ سب کچھ پولی کریٹس نے کیا جو ساموز کا استبدادی حکمراں تھا وہ آچیلز اور سوفو کیلز کے ہم جنس پرستی کے ڈراموں میں سے اقتباس سناتا ہے اور سیوفو کیلز ا اور یوری پائڈز کے متعلق ایسے واقعات پیش کرتا ہے جو بے باک ہوتے ہیں اور کراٹینس کے پیش کردہ مزاحیہ واقعات ہوتے ہیں جو ایرسٹوفینز کا حریف ہے اور ڈفی لس کی پیش کش اور مینا نڈر پر ایک تبصرہ۔ اہل کریٹیا، اور چالسا ڈیا والوں کے علاوہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اہل میڈز، اہل ٹسکن، اہل سیلٹ اور میلیا (اب مارسیلز) کے شہری سب ہی اپنی ہی صنف کے لوگوں سے عشق میں جوش وخروش سے مبتلا رہتے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ بیان کرنے کو ہے جو جمع ہے مگر منتشر حالت میں اس لئے کل ملا کر اس موضوع کی تاریخ کے لئے بہت ضخیم دفتر ہے۔

اتھی نالیس جو لاطینی ہم عصر ہے، سوفسطائی ایلنس جسے عام طور پر ایلیان کے نام سے پہچانا جاتا ہے اکثر اس ہی سے خوشہ چینی کرتا ہے۔ پرانیسٹے کا ایک شہر جو روم کے مشرق میں بیس میل کے فاصلے پر واقع تھا اور ''رومی پادریوں کا رکن'' جو ایک مسلک کا سربراہ تھا۔ ایلین اپنے وقت کے دیگر تعلیم یافتہ اہل روم کی طرح یونانی زبان لکھتا۔ اس کی Historical miscellany میں جگہ جگہ آزاد خیالی کے تحت اہل اسپارٹا کے ہم جنس پرستی کے واقعات ملتے ہیں۔ اہل تھیبا اور ایتھنز کی تاریخ جو مصر کے بطلیموس اور پرشیا کے شاہی حلقے اور مقدونیہ تک ہے۔ جب اتھی نالس چالاکیوں سے بھری کہانیوں کی کشش میں گرفتار ہوتا ہے تو ایلین کو شہوانی نفسیات کو مزید بہتر بنانے میں زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ جب پرشیا کا تاجور آرٹا کسارس اپنے خواجہ سرا ٹیری ڈیٹس کے لئے آہ و بکا کرتا ہے'' جو ایشیا کا سب سے زیادہ خوبرو اور دلکش آدمی تھا'' تو اس کی داشتہ نے اسے صرف اس طرح تسلی دی تھی۔ ایلین ہمیں بتاتا ہے کہ اس خاتون نے متوفی کی پوشاک زیب تن کر لی۔ مقدونیہ کے بادشاہ ارکیلاس کے دربار میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اگاتھون جتن کر کے

پاوسانیاسؔ کے عشق کو اس طرح بھڑکاتا ہے کہ ان میں جھوٹ موٹ کا جھگڑا کرادیتا ہے تاکہ مصالحت کی شیرینی پیدا ہوسکے۔ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ایلینؔ جب مردانہ عشق پر لکھتا ہے جو تعلیم یافتہ رومی ناظرین کے واسطے ہوتا ہے جو جگت آشنا عہد ہے تو اس کا نقطہ نظر التزاماً یونانی ہوتا ہے۔ جب پراچینی یونان کا انٹونائیز کے زمانے میں احیا ہونے لگا تو یونانی اور رومی تمدن ضم ہوگئے۔ یونان میں ہم یہی مظہر پلوٹارکؔ کی پیرلل لائینز (Paralled Lines) میں جب کہ روم میں اس نے اس طرح سر اٹھایا جب ہاڈریانؔ اور مارکوس اور ریلیسؔ شہنشاہوں کے مزاج میں یونان پسندی نفوذ کرگئی۔افلاطونؔ نے آخرکار کاٹوؔ کی اچھی طرح خبر لی جیسا کہ ہم اپولیسؔ کی اپالوجی میں مشاہدہ کرتے ہیں۔اپولیسؔ جس کی وجہ شہرت اس کی تصنیف (The Golden Ass) ہے وہ شمالی افریقہ میں ایک مرتبہ مقدمہ بازی میں الجھ گیا تھا جس میں اس کے مخالف نے اس کی ان عشقیہ نظموں کو پیش کیا تھا جو لڑکوں سے مخاطب کر کے کہی گئی تھیں اور جن سے اس کے چال چلن پر شک کے چھینٹے پڑتے تھے۔اس نے اپنی صفائی میں سمپوزیم کے حصے سنائے۔

میں ان اعلیٰ وارفع اور الوہی افلاطونی نظریات دہرانے نہیں جارہا۔۔۔سمجھو سیارہ زہرہ ایک دیوی نہیں ہے بلکہ دو ہیں۔۔۔ایک تو عام ریوڑ کی دیوی ہے جس کا الاو اس لئے روشن رہتا ہے کہ اس میں گھٹیا اور سوقیانہ جذبات ایندھن بنتے ہیں اور یہ صرف مردوں ہی کے دلوں پر حکومت نہیں کرتی بلکہ مویشوں اور جنگلی جانوروں پر بھی جن پر وہ اپنی آرزوں کی تکمیل کے لئے خود کو بھی جھونک دیتے ہیں۔ وہ ایسی مخلوق کو ایسی سخت سزا دیتی ہے جس میں تشدد اور ناگوار قوت ہوتی یوں ان کے مطیع جسموں کو بیڑی پہنا کر ہوس کے شکنجے میں دے دیا جاتا ہے۔ جب کہ دوسری سماوی طاقت ہے جو ارفع اور فیاضی کے جذبات سے پُر ہے۔ اسے کسی شئے کی فکر نہیں ماسوا مردوں کے لیکن ان میں سے بھی چند ایک کی۔۔۔اس کی محبت میں نہ شر ہے اور نہ ہی لذات حسی شامل ہیں۔لیکن وہ سنجیدہ اور بے آرایش ہے۔ اور اپنے عشاق کو نیک جذبات کی ترغیب سے اپنا بنالیتی ہے اور ان پر فاش کردیتی کہ مہذب روح کتنی عمدہ شے ہے۔‘‘

اپولیس کے اونچے اڑتے ہوئے احساسات ممکن ہے محض خطیبانہ مرصع کاری ہوں لیکن وہ وضاحت سے دکھاتے ہیں کہ عوامی بحث ومباحثے میں کون سی اشیا ایسی ہیں جو کھرا سکہ ثابت ہوتی ہیں خصوصاً نو آبادیاتی رومی قصبے میں وہ بھی انٹونائین کے عہد میں۔

پلوٹارک کے عشق کے متعلق مکالمے:

ہمارے موضوع کے لئے سب سے اہم دستاویز جو دوسری صدی عیسوی کی ہے بلاشبہ پلوٹارک کی (Eroticus) ہے۔ یہ ''گفتگو برائے عشق'' ہے اور مدلل انداز میں ایک بھرپور اور انتہائی ہدایت آمیز کتاب ہے جو عشق اور جنسکاری پر زمانہ قدیم سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس کو اتنی توجہ نہیں ملی جتنی کہ وہ مستحق ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ یونانی اہل علم نے اپنی پوری توجہ کلاسیکل عہد پر مرکوز رکھی۔ مثال کے طور پر کینتھ ڈوور محض حادثاتی انداز میں اس کا حوالہ دیتا ہے۔ مگر اس میں پائے جانے والے مکالمے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ پہلے تو اس لئے کہ یہ ہمیں یونانی عشق کے متعلق کھل کر بتاتی ہے وہ پرانے زمانے کا ہو یا پھر کلاسیکل دور کا جس کا ہمیں کبھی پتہ بھی نہ چلتا، دوم یہ بھی بتاتی ہے کہ مذکورہ رویے کس طرح پانسو برس تک باقی رہے اگر چہ انہیں نئے مسایل سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا۔

افلاطون اور زینوفون کے سمپوزیم کی طرح، ایروٹکس، ماحول اور محل وقوع بتاتی ہے۔ پلوٹارک اور اس کے دوست خاص طور بویوٹیالس تھیسپیا کے قصبے میں اس لئے جمع ہوئے تھے تا کہ ایروز کے میلے کا جشن منایں۔ بیکون کی ماں، جو ایک نوجوان وجیہہ مرد ہے جس کے بہت سے مداح ہیں، ایک دولت مند بیوہ سے کہتی ہے کہ اس کے بیٹے کے لئے دلہن تلاش کرے۔ اس امر سے متاثر ہوکر'' کہ اس کے پیچھے اتنے معزز عشاق لگے ہیں اور راس کا دم بھرتے ہیں۔'' اسمیناڈورا کے ذہن میں یہ آتا ہے کہ جب بیکون اتنا مطلوب ہے اور شکار ہاتھ آ گیا ہے تو کیوں نہ میں خود اس سے بیاہ کرلوں۔ اس کی چال نے ناگاہ ان لوگوں میں جھگڑا پیدا کر دیا جو اس شادی کے موافق تھے اور بیکون کے ''عشاق'' جو مخالفت

پر آمادہ تھے۔ ان کی نا اتفاقی میں اتنی گرما گرمی پیدا ہوگئی کہ کسی اور تمدن میں تو چیخم دھاڑ ہوجاتی ۔ لیکن چونکہ فریقین یونانی ہیں تو ہمیں اس کے بجائے فلسفیانہ مباحثہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ہم جنس (Gays) پرستوں کے حامیوں اور زن و مرد کی شادی کے حامیوں کے درمیان ۔ کہنے کا مطلب ہے اپنے مخاصمانہ طرز حیات پر۔

کسی کے لئے پلوٹارک کو چھوڑ کر یہ اندازہ لگانا کتنا دشوار تھا کہ اس موضوع پر دونوں گروہوں کے کیا خیالات ہوسکتے ہیں۔ وہ کسی صوبہ کے خوشحال خانوادہ میں پیدا ہوا تھا اور پلوٹارک نے ایتھنز میں تعلیم پائی تھی یونان اور ایشیائے کوچک کے طول وعرض میں سفر کر چکا تھا۔ متعدد مرتبہ روم ہوآیا تھا۔ وہاں اس نے لکچر دیے تھے اور بطور سفیر بھی ٹھہرا تھا۔ آخر کار ریٹائر ہوکر وہ اپنی جنم بھومی چاپرونیہ میں آبسا۔ خود کو نوجوانوں کی تعلیم کے لئے وقف کردیا اور ڈیلفی میں اپالو کے مقبرے پر کاہن بن گیا۔ جو ایک نہایت معزز عہدہ تھا۔ اگر چہ مسلک روبہ انحطاط تھا۔ اس کا جدید ہمسر امریکہ کے کسی بھی وسط مغربی قصبے میں قایم روشن خیال آرٹس کالج کا سربراہ ہوسکتا ہے ۔ اس کے اپنے مکالمے کا ایک اہم خطیب ، پلوٹارک نے کم سنی میں شادی کرلی تھی اور اس کے کئی بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ یہ سمجھا جائے کہ یہ مباحثہ ان دنوں ہورہا تھا جب اس کی شادی کو ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے۔ اگر چہ اریوٹکس کا امکانی زمانہ تحریر اس کی طویل حیات کے اختتامی دور کا تھا شاید ۱۱۰ء۔

بیکون جو نوعمر رنگروٹ تھا اور اس کی شادی کا معاملہ معلق ہوکر رہ گیا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ آیا وہ ڈافنے لیس سے شادی کرے جو شادی کے بندھن کا حامی ہے اور پروٹوجینز ہے جو نوجوانوں کا عاشق ہے اور پال کے مولد شہر ٹارسس کا رہنے والا ہے۔ ڈافنے لیس بلاتوقف کے پروٹوجینز کو الزام دیتی ہے کہ اس کی مخالفت ''صادق نسوانی عشق'' سے ہے۔ کیونکہ یہ اس کی ترجیحات سے مختلف ہے۔ کیا وہ اتنی دور چل کر ایتھنز سے نہیں آیا تھا ''تاکہ اتنے خوبصورت لڑکوں کو دیکھے اور ان کے ساتھ گھومے پھرے۔''

جب ڈافنے لیس شادی کی وکالت کرتی ہے اور اسے ''مقدس'' رفاقت کہتی ہے۔ تس پر پروٹوجینز جواب دیتا ہے۔ مگر ٹوہ لینے کے لئے بلاشبہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ضروری ہے تاکہ بچے ہوں۔ اس میں کوئی ضرر رساں بات نہیں ہے کہ قانون ساز اس کی مدح وثنا

میں نغمہ سراہوں اور معاملہ عوام الناس تک لے جائیں لیکن حقیقی عشق کا کسی بھی نوعیت کا عورتوں سے علاقہ نہیں ہے۔ میں تو اسے عشق ہی نہیں جانتا جو تم عورتوں اورلڑکیوں کے لئے محسوس کرتے ہو۔۔۔ یہ اس سے زیادہ نہیں ہے جب مکھیاں دودھ پر گرتی ہیں یا شہد کی مکھی شہد پر۔۔۔ ایک ہی عشق حقیقی ہوتا ہے جولڑکوں سے ہو۔ اس کا تعلق ''آرزوں کی چمک'' سے نہیں جیسا کہ اناکریون کا کہنا ہے کہ یہ دوشیزاوں سے عشق کا معاملہ ہے یا پھر یہ مرہم میں لتھڑا ہے یا پھرتابناک ہوتا ہے۔'' نہیں اس کا یہ پہلو سادہ اور بگڑا ہوانہیں ہے۔ تمہیں یہ فلسفے کے اسکولوں میں نظر آئے گا یا شاید پھر جمنازیا میں یا پھر اکھاڑوں میں۔ جب جوان مردوں کی تلاش ہو جن پر واہ واہ ہو۔ جس میں ایک واضح اور نیک عوامی مطالبہ ہوتا ہے تاکہ نیکی کی تحصیل ہوسکے جب وہ ان کی توجہ کے قابل ہوں۔

پروٹوجینز کی دانست میں مسرت کی تحصیل ''ایک گھٹیا اورکسی مرد آزاد کے لئے بے مصرف شے ہے۔'' یوں یہ ''کوئی شریف آدمی کے شایان شان ہے نہ شایستگی کے کہ غلام لڑکوں کی گانڑ ماری جائے ایسے عشق کو تو ہم صرف جوڑا کھانا کہہ سکتے ہیں جیسا کہ عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔'' حیرانی کی اس میں کوئی بات نہیں ہے۔ یہ اعتدال سے بڑھا ہوا غیظ ڈافنے لیس کی طرف سے ایک دندان شکن جواب لاتا ہے۔ جو نازیبا سطور کا حوالہ دیتا ہے جو سولون اور اسکائی لس کی تحریریں ہیں اور وہ لونڈوں کی راتوں کی دلفریبی پر ہیں۔ اس کا دعویٰ ہے کہ مردوں سے تعلقات ''کمزوری اور زنانہ پن'' سے نجات ہے اور ''فطرت سے تصادم'' ہے۔ لونڈوں سے محبت درحقیقت ''حرامی پن والا عشق'' ہے جو ''صرف گذشتہ کل'' ہی متعارف ہوا۔ یا پھر ایک دن اور پہلے۔ ''جب مردوں نے جمنازیا میں ترسانے والی برہنگی کو رواج دیا۔ معقول وجوہ پر ڈافنے لیس لونڈے بازوں کو منافقین میں شمار کرتا ہے جو ظاہراً تو فلسفے کی باتیں کرتے ہیں مگر مزے کے لئے مرے جاتے ہیں۔'' پھل توڑ کر کھانے میں اس وقت شیریں لگتا ہے جب رکھوالا غائب ہو۔'' بات ناگزیر ہے کہ جب ہم اس سارے ردوکد کو دیکھتے ہیں تو ہم اس میں موجود حسن توازن سے ششدر رہ جاتے ہیں۔ ہر ایک یہی دلیل دیتا ہے کہ دوسرے جسمانی مفاد کے متوالے ہیں اور ہر ایک اپنے حریف کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اس میں ''زنانہ پن'' بہت ہے۔ ڈافنے لیس کو شکایت

ہے کہ لڑکوں کو نسوانی کردار اپنانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ پروٹوجینز دوسری جانب عورتوں سے عشق کو کسی عورت کا پرتعیش کمرے سے تشبیہ دیتا ہے جو اسے کمزور کر کے اور زنانہ سماجی فضا کی تحقیر کر کے اسے کھیل کے میدان یا پھر فلسفی کے مطالعہ گاہ سے گھٹا کر پیش کرتا ہے۔

عین اسی وقت ایک پیغام رساں ایک حیران کن خبر لاتا ہے کہ اسمیناڈورا اور اس کے چند مرد دوستوں نے بیکّون کو اغوا کرلیا ہے اسے زرق برق کپڑے پہنائے گئے ہیں اور اسے خاتون کے گھر پہنچا دیا گیا ہے تاکہ شادی کردی جائے۔ پورے قصبے میں غلغلہ بلند ہے اور ایک ہجوم اسمیناڈور کے دروازے پر غم و غصے میں اتنا تقسیم ہے جتنا کہ پلوٹارک کی محفل میں یہ ہوتا ہے۔ یہ بھی شکایت ہے کہ دونوں فریق بحث کی گرما گرمی میں عشق کی مثالی حیثیت کو بھی پامال کرتے رہے۔ اب پلوٹارک خود ایک طویل تقریر کا آغاز کر دیتا ہے جس میں ایروز دیوتا کی تعریف کرتا ہے جو افلاطون کی سمپوزیم میں دی ہوئی مدح سرائی جیسی ہوتی ہے مگر تاریخ کے حوالوں کے حساب سے کہیں زیادہ مالا مال۔

پلوٹارک نے ابتدا ہی سے خود کو ازدواجی تعلقات والے عشق کا حامی ظاہر کیا تھا۔ چونکہ وہ یونانی روایتی تاریخ میں سے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اس کے علاوہ اسطوری قصے اور رائے عامہ بھی، اس لئے اس کی زیادہ تر مثالیں ناگزیر طور پر ہم جنس پرستی کی حامل ہیں۔ گوکہ 'ایروٹکس' کا پہلا حصہ دو مختلف نقطہ ہائے نظر کو مساوی وقت دیتا ہے اور اگر چہ پلوٹارک بعد میں شادی کی مدافعت بھی کرتا تاہم دگر جنسی کا کردار بتدریج واضح طور پر مدح وثنا میں گھٹا جاتا ہے۔ یونانی روایت اتنی گہری تھیں کہ صرف دگر جنسی پر کوئی تصور عشق کو تشکیل نو انتہائی دشوار ہوتا یہاں تک کہ جب زمانہ قدیم ختم ہونے لگا تو پلوٹارک بھی اس میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ کوئی چیز بھی ایسی افشا کرنے والی نہ ہوگی جو قدیم یونانی تمدن میں مردوں کے درمیان ہونے والے عشق کی منزلت میں کمی کر سکے۔

پلوٹارک کی مدح وثنا پیمپٹایڈز کی تشکیک کے جواب میں ہے ایک تھیبا کا مبہوت کر دینے والا جو اس نظریے کا مضحکہ اڑاتا کہ ایروز ایک خدا ہے اور عشق ''ایک الوہی نعمت'' اگر خداؤں نے ایسی سرگرمیوں کی صدارت کی ہیں جیسے ارتکاب جنگ، شکاریات، زراعت کاری اور یہاں تک کہ بچوں کی پیدائش تو اس پر افلاطون سوال پوچھتا ہے کہ کیا کوئی ایسا

خدا نہ ہونا چاہیے جو لڑکوں اور نوجوانوں کا ہو" اس وقت جب وہ پھل پھول رہے ہوں، ان کے خدوخال تشکیل پا رہے ہوں اور تعلیم پا رہے ہوں۔" عشق تو اپنی زبانی طاقت کا اظہار کرتا ہے۔ پلوٹارکؔ یہ ادعا کرتا ہے (جس میں پاوسانیاسؔ کی سمپوزیم والی بازگشت ہوتی ہے) کہ عشاق کو اکسایا جاتا ہے کہ وہ استبدادی حکمرانوں کی مزاحمت کریں۔ لمحہ بھر کے لئے یہ فراموش کر کے کہ وہ شادی کے بندھن کی حمایت کر رہا ہے۔ پلوٹارک با اعلان کہتا ہے کہ وہ مرد جو مراعات کے جویا ہیں" وہ اپنی مسرتیں لے چکے ہیں" طاقتور حکمرانوں سے یہاں تک کہ ان کی داشتائیں اور بیویاں تک فیضیاب ہو چکی ہیں۔ جب کہ دوسری جانب عشاق کا جھرمٹ جن میں ماضی اور حال والے سب شامل ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایسا فرد بھی ہے جس نے اپنے معشوق کی دُبر بیچی ہوتا کہ زیوسؔ کی نظر عنایت حاصل ہو جائے۔ ایروز تو "اغلام بازی" کے حلقہ اثر میں بھی مضبوط ہے۔ جس سے مراد میدان جنگ ہے۔ پلوٹارک اپنے سامعین کو کلیومیکسؔ اور چالسیڈینؔ کی یاد دہانی کراتا ہے اور تھیبا کے مقدس گروہ کی جن کا رہنما پامینیزؔ تھا" جس نے ہوپلاٹیسؔ کی فوجوں کی صف آرائی کی ترتیب بدلوادی تھی۔" تمام عشاق کو یکجا کر کے۔" کیونکہ اس کی دانست میں عشق سب سے بڑا جنرل ہے۔" "یہ ایک حقیقت بھی ہے۔" پلوٹارکؔ اس پر یقین بھی رکھتا تھا۔

> وہ لوگ اپنے ہم قبیلہ اور رشتہ داروں کو یہاں تک کہ (خدا جانے) اپنے والدین اور بچوں تک کو چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں۔ جب ان کا خدا موجود ہو کسی بھی دشمن کو ایسا واسطہ نہیں پڑا اور ریلے نے دشمن کی صفیں درہم برہم کی ہوں گی۔" چند مواقع پر جب اس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی وہ اس جذبے سے خطرات کو گلے لگانے کے لئے بڑھتے ہیں جس سے صرف زندگی سے بے اعتنائی جھلکتی ہے۔ یہی وہ بات تھی جس نے تھیسلے کے تھیرونؔ کو اکسایا کہ اس نے اپنا بایاں ہاتھ دیوار پر رکھا، اپنی تلوار سونتی اور اپنا انگوٹھا اڑا دیا اور اپنے حریف کو للکارا کہ وہ بھی یہی کرے (ہمیں اسی قسم کے ناٹکی واقعات سے توکوگاوا جاپان کے ذکر میں مڈبھیڑ ہوگی) جب کوئی شخص لڑائی کے دوران میں پٹ گر جاتا ہے اور اس کا دشمن اسے قتل ہی کرنے والا ہے تو اولذکر ملتجی ہوتا ہے کہ وہ لمحہ بھر توقف کرے تا کہ اس کا معشوق کہیں اسے

پشت کی جانب زخمی نہ سمجھ لے۔

پلوٹارک پیمپٹا یڈز کو یاد دلاتا ہے کہ ہیراکلز کے مقبرے پر اب بھی تھیبز میں عشاق کھڑے ہوتے ہیں۔''اور آج بھی عشاق پوجا کرتے ہیں اور Lolaus کا احترام بھی۔ وہیں پر عہد و پیمان ہوتے ہیں اور اپنے چاہنے والوں سے اس مقبرے پر وعدے وعید بھی۔'' آلسس ٹس اپنے شوہر پر اپنی زندگی نثار کرنا چاہتی تھی۔ اس طرح اگر چہ ''عورتوں کا اغلام بازی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔'' اگر عشق مغلوب کر لے تو انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ ہمت والے کام کریں جو فطرت کی حدود سے متجاوز ہوں یہاں تک کہ موت کو گلے لگالیں۔ اس کے باوجود پلوٹارک سقراط کی پیروی کرتا ہے اور ان پیش کشوں کا ذکر کرتا ہے جو پہلے ہوئیں۔''یعنی الوہیت کا فانی پرتو'' جو اخذ کرتا ہے۔''جوان مردوں سے تابانی جب وہ اپنی خوبصورتی کے انتہا پر ہوں۔''

پلوٹارک کی تقریر ایک دستاویز میں پوری نہیں ہوتی جو ہم تک پہنچی ہے اور اس نکتے پر آ کر یکا یک ٹوٹ جاتی ہے۔ جب وہ اپنے کلمات کو پھر سے جوڑتا ہے تو لگتا ہے جیسے کسی اور خطیب کا جواب دے رہا ہو جس نے شادی شدگان کے عشق کو لوکریشیا والوں کے مادی نقطہ نظر سے رد کر دیا ہو۔ یوں اس کی دوسری تقریر جو مکالمے کے آخری چوتھائی سے بحث کرتی ہے یہ شادی کی پر جوش حمایت پر منحصر ہے۔ پلوٹارک اس پر احتجاج کرتا ہے کہ اپی کیورس کے تناظر میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو ''لونڈے کی آنکھوں سے نکلنے والی بصری شبیہیں کیوں، اور عورتوں کی نظروں والی یہی کیوں نہیں کر پاتیں، مگر عاشق کے جسم میں داخل ہو جاتی ہیں۔ لیکن پلوٹارک جو افلاطون کے زیر اثر ہے اپی کیوریس کے عضویاتی نمونے کو ادا کر دیتا ہے۔ عشق کا سبب جوہروں کی کوئی اتفاقی یکجائی نہیں ہے۔ بجائے اس کے یہ ملکوتی حسن کے شیرازہ بندی کو کہتے ہیں جس کا تعلق کسی نامعلوم دنیا سے ہوتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے ایسا کیوں ہے کہ ایسے اجتماع '' دوشہزادوں اور خواتین میں نہیں پھوٹتے اور نہ ہی لڑکوں، بالوں میں جب بھی کوئی خالص ااور منظّم کردار جگمگاتا ہے اگر چہ وہ ایک خوبصورت اور دلکش ظاہری جسم میں سے۔۔۔ یا پھر جب واضح علامات کے ساتھ منور روح حسین ہییت اور پاک اجسام میں آ جائیں اور سمجھا جائے کہ انہیں مسخ نہیں کیا گیا ہے، نہ ہی ان

میں کوئی کجی ہے ان کی طرف سے جو ایسے ادراک کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔"

وہ سب جو عورتوں کو اخلاقی طور پر مردوں سے کمتر جانتے ہیں پلوٹارکؔ کا جواب یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم آداب میں تحریک نسواں کے لئے سب سے زیادہ انعام یافتہ تقریر یہ ہو سکتی ہے۔

یہ انتہا ہی مضحکہ خیز بات ہے کہ عورتوں کا نیکی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی عاقبت اندیشی اور ذہانت کو معرض بحث میں لایا جائے یا پھر ان کی وفاداری اور احساس عدل کو جب کہ بہت سی عورتیں مہم جوئی اور دل گردے والی ہمت کا مظاہرہ کر چکی ہیں جو واقعتاً مردانہ صفات ہیں۔ اور یہ اعلان کر دینا کہ ان کی فطرت تمام رشتوں کی حد تک نیک ہوتی ہے اور پھر ان کی مذمت کرنا کہ وہ صرف دوستی کے قابل نہیں ہیں۔ یہ ایک ناقابل فہم طریقہ کار ہے۔ وہ درحقیقت اپنے بچوں اور شوہروں پر جان چھڑکتیں ہیں ان کے انداز بالکل زرخیز زمین کی طرح ہیں جو دوستی کے بیج قبول کرنے کے لئے بے تاب ہیں اور اس نقاب کے پیچھے لبھانے والی دلآویزی ہوتی ہے۔ شادی ممکن ہے آغاز میں تکلیف دہ سودا ہو لیکن یہ دیرپا دوستی کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کا ادعا ہے کہ لڑکوں کی محبت بالعموم مختصر مدت کی ہوتی ہے حالانکہ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ "یہ ناانصافی ہوگی کہ ایسے الزامات سچے اور خالص عاشقوں کے خلاف لگائے جائیں" ایسے مردوں پر جیسے پختہ کار یوری پاڈیزؔ جس نے "اگاتھون کو دیکھ کر بھی اسے گلے لگا لیا اور چوما جب کہ اس کے پہلے ہی ڈاڑھی اگ آئی تھی۔ لیکن پھر بھی میلے کا اختتام بھی نفیس ہوتا ہے۔" لیکن عورتوں سے پایدار بندھن کی مثالیں عام بات ہے۔ تب پلوٹارکؔ چونکہ ایک عورت کو خراج تحسین پیش کر رہا ہے جس نے اپنے شوہر کی پشتیبانی کی تھی وہ بھی ایک شہنشاہ کے سامنے اور موت کا سامنا کیا۔ اس وقت ایک پیغام رساں نمودار ہوتا ہے اور یہ خبر لاتا ہے کہ مکالمہ ختم کیا جائے۔ اب تھیسپیا میں صرف امن اور مسرت کا دور دورہ ہے۔ بیکونؔ کے عاشقوں نے آخر کار اس کی اسمیناڈوراؔ سے شادی کو قبول کر لیا ہے۔

پلوٹارکؔ کی تصنیف ایروٹکس ایک سنجیدہ نیت اور بے انتہا کشش والا کام ہے۔ جسے کسی ایک کلیے میں بہ آسانی نہیں سمجھا جاسکتا۔ اسے بڑی گرم جوش پذیرائی ملی جو یونانی نظریات میں تبدیلی کی نقیب تھی۔ نوجوانوں کے عشق سے پرے ہٹ کر شادی کی جانب بطور مثالیت پسندی کے۔ اگر چہ پلوٹارکؔ کا شادی کی حمایت والا موقف بہ مشکل کسی یونانی مصنف کی تحریر میں ملتا ہے۔ لیکن ایروٹکس، کماحقہ یہ ظاہر کر دیتی ہے کہ رومی یونان میں اب تک مردانہ عشق کو کس احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ بلاشبہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پلوٹارکؔ کا نقطہ نظر نہایت سادہ ہے کہ ازدواجی محبت بھی بلند ہو کر اس مقام کو چھو لیتی ہے جو مردانہ عشق کو حاصل تھا۔

لوشیانا کے ''دل کا سودا'':

پلوٹارک کوئی واحد یونانی نہ تھا جو لڑکوں سے عشق کا موازنہ عورتوں کی محبت سے کرتا ہے۔ ایک صدی یا کچھ اوپر کے بعد اسی نقطہ خیال پر دوسرا مکالمہ نمودار ہوتا ہے ایک تو ایسا ہے جس میں پلوٹارکؔ کے فیصلے کو الٹ دیا گیا۔ روایتاً اسے لوشیاؔ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بعد کے زمانے کا یونانی والٹیرؔ تھا۔ تاریخی نقطہ نظر سے اسے معاشقہ (Amores) کہا جاتا۔ جس کے معنی ''محبتیں'' ہوا۔ (لیوب کا مدیر اس کا عنوان ''دل کے معاملات'' رکھتا ہے۔ انوکھے وضع کے کلاسیکی علمی کاموں میں اس کے مصنف کا حوالہ اکثر بطور ''نام نہاد لوشین'' دیا جاتا ہے۔'' یہ نہایت سود مند ہوگا اگر اس کا سن تصنیف معلوم ہو جائے کیونکہ یونانی دنیا میں یہ مردوں کے مابین عشق کی حمایت میں آخری رسمی وکالت ہے۔ صاحبان علم کے نزدیک اس کا سن تصنیف سیپٹیمس سیورسؔ کا دور حکومت (۱۹۳۔ ۲۱۱ء) ہوسکتا ہے یا پھر بعد میں کانسٹنٹاین کے عہد (۳۱۲۔۳۳۷ء) تک۔ ایک معقول قیاس آرائی تو تیسری صدی عیسوی کا نصف اس کا سن تحریر کہے گی۔ جو پلوٹارکؔ کے بعد کوئی ۱۵۰ برس کا عرصہ ہے۔

اموریس یوں لگتا ہے جیسے کئی معاملات میں پلوٹارکؔ کے مکالمات کا جواب لگتی ہے۔ اگر چہ اس میں کہیں بھی سابقہ تصنیف کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ ایک مرتبہ پھر ہم خود کو ایک بیانیہ

چوکھٹ میں پاتے ہیں۔ فلسفی لائیسی نس تعطیلاتی موڈ میں اپنے دوست تھیوم نیسٹس کے ہمراہ ایشیائے کوچک کے کسی بے نام سے شہر میں ہیبر اکلز نام کے تہوار میں ایک بڑی ضیافت میں شریک تھا۔ ممکن ہے اس شہر کا نام ٹارسس ہو۔ جس میں ایسے تہوار ہوا کرتے تھے۔ تھیوم نیٹس ایسی ہی تقریب میں لائیسی نس کی تفریح طبع کی خاطر عورتوں اور لڑکوں سے اپنے معاشقوں کی تفصیل سنا رہا تھا اور خود کو سورما خداؤں کی مثال دے کر حق بجانب ثابت کر رہا تھا۔ کہ کس نوعیت کا عشق بہتر ہوتا ہے۔ تھیوم نیٹس کا کہنا تھا کہ اس کے توازن کو سمجھنے کے واسطے تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا ہے۔ وہ لائیسی نس سے التجا کرتا ہے کہ وہ اپنی رائے دے، جس کے بجائے لائیسی نس دوٹوک جواب دینے سے کتراتا ہے اور دو دوستوں کے درمیان ہونے والے ایک مباحثے کا قصہ چھیڑ دیتا ہے۔ جس کا نام چیریکلز اور کالی کراٹی ڈس یہ دونوں آٹل یک جنسی (Unisexual) (نر اور مادہ کے اوصاف والے) ہیں۔

چیریکلز کی گھریلو زندگی کے لوازمات میں پرکشش عورتیں اور کالی کراٹی ڈس کے خوش شکل غلام لڑکے۔ چیریکلز جو کورنتھ کا پرجنسی باسی تھا۔ باقاعدہ سنگھار کرتا۔ تاکہ عورتیں کھنچی آئیں۔ کالی کراٹی ڈس میدان کا کھلاڑی ہے جو ایتھنز کا رہنے والا مگر زن بیزار تھا۔ دونوں بذریعہ بحری جہاز سنایڈس کی جانب اس لئے روانہ ہوئے کہ پرکسی ٹیلس کے بنائے ہوئے افروڈائیٹ کے مجسمے کی زیارت کریں۔ جو زمانہ قدیم سے نسوانی حسن کی سب سے زیادہ مشہور شبیہ تھی۔ جس کے گیتوں کو چیریکلز تانیں اڑایا کرتا۔ لیکن مردوں کے نظریات ایک دوسرے سے اتنا ٹکراتے کہ لائیسی نس ان سے التجا کرتا رہتا کہ اپنی تقاریر کو قابل فہم بنائیں۔ (جیسے پلوٹارک جو اموریس کا مصنف ہے ہمیں مسکرانے کے لئے مدعو کرتا ہے جب حریف کے جذبات سے مغلوب برہمی کو دیکھتا ہے)

چیریکلز افروڈائیٹ سے درخواست کرتا ہے۔" کہ وہ نوع انسان کے مقاصد کے واسطے راہ ہموار کرنے اور اپنی عنایات کے ذریعے مردوں کو مرد ہی رہنے دے جیسے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہ مناجات اشارہ کرتی ہے اس کی خطابت مردانہ عشق پر ایک حملہ ہے بجائے پرجنسی کی مدافعت کے اور اس کا زیادہ تر تعلق روایتی جنسی کرداروں سے ہے۔ وہ دلیل دیتا ہے کہ نوع انسان ایک زمانے میں محض پرجنسی تھا۔ ہم جنس پرستی تو بعد کی پیداوار

ہے جو فطرت کے قانون کی خلاف ورزی ہے کیونکہ یہ بنجر بانجھ اور بے ثمر ہے۔ جس میں بلا شبہ افلاطون کی کتاب قوانین کی طرف توجہ مبذول ہوتی ہے۔ چیریکلز کے دیگر دلایل میں کوئی ندرت نہیں ہوتی۔ حیوان، طیور اور مچھلیوں کو ہم جنسی، جنسکاری کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔ اگر یہ شعار عالمگیر ہو جائے تو انسانی نسل ختم ہو کر رہ جائے گی۔ وہ افلاطون نواز جو عشق کو روح کی ضرورت جانتے ہیں تو ان پر شک ہونے لگتا ہے کہ وہ عمر رسیدہ افراد کی خوبیوں سے بے حسی کی حد تک لاتعلق ہیں۔ جب ''لڑکوں کی خوبصورتی ان میں جذبات کی شعلہ فشانی کرتی ہے۔'' لیکن چیریکلز کی یہ بات ماننے کی ہے مگر وہ ایک اور دلیل پیش کر دیتا ہے کہ اگر سماج مردانہ عشق سے چشم پوشی کرتا ہے تو اسے چپٹی بازی سے بھی ایسی رواداری کا سلوک کرنا چاہیے۔ یہ ایک ایسی قسم کی جنسکاری ہے جو فحش ہے جسے زبان پر بھی نہیں لایا جاسکتا۔ تاہم بہتر تو یہ ہے ''کہ ایک عورت مردانہ اوباشی والے رنگ ڈھنگ اختیار کرے اس کے بجائے مردانہ جنس کی شایستگی کو یہ چاہیے کہ وہ زنانہ پن اختیار کر کے زنانہ کردار ادا کرنے لگے۔'' اپنی جذب کرنے والی خوش باشی (اور حقیقی تاریخی دلچسپی) جب کہ معاشقوں میں پیچیدگیوں کی کمی ہے، وسعت کے ساتھ پلوٹارک کے مکالموں کی گہرائی بھی نہیں ہے۔ مذکورہ کمی کہیں اور اتنی نمایاں نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ عورتوں کے معاملات پر توجہ دے۔ پلوٹارک نے تو عورتوں کو نیا وقار دینے کی کوشش کی اور انہیں بے لوث اور جان نثار رفیق کہہ کر ان کی تعریف کی۔ چیریکلز تو صرف انہیں یہ تجویز دیتا ہے کہ انہیں لڑکوں کے مقابلے میں بہ دیر دلکش رہنا چاہیئے۔ اور خوش رہنے کے واسطے دو نکات بتاتا ہے اور فریقین کو بستر میں مساویانہ لطف اٹھانا چاہیے۔

اس کے جواب میں رد کرتے ہوئے کالی کراٹڈس عورتوں کے متعلق اس تنگ نظری کا بھی روادار نہیں ہوتا اور حملہ کرتا ہے جسے وہ خطرناک حد تک نسوانی حمایت قرار دیتا ہے۔ وہ دلایل کو الٹ کر انہیں سر کے بل کھڑا کر دیتا ہے۔ ابتدائی ایام میں تو اشیائے ضرورت کی اتنی قلت ہوتی تھی کہ مردوں کو ''جینے کا ڈھنگ'' بھی نہ آتا تھا۔ بالآخر زراعت نے غذائی اشیا کی تلاش کی جگہ لے لی اور سنگی محل شکستہ حال جھونپڑیوں کی جگہ بن گئے۔ مردوں کی محبت تہذیب کی ترقی کی ایک اور علامت بنی اور رالوہی فلسفہ تخلیق پانے لگا۔ وہ پوچھتا ہے

کہ ایسا کیوں ہے کہ ہم جانوروں کو اپنے لئے مثالی نمونہ بناتے ہیں۔ شیروں میں تو ایسا جذبہ عشق نہیں ہوتا کیونکہ وہ فلسفی بھی نہیں ہوتے۔ ریچھوں میں بھی ایسا عشق نہیں ملتا کیونکہ وہ کسی بھی حسن سے ناواقف ہوتے ہیں جو دوستی کی پیداوار ہے۔

کالی کراٹی ڈس اس کے بعد الوہی عشق اور عام عشق کے درمیان پائے جانے والا فرق کو بیان کرتا ہے جو نہایت گھسا پٹا ہے جس میں عورتوں سے عشق کو گھٹا کر دوسری قسم سے جوڑ دیتا ہے اور ارڈیکس اور اموریس کے تمام بحث کرنے والوں کی عادت کے مطابق رطب کرتے ہوئے وہ عورتوں کی دل کھول کر مذمت کرتا ہے۔ ''عورتوں کو مستور رہنے دو۔'' اس نے اعلان کر دیا کہ انہیں اس لئے رکھا جائے تا کہ وہ بچے جنیں اور پرورش کریں۔ وہ ان کے بناوٹی حسن کو برا بھلا کہتا ہے جس میں ان کے رنگے ہوئے بال، ان کے سنگھار کا سامان، اور ان کے پر تعیش زیورات۔ اس کے مقابلے میں وہ مرد بالغوں کی سنجیدہ سادگی کو بیان کرتا ہے جو تنظیم یافتہ اور کھلاڑی والی شخصیت ہوتی ہے اور وہ جان دے کر تعلیم حاصل کرتے رہیں۔ ''کون سا سورما بہادر تھا جسے عقل و دانش کی علامت بنایا جاتا ہے، یا پھر کس چیز کے لئے مرد انصاف اور اعتدال پسندی کے لئے جان دیتے ہیں۔''

پختہ کار عشاق کالی کراٹی ڈس کی نظر میں، ہمہ گیر مساوات والے تعلقات میں شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب قابل احترام عشق ہمارے اندر بچپن میں پیدا ہو کر جوان مرد کی عمر تک پروان چڑھتا ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب انسان دلایل دینے کے اہل ہوتا ہے۔ ہماری دیرپا انسیت کا جو معمول ہوتا ہے جواب میں محبت دیتا ہے اور اس لیے یہ دشوار ہوتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ کون کس کا عاشق ہے کیوں کہ عاشق کی شبیہ کی نرمی چاہے جانے والے سے اس طرح چھلکتی ہے جیسے آئینہ رکھا ہو۔ کالی کراٹی ڈس مردانہ عشق کو اس طرح نہیں پیش کرتا۔ ''گویا یہ ہمارے عہد میں انوکھی عیاشی ہو'' بلکہ ان اشیا کا عطر ہو جو یونانی ہیں۔ جب سولون سقراط اور کلی میکس کی اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ وہ قابل احترام شارحین ہیں، وہ لونڈے بازی پر افلاطونی نقطہ نظر سے نگاہ دوڑاتا ہے آپ پر لازم ہے'' کہ اس طرح نوجوان سے عشق کریں جیسے سقراط نے السی بیاڈز سے کیا تھا جو اس کے ساتھ باپ کی طرح سویا اور وہ بھی ایک ہی لبادے میں اور اپنی محبت میں تسلسل رکھا جو لڑکپن سے

عمر رسیدگی تک جاری رہا۔''

لایسی لس ایک مباحثے میں جیتنے والے کو منتخب کرنے میں گھبرا رہا تھا۔ دونوں مردوں کی تعریف کرتا ہے۔ لیکن آخر میں وہ جو فیصلہ دیتا ہے وہ لڑکے کے عشق میں ہوتا ہے۔ شادی تو وجہ برکت ہے اور ان مردوں کے لئے نعمت جنہیں خوش نصیبی سے واسطہ پڑے۔ جب کہ لڑکوں سے عشق عدالت کو ایسے واجبات دلاتا ہے جو دوستی کے متبرک جزو ہوں۔ میرے نزدیک یہ سہولت صرف فلسفلے کے طفیل ہے، اس لئے ہر مرد کو شادی کرنا چاہئے لیکن ان میں جو دانا ہوں صرف انہیں لڑکوں سے عشق کرنے کی اجازت ہو۔ کیونکہ مطلق نیکی صرف عورتوں ہی میں جنم لیتی ہے۔ اور تمہیں خفا بھی نہ ہونا چاہیے چیریکلز اگر کورنتھ ایتھنز کے سامنے پسپا ہو جاتا ہے۔

یہ حکیمانہ اعلان شادی کے آگے دست بستہ ہونے کا شایستہ فیصلہ ہے۔ اگر چہ چیریکلز عورتوں کو جنسکاری میں رفیق کا درجہ دینا چاہتا ہے مگر اس کے پاس شادی کے حق میں کچھ نہیں تھا۔ شاید لایسی لس اسے پلوٹارک کے نظریات میں ایک رعایت سمجھتا ہے۔ اگر مکالموں میں کوئی ایسی شئے نہیں ملتی جس سے اس تجویز کو حمایت ملے۔ اور اس کا فیصلہ بڑی صراحت سے عورتوں کو ان اخلاقی اوصاف سے محروم کر دیتا ہے جن سے پلوٹارک انہیں نواز چکا تھا۔ تھیوم نیٹس اس فیصلے سے نہیں جھگڑتا لیکن کالی کریٹی ڈس کی پارسائی پر شرماتا ہے مجھے کہنا چاہئے کہ میں نے ان اولولعزم تقاریر کی متانت کو بہت سراہا جن کا سبب لڑکوں سے عشق تھا۔ علاوہ اس کے میں نے یہ نہ سوچا کہ یہ کوئی پسندیدہ بات ہوگی کہ ایک لڑکے کے ساتھ پورا دن بسر کیا جائے جب کہ وہ ٹانٹالس کی سزا بھگت رہا تھا۔ اور اگر چہ رحق حسن جیسا کہ یہ تھا قریب قریب میری آنکھوں میں پھرے جا رہا ہے۔ اور اس وقت پیاس کو برداشت کر رہا ہے جب پانی ملنا کوئی دشوار نہ تھا۔ وہ بڑی شد و مد سے اس بات کی تردید کرتا ہے کہ سقراط کا آلسی بیاڈز سے عشق پاک دامنی والا تھا اور ان بدنام مردوں کا حوالہ دیتا ہے جن میں اسکائی لس نے آچیلز کے جسمانی گوشے کی نمایش کی کہ وہ پیٹروکلس کے عشق میں مبتلا تھا۔ ایسا عہد جسے مورخوں نے بڑھتی ہوئی درویشی کا زمانہ کہا ہے اس میں اس کی حیثیت پکے اوباش آدمی کی ہو جاتی ہے۔ لایسی لس اس سے قطعاً بحث نہیں کرتا۔ جو

ہمیشہ سفارت کار رہا ہو، وہ صرف تھیوم نیسٹس کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر وہ مزید کچھ کہے گا تو ہم سب آج شام میں ہونے والے تہوار کے نقطہ کمال سے محروم ہو سکتے ہیں۔

بات عیاں ہے کہ اس پر لطف مباحثے میں پلوٹارک کی حیثیت کوئی فیصلہ کن نہ تھی۔ نہ ہی کوئی اس پر آمادہ تھا کہ پر جنسی شادی کی برتری کو تسلیم کرے۔ یہ بھی بلاشبہ درست ہے کہ باتدبیر لایسی لس چیریکلز کی دستگیری کرتا جب وہ ''نہایت بے ڈھب مقصد کی بڑی لیاقت سے وکالت کرتا۔'' یعنی عورت سے عشق کی اور یہ تجویز دیتا اور کہتا کہ جو اغلام بازی کی وکالت کررہے ہیں ممکن ہے انہیں کہیں سختی سے للکارا جائے۔ جو غیر مسیحی یونانی تھے اور زمانہ قدیم سے چلے آرہے تھے اب بھی کلاسیکی روایت کے حامی تھے۔ پلوٹارک کا عورتوں کا فیاضانہ دفاع کی یہاں کوئی اہمیت نہ تھی۔ ہم تو اس تمدنی قدامت پسندی پر اور اس کرشمے پر دنگ ہو کر رہ جاتے ہیں کہ گذشتہ چھ یا سات سو برس میں کتنا تھوڑا سا بدلا ہے۔ یہ اتنا ہی عرصہ ہے جو پھیل کر چاسر تک چلا جائے گا۔

دورومانس اور ایک رزمیہ:

یہ ممکن ہے کہ فلسفیانہ بحث کرنے والے اب بھی مردانہ عشق کی حمایت جاری رکھیں۔ مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مقبول افسانی ادب بڑی حد تک پر جنسی ہے۔ یہ شعار تھیٹر میں میناںڈز نے اور نئی طربیہ میں (بلاشبہ یہ پلوٹارک تھا جس نے خصوصی دلچسپی لے کر یہ فیصلہ کیا کہ کوئی مرد کبھی بھی میناںڈر میں کسی لڑکے پر نہ عاشق ہو)۔ نتیجے میں میناںڈر کے ''لڑکا ملے لڑکی سے'' کا کلیہ نئی صنف پر چھا گیا اور دوسری تیسری صدی عیسوی میں یونانی رومانی ناول میں خوب پھلا پھولا۔ ان بہ آسانی دستیاب مگر فضول کہانیوں میں ہیرو اور ہیروئن ملتے ہیں، عشق میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور بہت سے مسائل سے گزر کر پچاس یا غیر یقینی سو صفحات کے بعد مل جاتے ہیں۔

اگر چہ یہ کہانیاں پر جنسی جوڑے پر منحصر ہوتیں لیکن کلاسیکل یونانی عشق کا ذکر بڑی ہمدردی سے ذیلی قصے کے طور پر ہوتا۔ یوں وہ عشق جو نہایت تعیّشانہ خوبصورت ہوتا جیسے ہابراکمز اور انتھیا کا یہی ایفی سین کہانی (Ephesien Tale) کا بنیادی ڈھانچہ اس پر

ہے جو ایفی سین کے زینوفون نے لکھی تھیں۔ انہیں بحری قذاقوں نے پکڑ لیا تھا۔ ایک شورہ پشت کا دل لڑکی پر آ جاتا ہے اور لڑکے پر دوسرے کا۔ اپنے فرار کے بعد ہابرا کمز کا واسطہ ڈاکوؤں کے گروہ کے سردار سے پڑتا ہے جس کا نام ہپوتھوز تھا۔ جو روتے ہوئے اسے اپنے عشق کی کہانی سناتا ہے۔ اس نے پہلی مرتبہ ہاپیراتھس کو اپنے وطن کے شہر میں جمنازیم میں دیکھا تھا یہ شہر بارنٹیم کے نزدیک تھا جہاں پر جوڑے نے ''بوس و کنار کیا اور لپٹے جھپٹے'' تھے لیکن لڑکے کے بے اصولے باپ نے اسے ایک امیر بازنطینی خطیب کے ہاتھ اس حیلے سے بیچ ڈالا کہ وہ اسے تعلیم دے گا۔ دونوں نے مل کر اسے قتل کر ڈالا اور فرار ہو گئے۔ لیکن ہاپیراتھس لزبو کے نزدیک جہاز کے ڈوبنے سے ہلاک ہو گیا۔ آخر میں ہابرا کمز اور انتھیا دوبارہ سے نثری رومانس کی دایمی راحت میں دوبارہ مل جاتے ہیں۔ لیکن ہپوتھوز آخری مرتبہ پردہ گرنے سے پہلے ان سے ملتا ہے۔ کیونکہ ''ایک عظیم مقبرہ بنانے کے بعد'' جو اس نے ہاپیر اتھیز کے لئے لزبو میں تعمیر کرایا تھا۔ وہ اس جوڑے کے ساتھ افیسس میں بس جاتا ہے اور اس کے ساتھ ایک نوجوان بھی قیام کرتا ہے جو سیلیسیا کا رہنے والا تھا۔ '' وہ ایک وجیہہ کلس تھینیز ہے'' جسے وہ متبنیٰ بنالیتا ہے۔ یہیں سے افسانویت داخل ہو جاتی ہے جس کے لئے تنوع میں سچ مان لیا جاتا ہے۔ آچیلز ٹاٹیس کا پلاٹ ڈرامہ Lucippe and clitophon جس کے زمانہ تحریر کے متعلق مختلف خبریں ہیں۔ مثلاً ۱۵۰ سے ۳۰۰ء مگر یہ بھی لڑکا چاہتا ہے۔ لڑکی کو چاہنے والے نسخے پر پورا ہے (شاید یونانی ناول نگاروں کو یہ سہل لگتا ہوگا کہ وہ رومانس کا خاتمہ شادی پر کردیں یا پھر المیوں کا خاتمہ موت پر کریں) ایک مشتبہ روایت نے آچیلز ٹاٹیس کو گرجا کا اسقف بنا ڈالا لیکن ناول کے ذیلی ڈھانچے میں مردانہ عشق کو جس طرح دکھایا گیا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ کھیل پر کسی قسم کا مسیحی اثر ونفوذ نہیں ہے۔ یہاں پر ایک مرتبہ پھر مردانہ عشق کے بیان کرنے میں جذباتی امراض کا حاوی لہجہ ہے۔ کلیٹوفون کا کزن کلی نیاس ایک نوجوان سے عشق کرتا ہے جس کا نام چاریکلز تھا۔ جس کا باپ حکم دیتا ہے کہ وہ ایک غیر دلکش وارثہ سے شادی کرے۔ حد سے زیادہ پریشان چاریکلز ایک گھوڑے پر سوار ہو کر جو کلی نیاس کا دیا ہوا تھا وہ بے قابو ہو کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور وہ گھسٹتا ہوا مر جاتا ہے۔ یوں اس کا باپ اور عاشق آہ و بکا کرنے

میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔

بعد میں ہم ناول میں مے نیلاسؔ سے ملتے ہیں جو مصری ہے اور اسی قسم کے صدمے سے دوچار ہو چکا ہے۔ مے نیلاسؔ نے حادثاتی طور پر ایک لڑکے کو قتل کر دیا تھا جس سے وہ عشق کرتا تھا۔ یہ اس وقت ہوا جب اس نے برچھا ایک سور کو مارا جو لڑکے پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس سے کلی نیاسؔ کا زخم پھر سے ہرا ہو جاتا ہے اور اسے اپنا نقصان یاد آ جاتا ہے۔ اور کلیٹوفونؔ جو ناول کا ہیرو ہے دونوں افراد کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ وہ اس نوعیت کی گفتگو کا آغاز کریں ''جس میں مباحثے سے توجہ عشقیہ معاملے کی طرف مبذول ہو جائے گی۔'' اشتعالی انداز میں اسے اچنبھا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے'' لونڈوں کے لئے ایسی محبت ان دنوں بہت مقبول ہے۔'' جس سے مے نیلاسؔ کو تحریک ہوتی ہے کہ وہ نوجوانی کے عشق کی مدافعت کرے اور ہمیں ایک چھوٹا سا مباحثہ ان کے درمیان سننے کو ملتا ہے جس کی نوعیت اسی قسم کی ہوتی ہے جیسی ہم ایروٹکس اور اموریس میں سن چکے ہیں حالانکہ اب یہاں پر اس قسم کی پرجوش مقاومت نہ تھی۔ بولنے والے اس پر مطمئن تھے اور حیران تھے کہ زیوسؔ کس صنف کی حمایت کرے گا۔ آیا لونڈوں کی عارضی خوبصورتی کہیں بہت کم مدت کی تو نہیں ہے یا پھر ان مختصر معیاد کی وجہ سے ترسانے والی ہے اور کسی جنس کے بوسے زیادہ تحریص دلانے والے ہیں۔

ایک جامع علمی کام جو بعد کے زمانے کا ہے ابھی توجہ کا طالب ہے یہ بھی ٹھیک ہے کہ یہ مسیحیت کی کامیابی کے بعد کا ہے۔ ایک ضخیم رزمیہ جو ۴۵ جلدوں پر محیط ہے جسے ایک ایسے شاعر نے لکھا ہے جو مصر میں واقع یونانی شہر پانوپولس میں بیٹھ کر تصنیف کرتا رہا۔ نونسؔ پانچویں صدی عیسوی کے زمانے میں کبھی گزرا ہے۔ ہمیں نہ تو اس کی تاریخوں کا علم ہے نہ ہی اس کی سوانح کا کوئی حال معلوم ہے۔ اس کی نظمیں خدائے ڈایونی سوسؔ کی فتوحات کا جشن مناتی ہیں۔ جو سکندر کی طرح یونان سے نکلا اور ایک قدیم اسطور کے مطابق ہندوستان کو فتح کر لیا۔ (ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اس کی نظموں کی تکمیل کے کچھ عرصہ بعد نونسؔ نے اپنی وفاداری باکوسؔ سے بدل کر مسیح سے وابستہ کر لیں کیونکہ اس نے بھی ایک عبادت کو منظوم کیا جو سینٹ جونؔ کی تنزیلات میں شامل ہیں۔

ڈاینوسیاؔ کا جیسا کہ اسے پکارا جاتا ہے یہ ایک بہت بڑا پر تکلف دارلنوادر ہے جس میں قدیم یونانی اشیا رکھی ہیں جو اس زمانے کی حتمی جگمگاہٹ کو دکھاتی ہیں اور کلاسیکل ادب کے انحطاط کے زمانے میں ، جس میں لونڈے کی محبت بھی موجود ہیں۔ نوئسؔ اپنی تین کتابوں کا معتد بہ حصہ ڈآ ینوسیاؔ کے ایپی لوسؔ سے عشق کے بیان کے لئے مختص کرتا ہے۔ جن سے خدا لیڈیا میں دریائے پکٹولس کے کنارے ملتا ہے۔ وہ آناً فاناً لڑکے کے حسن پر مرمٹتا ہے۔ ''کس باپ نے تمہیں پیدا کیا۔'' وہ پوچھتا ہے۔'' وہ کون سا لافانی رحم مادر تھا جس نے تمہیں جنا''۔'' وہ کون سی سعادت تھی جو تمہاری پیدائش کا سبب بنی۔'' اپاؔلو نے تمہیں کتنا خوبصورت پیدا کیا علی ہذا القیاس، جس میں اسطوری مناجاتیں بھی شامل ہیں۔ ریشہ خطمی نوجوان اس تعریف اور ستایش سے جس کی خدا نے ارزانی کی مغرور ہو جاتا ہے۔ ڈایونی سوسؔ لڑکے کی غیر موجودگی میں اس کی مفارقت میں گھلتا رہتا ہے۔ اس کی بات بڑی توجہ سے سنتا ہے۔ اس کی نے نوازی کی تعریف کرتا ہے یہاں تک کہ جب وہ غلط دھنیں بجاتا ہے ۔ اور اس وقت رشک و حسد کا شکار ہو جاتا ہے جب وہ یونان کے اساطیری گھوڑے نما جانور کے ساتھ ناچنے لگتا۔ جس کے ساتھ وہ جسمانی ضرورتوں میں بھی شریک ہوتا۔ وہ فکرمند تھا کہ ایک مسحور زیفاریسؔ ممکن ہے اسے بھی اسی طرح قتل کر دے جیسے اس نے ہیاسنتھؔ کو کیا تھا۔ یا پھر زویسؔ یا پوسیڈونؔ اسے اولمپس کے واسطے چرا لے جائیں اس پر عشق کا بھوت سوار تھا۔

وہ بہت شیریں خواب دیکھ رہا تھا اس کا بستر خوابناک ہے
اس نے سایہ نما پیکر دیکھا وہ بھی بناوٹی شکل کا
اور بذریعہ سرگوشی اس نے کلمات الفت ادا کئے وہ بھی لڑکے کے ملتے سائے سے
اگر اس کی پر شوق ٹکٹکی نے کوئی کجی دیکھی تو یہ بھی اسے بھلی لگی
یعنی عشق کے مارے ڈایونی سوسؔ کو
یہ بھی اسے کہیں زیادہ عزیز ہے بجائے سموچے نوجوان جسم کے
اگر اس کی دم بھی اس پر اگ آئے اور میانی تک لٹک آئے
تو یہ بھی اس شہد سے بڑھ کر شیریں ہوگی جو باکوسؔ کو ملی تھی

میلے کچیلے سر پر چپکے بال اس کے باوجود اس کی بے چین نظروں کے لئے اس سے بہت سکون مل رہا تھا۔

جب ایمپی لوسؔ چیتوں، ریچھوں اور شیروں پر سوار ہوتا ہے جو خدا کے رتھ کو کھینچتے ہیں تو ڈیوانی سوسؔ انہیں خطرات سے چوکس کرتا ہے لیکن سر پھرا جوان ایک جنگلی بیل پر سوار ہو جاتا ہے جو اسے جھٹک کر گرا دیتا ہے اور زخمی ہو جاتا ہے۔

خدا تادیر رنجیدہ رہتا ہے اور خوش نوا بھی جسے ایروزؔ تسلی دیتا ہے۔ جو اسے کالامسؔ اور کارپوزؔ کا کلام بڑے لحن سے سنا تا ہے کالامسؔ دریائے مینڈر کے خدا کا بیٹا ہے کارپوزؔ سے عشق کرتا ہے جو اس کا ہم سن لڑکا ہے۔ جب کارپوزؔ ڈوب کر مر جاتا ہے تو کالامسؔ بھی غم سے مر جاتا ہے اور بدل کر نرسل بن جاتا ہے۔ (کیا وہٹمینؔ جس نے کالامسؔ کو علامتاً نرسل بنایا تھا وہ ''کامریڈوں کا عشق'' تھا جو اس نے (Leaves of Grass) تصنیف میں برتا۔ اس رمز یہ اسطور سے آگاہ تھا)۔ امپیلوسؔ ہیاسنتھؔ اور سیاپاریسؔ کو سامنے دیکھ کر ترکاری والی قلب ماہیت کے ذریعے انگور کی بیل بن جاتا ہے جو شراب کا ذریعہ ہے اور جسے یونانی ڈایونی سوسؔ سے منسوب کرتے ہیں۔ اس مثل اولیٰ کے خیالی محل والی دوجنسیوں کی دیومالا جو کلاسیکی روایت کی حامل تھی اپنے کھٹ مٹھے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔

کانسٹنٹاینؔ سے پہلے رومی قانون:

تیسری صدی عیسوی کے بعد اور بے دینی کے انحطاط کے بعد ماحول بدلتا ہے۔ کانسٹنٹاین ۳۱۳ء میں میلان کا فرمان نافذ کرتا ہے یہ شاہی پالیسی میں ایک ڈرامائی تبدیلی تھی جس نے مسیحیت میں رواداری کو قائم کیا جب کہ ابھی تک سلطنت کی کوئی ایک تہائی سے کم آبادی مسیحی بن سکی تھی۔ اس کے بعد شہنشاہ جولیاؔ کے عہد کے مختصر عہد حکومت کے علاوہ مسیحیت کو شاہی سرپرستی حاصل رہی جو مناسب وقت میں سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اخلاقی فضا میں ایک شدید تبدیلی آ گئی۔ مردوں کے درمیان عشق یونانی تہذیب کا ایک معنی خیز عنصر تھا۔ شہری اور فوجی زندگی میں، تعلیم، فن اور ادب میں۔ کم

ازکم سولونؔ کے زمانے سے۔ اس کے بعد مسیحیت نے بے دینی کو پہلے دبایا اور اس کے بعد کسنا شروع کردیا۔ اس کے بعد اس نے ہم جنس پرستی کے خلاف اپنے تعصّبات کو شاہی قوانین کے ذریعے دبایا اور وقت آنے پر مقبول اخلاقیات کی صورت گری کردی۔

مردوں کے درمیان عشق جو ایک زمانے سے ذہن نشین تھا، منایا جاتا اور کبھی کبھار عیب جوئی کی جاتی اس کی اب نئی تعریف متعین ہوئی جیسے یہ کوئی انسانیت سوز چیز ہو پھر ممانعت ہوئی اور پھر قابل ذکر بھی نہ رہی۔ ''وہی عشق جس کا نام لینے کی ہمت نہ پڑتی۔'' اتنی بڑی تبدیلی، تمام باتیں رہیں ایک طرف نتیجہ مسیحیت کی فتح میں نکلا۔ جان بوسویلؔ کا تو خیال تھا کہ نئی اخلاقیات کا سرچشمہ رومی سلطنت کے اثر و رسوخ کا دیہات تک پہنچ جانے سے جاری ہوا۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب سلطنت روبہ زوال تھی۔ لیکن اس استدلال کا دارومدار اس کلیے پر ٹکا ہوا ہے کہ دیہی سماج ہمیشہ سے ''قدامت پسند'' ہوتے ہیں تاہم اس وقت کون سی شئے ایسی تھی جسے ''وہ سینت کر رکھتے'' کیا قدامت کو۔ یعنی بے دینی کو۔ ان کے عقاید اور مناسک۔ بلاشبہ لفظ 'Pagan' یہ معنویت رکھتا ہے کہ ایک دیہی باشندہ جو قدیم عقاید پر اصرار کرتا ہو، روایات پر اور چاہتا ہو کہ دیہی علاقوں میں پرانے اخلاق کا چلن رہے جیسا کہ ہم آیندہ دیکھیں گے کہ سخت گیر نئے قوانین شہری مراکز میں جنم لیتے ہیں جیسے میلان اور قسطنطنیہ جو بعد میں یورپ کے بڑے شہر بنے جہاں پر پہلی مرتبہ وحشیانہ ستم رانی کی گئی۔

رواداری گھٹنے کی ذمہ داری نہ تو ہم یونانی۔ رومی سماج کے سیاسی اور اقتصادی انحطاط پر رکھ سکتے ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا پامال خیال ہے جسے کبھی کسوٹی پر نہیں چڑھا کر دیکھا گیا کہ اس انحطاط نے ایک تارک الدنیا روح کو پروان چڑھایا جیسا کہ ہوتا آیا ہے کہ لوگ کم دیکھ کر قلیل پر اکتفا کرنے لگتے ہیں۔ اس ترک دنیا کے نظریے نے اپنی قوت اور وزن کو اس عہد میں کیا دیا وہ کوئی خلقی کشش نہ تھی جو اس گھٹتی ہوئی توقعات کی دنیا میں نظر آتی۔ مذہبی عقاید کی گرفت سے گلوخلاصی کے بعد ترک دنیا شاید ہی کبھی کوئی سماجی قوت رہی ہو لیکن اس عقیدت سے مربوط ہونے کے سبب مسرت سے دست برداری اور خصوصاً جنسی مسرت۔ ذاتی نجات کے لئے لازم ٹھہر گئی۔ اس نے نہایت وسیع اور طاقتور اثر چھوڑا۔

ایسے زمانے میں جس میں محنت کے عوض انعامات اور امنگوں میں اضافہ کا فور ہو رہا ہو، اب نئے مذہب نے جنت میں دائمی خوشی ملنے کی وعید دی اور دوزخ سے نجات بھی۔ یہ وہ قوی محرکات تھے جو ترک دنیا کی سماجی اخلاقیات کی بنیاد تھیں۔

ہم ابتدائی چرچ کو بھی اس لئے معاف نہیں کر سکتے جو بعد میں لوگوں پر ستم ڈھائے گئے محض اس لئے کہ چند سماجی قوتیں اپنا کام کر رہی تھیں۔ حالانکہ ہٹلر کے ظہور سے پہلے قوم پرستی کی قوی طاقتیں یورپ میں روبہ عمل تھیں۔ ان کے اثر ونفوذ کی وجہ سے نازیوں کو اس ہلاکت خیزی کے الزام سے نجات نہیں مل سکتی جو ان کے ہاتھوں ہوا۔ سانحہ تو یہ ہے کہ نازی ازم کے برعکس جس کو نفرت اور جبر نے پروان چڑھایا، مسیحیت نے برادرانہ محبت کی تبلیغ کی اور دردمندی کی اور تاریخی طور پر ایک توازن قائم کیا تاکہ دنیا میں نیکی کا اثر بڑھے۔ تاہم دونوں نے ہی ہم جنس پرستی سے نفرت، خوف ہی پیدا کیا۔ لیکن جب کہ ہٹلر کی آرزو یہ تھی کہ ہم جنس پرستوں کو مخصوص نازی طریقوں سے نیست و نابود کر دیا جائے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی آیا یہ ناگزیر تھا کہ مسیحیت ایسا ہی انتہا پسندی والا تعصب اختیار کرے جو ابتدائی یہودیت کا شکار تھا۔ پال کی ذات کے باوجود عیسوی تنزیلات اس سمت میں سفر نہیں کرتیں۔

یہ کہنے کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رومی قانون میں کچھ ترقی ہوتی ہے اور وہ کانسٹنٹائین سے پہلے اور ہم جنس پرستی کے معاملے میں۔ ان میں سے چند تو راہ ہموار کرتی ہیں جو مایل بہ تعزیرات ہوتی ہیں۔۔۔ بے دین شہنشاہ الیکزانڈر سیویرس (۲۲۲۔۲۳۵ء) کے عہد میں منصف جولیس پاولس نے فیصلوں کا اعلان کرتے وقت ایسے کئی اعلانات کئے جو فوجداری مقدمات کے اگرچہ رسمی فیصلے تھے جنہیں ۴۲۶ء میں تھیوڈ سائیس دوم کے عہد میں قانون کا درجہ عطا کر دیا گیا۔ پاولس نے یہ فیصلہ دیا کہ کسی آزاد لڑکے کی جو سترہ برس سے کم ہو اسے گمراہ کر کے بدکاری پر لگانا ''سخت سزا کا مستوجب جرم'' ہوتا ہے۔ اور ایسی کوئی بھی کوشش (جیسا کہ بے شک مثال کے طور پر اشارہ کیا گیا ہے کہ اس کے حاضر باش ملازموں کو رشوت دینا) ایسے شخص کو بطور سزا شہر بدر کر کے کسی جزیرے میں قید کیا جا سکتا ہے۔ چند مفسرین نے ''سخت سزا'' کو سزائے موت پر محمول کر لیا۔ لیکن رومی قانون میں

''سخت سزا'' میں یہ بھی ممکن ہے کہ جس میں کمتر سزایں مثلاً قید و بند، شہر بدری اور اسقاط شہریت بھی شامل ہیں۔

پاولسؔ اور اس کے ہمکار رفیق الپیانؔ کے دیگر فیصلے لگتا ہے بعد میں ہونے والی قانون سازی کی راہ میں بدشگونی کا باعث ہوئے۔ کیونکہ بالغ کونی کے لئے الپیان نے یہ فیصلہ دیا کہ انہیں قانونی طور پر ''رسوائے خلق'' قرار دیا جائے۔ یہ ایک قسم کا نتیجہ تھا جس میں اس نوعیت کے لوگ مثلاً شمشیرزن، اداکار اور دیگر عوام میں اپنے ہنر کا مظاہرہ کرنے والے جو بے آبرو ہوتے تو ایسے قوانین کے تابع ہوتے جس سے ان کے شہری حقوق کی تحدید ہوتی مثلاً ووٹ ڈالنے کا حق یا پھر کوئی عہدہ رکھنے کا حق۔ پاولسؔ کی سزایں علاوہ ازیں اغلامیوں کو قانون کی عدالتوں میں بحیثیت وکیل پیش ہونے کی ممانعت کر دیتیں انہیں ترکے میں ملنے والے حصے میں سے آدھے سے محروم کر دیتیں۔ اور انہیں جو بھی ملتا اس میں سے آدھی ملکیت کا ورثہ چھوڑ سکتے۔

فرامین مجریہ ۳۴۲ء اور ۳۹۲ء:

مسیحیت کے برسر اقتدار آتے ہی کہیں زیادہ درشت نوعیت کی قانون سازی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ان نئے قوانین کے عالم وجود میں آنے سے ہی پہلے ہمیں آزار دہی کی شہادتیں ملتی ہیں۔ کانسٹنطائنؔ اور اس کے جانشینوں کے تحت ایسی مہمیں جو غیر مسیحی مذاہب کے خلاف یا پھر ہم جنس پرستی کے خلاف چلیں ان میں چولی دامن کا رشتہ ہوتا۔ اسی واسطے چرچ کا مورخ یوسیبیسؔ شہنشاہ کانسٹنطائن کی سوانح میں اس کی اس لئے تعریف کرتا ہے کیونکہ شہنشاہ بے دین زنانہ پروہتوں پر جبر و تعدی کرتا ہے جن میں ہم جنس پرستی کا موجود ہونا طے شدہ امر تھا۔ یوسیبسؔ افا کا کے مقام پر واقع معبد کے متعلق تفصیل بیان کرتا ہے جو فونیشیا میں تھا اور کوہ لیبانس کی دور دراز چوٹی پر قایم تھا۔ اور ایک شرّی شیطان بنام وینسؔ کے نام وقف تھا۔۔۔ جہاں جا کر ایسے مرد جو اپنے نام کی لاج نہ رکھ سکتے اور اپنی صنف کا وقار بھی فراموش کر بیٹھتے اور اپنی زنانہ حرکات ۔۔۔ سے اس شیطان کی دلدہی کرتے۔

(یہاں پر وینسؔ ایک خلیاتی اصطلاح ہے جو مشرقی عشق کی دیوی کے لئے استعمال کی گئی ہے جیسے اشتاؔر یا پھر اسٹارٹےؔ) ہمیں تو بتایا جاتا ہے کہ کانسٹنٹائینؔ نے اس معاملے میں ذاتی دلچسپی لی اور "یہ احکام دیے کہ اس عمارت کو اس کے چڑھاووں سمیت پوری طرح مسمار کر دیا جائے۔" کیا کانسٹنٹائینؔ کو ان عمارتوں کی تباہی اور منت پوری ہونے پر چڑھائی جانے والی نذر و نیاز کی تباہی پر چین آ گیا تھا اور لوگوں کے خلاف کوئی کاروائی نہ ہوئی تھی۔ لگتا تو یہ ہے کہ اس نے مصر میں تو یہی کیا کیونکہ یوسبیسؔ کے بقول "جہاں تک مصریوں کا تعلق ہے بالخصوص سکندریہ کے لوگوں کے ساتھ جو اس بات کے عادی تھے کہ دریا کو اس طرح بھینٹ دینے کے واسطے کوئی زنخا پروہت رسوم پوری کرتا۔ ایک اور قانون منظور ہوا جس میں حکم ہوا کہ جس میں پورے طبقے کو نیست و نابود کرنے کو کہا گیا کیونکہ سب ہی بد تھے تاکہ اس کے بعد کوئی اور اس نوعیت کی نجاست میں آلودہ ہونے نہ پائے۔ ہمارے حافظے میں یہ آتا ہے کہ فیلوؔ بھی ماضی میں یہ چاہتا تھا کہ تمام زنخے پروہت موت کے گھاٹ اتار دیے جائیں۔ لیکن فیلوؔ ایسے زمانے میں گزرا تھا جب شہری حکام اس پر آمادہ نہ تھے کہ اس کے لیولیشیا کے تعصّبات کی تعمیل کریں۔ اب تین صدیوں کے بعد شاہی قوت اس پر آمادہ تھی کہ ان کی پشت پناہی کی جائے۔

کونسٹنٹائینؔ کے بیٹوں کے تحت باہمی شہنشاہ کونسٹانٹیسؔ اور کونسٹانسنؔ دونوں نے مل کر ہم جنس پرستی اور بے دینی کے خلاف مہم چلائی۔ ہم اس ارتباط میں ایک واضح متنازع فیہ مسئلہ دیکھتے ہیں جیسا فرنیکس ماٹرنسؔ کی کتاب بے دین مذاہب کی غلطیاں (The Errors of Pagan Religions) میں ملتی ہیں جو ۳۴۶ء میں شائع ہوی تھی۔ فرنیکسؔ ایک رومی سینیٹر تھا جس نے اپنے بپتسمہ کے بعد بھائی شہنشاہ سے درخواست کی کہ تبدیلی مذہب کو جبراً نافذ کرے اور بے دینی کو فوجی قوت کے ذریعے اکھاڑ پھینکے۔ اس نے اس پالیسی کے لئے جواز باب استثنٰی ۔۱۳ کے وحشیانہ فرمانوں سے پیش کیا۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ 'دی ایررز آف پیگن ریلنجز' کو بعد ازاں، عدم رواداری کا نسخہ کہا گیا۔ فرنیکسؔ تواتر سے بے دین مسلکوں کو جنسی بدچلنی اور خصوصاً ہم جنس پرستی سے منتھی کرتا رہتا۔ لیکن جیسا کہ لوسیپیئسؔ کے ساتھ ہوا اس کا بڑا تیہا زنخے پروہتوں پر نکلتا رہا یا پھر مقدس افراد

پر۔ جیسی کہ اس کی بھڑکدار تفصیلات کا رتھیج کے مسلک کے متعلق تھی اور پیونک (تیونس کے قریب) عشق کی دیوی ٹانٹ کے پیرو تھے اوران کے پروہتوں کوالزام دیتا رہتا۔

> کیا اسے عامل بنایا جاسکتا ہے جب کہ ان کے چہرے کو زنانہ بنایا جاچکا ہے۔ ان کی کھال رگڑ کر چکنی بن چکی ہے اور کیا ان کی مردانہ صنف کو زنانہ پوشاک اور لوازم شاہی پہنا کر ان کی ذلت نہیں کی جاچکی۔ ان کے اپنے ہی معبدوں میں آپ مخرب اخلاق تماشے ہوتے دیکھ سکتے ہیں جن میں آہ وزاری کرتے ہوئے لوگوں کا جمگھٹا ہوتا۔ مرد اس کی اجازت دے دیتے کہ ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جاسکتا ہے جو عورتوں سے کیا جاتا ہے۔ پر افتخار آن بان کے ساتھ وہ اتراتے۔ ان کے نجس اور آلودہ دامن جسموں کو ملاحظہ کیجئے۔ وہ عوام کی نگاہوں کے سامنے اپنی بدکاری کی نمائش کرتے۔۔۔ اس کے بعد اپنی مردانیت سے محروم ہوجانے کے بعد وہ بانسریوں کی دھنوں پر مست ہوجاتے اور اس کے بعد دیوی کے آگے گڑگڑاتے جب کہ ان کی نیتوں میں بدی ہوتی تاکہ وہ احمقوں کے سامنے محض دکھاوے کے لئے مستقبل کے متعلق بتاسکیں۔

یہاں پر فرمیکس ایک غیر مبہم دعوی کرتا ہے کہ ہم جنس پرستی والے تمام افعال دینی مسلکوں کے ناگزیر حصے تھے تاہم انتہائی جارحانہ نوعیت کے ذریعے دیکھتے ہوئے شاید دانش مندی لگتی ہے کہ ان الزامات کو تشکیک کی نظر سے دیکھا جائے۔ بحث مباحثوں کی اس زمانے کی گرما گرمی میں دونوں فریق ایک دوسرے پر سنسنی خیز الزامات لگاتے۔ بے دینوں کے مسیحیوں پر حملے میں یہ الزام دھرایا جاتا کہ مسیحی اپنے پروہتوں کے افزایش نسل کے اعضا کی پرستش کرتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ فرمیکس کی گہری عداوت فیلو کی کتاب اسپیشل لاز کی ہم پلہ ہے۔

فرمیکس ماٹرنس کونسٹنٹائین کے بیٹوں کے عہد میں لکھتے ہوئے بہ اطمینان کہتا ہے کہ حال ہی میں ایک قانون منظور ہوا ہے جس میں ہم جنس پرستی کے لئے سزا رکھی گئی ہے۔ ہم یہی قیاس کرسکتے ہیں کہ وہ چیستانی الفاظ میں لکھا جانے والا قانون تھا جسے ۳۴۲ء میں کونسٹانٹیس اور کونسٹانز نے جاری کیا تھا۔

جب کوئی شخص خود کو عورت ظاہر کر کے ''شادی'' کرتا ہے جو خود کو مردوں کی پیش کرتی رہی تھی اور جب جنسکاری کو کوئی اہمیت بھی نہ رہی ہو۔ جب یہ ایسا جرم ہو جواب بے سود ہو چکا ہو۔ اور جب وینس بدل کر کوئی اور ہیئت اختیار کر چکا ہو جب عشق کی جویائی ہو اور وہ نہ ملے۔ تو ہم قانون سازوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اٹھیں، قوانین کو ایسے ہتھیاروں سے لیس کریں جن میں بدلہ لینے والی تلوار بھی ہوتا کہ وہ رسوائے جہاں لوگ جو آج پاپی ہیں یا پھر آنے والے دنوں میں ارتکاب جرم کرنے والے ہوں تو انہیں عبرتناک سزا دی جائے۔

جان باسوَل کی تو یہ دلیل ہے کہ ''شادی'' کا حوالہ تو آج کل کی ''گے'' شادیوں کی طرح ہوئی جن کی تفصیل جو وینَل اور مارشیَل نے کی تھی۔ مگر اتفاق رائے تو یہ ہے کہ اس اصطلاح کے معنی تو محض جنسی تعلقات میں ایک تکلف ہی ہے۔ (یہاں وینس کے سادہ سے معنی چدائی ہے) یہ وہ احساس ہے جو ورجَل اور اوڈ میں رواں دواں ہے۔ ''عبرتناک سزا'' سے یہاں مراد غالباً سزائے موت ہے مگر تلوار کا حوالہ ہوسکتا ہے بطور استعارے کے ہو۔

وہ کون سی چیز ہے جسے ہر اس شخص کو چوکنا کرنا چاہئے جو بعد کے انگریزی، امریکی یا پھر یورپی قوانین سے آگاہ ہو جن میں سزا دینے کے سخت اقدام درج ہیں وہ صرف ان رشتوں میں صرف بھبھیسیے اور گانڈو کے لئے ہیں لیکن فاعل مرد کو بلا کسی خروش کے یوں ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ لگتا ہے کہ اس فرمان کو قلمبند کرنے والوں کو اس میں ہچکچاہٹ تھی کہ وہ رومی روایت سے یکلخت رشتہ توڑ کر ''مارنے'' والے کے ساتھی کو سزا دے دیں انہوں نے یہ بھی محسوس کیا ہوگا کہ عوامی اثر بہ عجلت گھٹیا بالغ کونیوں کے خلاف سخت اقدامات کی حمایت شروع کر دے گا۔

مبہم تراکیب الفاظ کے ہوتے ہوئے کونسٹانٹیئز اور کونسٹانز کے جاری کردہ قانون کو ان کے ابہام کے باوجود نظرانداز کیا گیا۔ کیونکہ ان کا یورپ کی قانون سازی کی تاریخ میں ایک اہم کردار رہا ہے۔ اسے ۴۳۸ء میں تھیوڈوسین کوڈ میں درج کیا گیا اور بعد میں اس سے بھی زیادہ موثر کوڈ میں جو شہنشاہ جسٹینین نے جاری کیا۔ جب اسی ضابطے کو اطالوی لاء

اسکولوں میں عہد وسطی میں حیات نو ملی تو وہی قانون مجریہ ۳۴۲ء روایتی قانونی انداز میں نظیر بنایا گیا خاص طور سے اس کے دو افتتاحی لفظوں (The Lex Come Vir)۔ کیا یہ قانون با قاعدگی سے مقامی ضابطوں کو جائز ثابت کرنے کے لئے بطور حوالہ کام آتے تا کہ فاعل اور مفعول کو موت کی سزا دی جا سکے جب رشتہ دو مردوں میں ہو۔

کیا اس قانون کا نفاذ منظور ہوتے ہی فوری طور پر آنے والے برسوں میں ہو گیا تھا۔ جو ہمیں نہیں معلوم۔ ممکن ہے اس کے لئے پائے جانے والے جوش وخروش کے باوجود ایسا نہ ہوا۔ ہمیں تو صرف یہ معلوم ہوسکا ہے کہ وہ قوانین جو بے دین پرستش کی ممانعت کرتے اور معبدوں کو بند کروانے کے احکام جاری کرتے ان کے نفاذ میں کوئی تسلسل نہ تھا۔ بے دین تو اب بھی اکثریت میں تھے۔ مگر پچاس برس بعد تھیوڈوسیئس اول کے عہد میں صورتحال قدرے مختلف تھی۔ جہاں سابق شہنشاہوں نے بے دینوں پر قانون نافذ کرنے میں تذبذب دکھایا تھا تھیوڈوسیئس نے جو سرگرم عیسائی تھا اور بہت طاقتور شخصیت تھا اس نے سخت اقدامات کئے۔ اس نے ایک فرمان ۳۸۱ء میں جاری کیا جس سے ''مسماری اور لوٹ مار کی ہوا چل پڑی'' حالانکہ تھیوڈوسیئس نے صراحت سے بے دینوں کے معبدوں کو ڈھانے کا فرمان نہیں جاری کیا تھا۔ راہبوں اور مذہبی انتہا پسندوں کے گروہ درگروہ ان قوانین کی شہ پا کر دیہی علاقوں میں گھومتے عمارتوں کو مسمار کرتے اور اس طرح جیسے پیپلز ریپبلک آف چاینا کے ریڈ گارڈز نے کلچری انقلاب کے دوران میں کیا تھا۔ سکندریہ میں سیراپس کا معبد جس کی وجہ شہرت یہ تھی کہ وہ دنیا کی سب سے خوبصورت عمارت تھی اسے مسمار کر دیا گیا۔ اس آگ کو جسے ویستا دیوی کی کنواریوں نے جلایا اور دہکایا تھا جو صدیوں سے جل رہی تھی یہ سب سے زیادہ قابل احترام مسلک تھا اسے بجھا ڈالا گیا اور سینٹ کے اوپر فتح کا نشان ہٹا دیا گیا۔ یہاں تک کہ اولمپک کھیلوں کو جنہیں گیارہ سو برس سے زیادہ عرصے سے منعقد کیا جا رہا تھا انہیں چوتھی صدی عیسوی کی آخری دہائی میں حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا کیونکہ ان کا بے دین طرز عبادت سے گہرا واسطہ چلا آ رہا تھا۔ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ کلاسیکل بے دینی (Paganism) کی موت تھوڈوسیئس کے عہد میں ہوئی۔

تھیوڈوسیئس نے ۳۹۰ء میں ایک پر انتقام فرمان بھی جاری کیا جس میں ہم جنس پرستی

کی مذمت کی گئی تھی۔ (توام شہنشاہوں والنٹینین۔II اور آرکاڈیس اس اعلان میں تھیوڈوسیس کے ہم نوا تھے لیکن چونکہ والنٹینین ۱۹ سالہ نوجوان تھا جب کہ آرکیڈیس صرف تیرہ سالہ تھا۔ ہم بہ حفاظت اس خیال کا محرک عمر رسیدہ کو ٹھہرا سکتے ہیں) اگر چہ اس کی زبان کم مبہم اور ادبی ہے بمقابلہ مجریہ ۳۴۲ء کے۔ اس میں لفاظی بھی ویسی ہی ہے اور مردانہ جذبہ بے پایاں۔ تاہم اب اس کی صورت ایک سیاسی مسئلے کی بن چکی ہے۔ زنانہ پن سے سلطنت کمزور ہوگی اور یہ رومی روایات سے سینہ زوری ہے۔

مذکورہ فرمان دوشکلوں میں مرورزمانہ سے بچ کر ہم تک پہنچا ہے۔ قدیم اور زیادہ بڑا نسخہ ایسا رسالہ ہے جو علمی مقالے کی صورت میں بچ گیا جس کا نام (موسوی اور رومی قوانین کا موازنہ) ہے جس کا مقصد ممکن ہے مسیحی راہب طبقے کو رومی قوانین کی تعلیم دینا ہو۔ اسے اس طرح مرتب کیا گیا تھا کہ جو شخص انجیلی ضابطوں کو نافذ کرنا چاہے تو رومی قوانین کو اسی طرح کیسے استعمال کرے۔ عنوان۔ ۵ جو ''مکروہات کے متعلق ہے'' یوں شروع ہوتا ہے حوالہ احبار (۲۰:۱۳) موسیٰ کہتا ہے: ''اور اگر کوئی مرد سے صحبت کرے جیسے عورت سے کرتے ہیں تو ان دونوں نے نہایت مکروہ کام کیا ہے سو وہ دونوں ضرور جان سے مارے جائیں، ان کا خون ان ہی کی گردن پر ہوگا۔'' پاولس کے فقرے پیش کرنے کے بعد جس میں ایک آزاد مرد کی جبراً گانڑ ماری گئی جس کی سزا موت ہے اور گانڈووں کی مذمت کر کے یہ کہا کہ وہ اپنی آدھی جائیداد سے محروم کردینے چاہئیں، مصنف تبصرہ کرتا ہے ''یہ بے شک روم کا قانون ہے۔ لیکن شہنشاہ تھیوڈاسیس کا آئین موسیٰ کے قانون کی روح کی پوری طرح پیروی کرتا ہے۔ تاہم چونکہ فرمان مجریہ ۳۹۰ء ہم جنسی پرستی کے رشتوں میں فاعل مرد کے متعلق کچھ نہیں کہتا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ سزائے موت کے پورے معنی قبول کرلیں یعنی ''پورا کا پورا'' جیسا کہ کونی پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

چونکہ لفظ (Collatio) کے ترجمے نمایاں حد تک مختلف کیئے گئے ہیں بہترین راہ یہ ہوگی اگر ہم اس کے لغوی معنی لیں اگر یہ بے ڈھب ہوگا تو اس کا مسخ لاطینی ترجمہ شہنشاہوں کا ویلنٹینین، ہوگا۔ تھوڈویس اور آرکیڈیس سے لے کر اورنٹیس جو شہر روم کا نایب السلطنت تھا۔ ہم مصایب نہ جھیلیں گے پیارے اور محبوب اورنٹیس، کہ شہر روم جو تمام نیکیوں کی ماں

ہے کومزید شرمناک زنانہ پن کے زہر سے مزید مسموم کیا جائے۔اور یہ بھی کہ ہمارے قدیم پرکھوں کی اجڈ طاقت کو ایسے لوگ نحیف بنانے پر تلے ہوئے ہیں جو زنانہ پن سے خود ہی کمزور ہو چکے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ دو معاملات کی سرزنش کریں یعنی بانیاں سلطنت کی اور موجودہ حکومت کی۔ جب کہ یونانیوں کے خیال میں مردوں کے مابین ہونے والے عشق سے فوجی جرأت پیدا ہوتی ہے رومی یہ سمجھتے ہیں کہ اختیاری ''زنانہ پن'' جو اغلامی میں پیدا ہو جاتا ہے یہ قوم کی مردانگی کے لئے ایک خطرہ ہے۔اس سرنامے کے بعد ایک اور ہدایت نامہ جاری ہوتا ہے۔

> اس لئے تمہارا قابل تعریف ہنر ان تمام لوگوں کو سزا دے گا جن کی مجرمانہ سرگرمیاں ایسی ہیں جو مردانہ جسم کی مذمت کرتی ہیں اور اسے مخالف جنس کے لئے پسندیدہ بنا دیتی ہیں (یہ بدل کر بہ ہر صورت نسوانی ہو جاتی ہیں) اور انہیں اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔اور جیسا کہ ان کے جرم کی سنگینی تقاضہ کرتی ہے۔اور انہیں دھکیل کر (حالانکہ بتاتے ہوئے شرم آتی ہے) مردانہ چکلوں میں پہنچا دیتی ہے۔ یہ انہیں عوام کی نظر میں منتقم شعلوں کی مدد سے پاک کر دے گی۔ یوں وہ سمجھ لیں گے کہ مرد روح کو متبرک رہنا چاہیے۔اور بغیر ایسا شدید جرمانے بھگتے کیا وہ ڈھٹائی سے اپنی ہی صنف کی ملامت کریں گے۔

یہ لفاظی پر مبنی اعلانیہ کسی حد تک سابق فرمانوں سے زیادہ صاف اور صریح ہے۔۔۔
اس کے باوجود ہم سوچنے لگتے ہیں کہ ان سزاؤں کا کون سزاوار تھا جس میں موت کی سزا، آگ سے دی جاتی ۔ ہم نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہ لفاظی فحبگی کے کاروباری پہلو سے بے اعتنائی کرتی تھی لیکن اس کا زور سراسر اس پر ہوتا کہ اغلامی کی مذمت کی جائے۔اور تھیئس نے خصوصاً یہ احکام جاری کئے کہ مرد طوائفوں کو پکڑ لیا جائے لیکن آیا وہ یہ چاہتا تھا ان کی گرفتاریوں کو محدود کر کے اس طبقے تک رکھے یا پھر انہیں صرف اس لئے حراست میں لیا جائے کیونکہ یہ آسانی سے شناخت میں آنے والے مجرموں میں سے تھے اور یہ بات واضح نہیں ہے۔

جب کہ یہ بات غیر یقینی ہے کہ فرمان ۳۴۲ کو کب نافذ کیا گیا۔لیکن غالباً یہ معلوم ہوتا

ہے کہ تھیوڈوسیئس کا فرمان ۳۹۰ء تک نافذالعمل ہو چکا تھا جب شاہی حکومت زور شور سے مسیحی شرعی احکام کی خلاف ورزیوں پر داروگیر کررہی تھی چکلوں میں بیٹھنے والے مردوں کی پکڑ دھکڑ کہیں آسان ہوتی بہ نسبت ان کے جونجی طور پر غیر تجارتی بنیاد پر کام کرتے ۔ ان بدنصیبوں میں سے چند ایک تو بلّی سے باندھ کر جلا بھی ڈالے گئے تاکہ نومسیحی عوام کی بصیرت کو جلامل سکے۔ کیونکہ ان سب کا تعلق سماج کے سب سے نچلے طبقے سے اور یہ سماج کے سب سے زیادہ ذلت کے مارے لوگ ہوتے تھے۔ انہیں کسی ہمدردی کی توقع نہ ہوتی۔

اگر ہم ۳۹۰ء کے سال کو مغربی قانونی رویوں کی تاریخ کا نازک سال مان لیں جو ہم جنس تعلقات پر مبذول ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کلاسیکل عہد کی رواداری سماجی زندگی میں ناپید ہوکر رہ گئی ۔ فطرتاً ہم یہ پوچھ سکتے کہ بے دین اکثریت نے نئی داروگیر کی پالیسی سے نمٹنے کے لئے کیا حکمت عملی اختیار کی تھی۔ ایک مشہور واقعہ تو یہ بتاتا ہے کہ نئے پیمانوں کے مطابق چلنے میں لوگوں میں آمادگی نہایت معمولی تھی۔ شمالی یونان کے شہر تھیسالونیکا میں جو بغاوت ۳۹۰ء میں برپا ہوئی۔ گبن اس کی وضاحت سے تفصیلات ''ڈیکلاین اینڈ فال'' میں بیان کرتا ہے۔

تھیسالونیکا میں ہونے والی بغاوت کا سبب ایک نہایت شرمناک واقعہ تھا۔ اور جس کے نتیجے میں نہایت مہلک نتائج ظہور پذیر ہوئے۔۔۔ بوتھیرک جوتھیوڈوسیئس کی فوج کا سپہ سالار تھا۔۔

> اس کے غلاموں میں ایک خوبصورت لڑکا بھی تھا۔ جس نے رتھوں کے گلہ بانوں میں سے ایک شخص کی نجس خواہشات کی آگ کو بھڑکا دیا۔ سپہ سالار بوتھیرک کے حکم پر سینہ زور اور مایل بہ تشدد عاشق کو قید میں ڈال دیا گیا۔ اور اس نے لاتعداد لوگوں کے بجد غوغا کو سختی سے مسترد کر دیا جنہوں نے عوامی کھیلوں کے دن اپنے منظور نظر کی غیر حاضری پر سینہ کوبی کی۔ ان کی نظر میں رتھ بان کی مہارت ایک ایسی شے تھی جو نکوکاری پر فوقیت رکھتی تھی۔۔۔ بوتھیرک اور اس کے اہم ترین افسران کو غیر انسانی طریقے سے قتل کر ڈالا گیا۔ ان کی مسخ شدہ لاشوں کو گلی کوچوں میں گھسیٹا گیا۔ اور شہنشاہ جوان دنوں میلان میں رہائش رکھتا تھا وہ اہل تھیسالونیکا کے لوگوں

کی گستاخی اور شری سفا کی پر دنگ رہ گیا۔

گبنؔ بڑی وضاحت سے کہتا ہے کہ اہل تھیسالونیکا کے لوگوں نے رتھ بان کے روییے کی اس سنجیدگی سے مذمت نہ کی جیسی کہ تھیوڈوسیئسؔ کے گورنر نے کی تھی۔ لیکن تھیوڈوسسؔ نے بوتھیرکؔ کے قتل کا خوفناک انتقام لیا۔ اس نے اہل تھیسالونیکا کو کھیلوں کے اکھاڑے میں شرکت کی دعوت دی پھر ان کا سپاہیوں سے محاصرہ کرایا جنہوں نے تماشایوں ،شہریوں اور معمول کی سیاحت پر آنے والوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا۔ ایک روایت کے مطابق مقتولین کی تعداد ۷۰۰۰ تھی اور دوسری روایت کے حساب سے پندرہ ہزار۔ اس کارنامے کا حکم دینے پر جس نے سلطنت کو جڑ سے ہلا دیا تھیوڈوسیئسؔ کو میلان کے کیتھ ڈرل میں سینٹ امبروز کے سامنے اعتراف گناہ کے ساتھ کفارہ ادا کرنا پڑا۔

کونسٹانٹیئسؔ اور کونسٹانسؔ کے مجسموں کے پہلو بہ پہلو تھیوڈوسیئسؔ کے قانون کو بھی جگہ ملی جسے نام نہاد تھیوڈوسیئسؔ کوڈ کہا جاتا ہے۔ یہ اہم کوڈ تھیوڈوسیئسؔ کے پوتے تھیوڈوسسؔ دوم کے عہد میں ۴۳۸ء میں جاری ہوا۔ اسی لئے اس کا نام تھیوڈوسسؔ سے مشتق ہے۔ لیکن قانون مجریہ ۳۹۰ء کا ظہور تو ایک دلچسپ نظر ثانی کے ذریعے ہوا۔ مولفین نے تھیوڈوسسؔ کے فرمان کے کچھ حصے کا حوالہ دیا، صرف ایک تہائی کو لے لیا اس کی صرف ونحو بدل ڈالی اور ایک عبارت بدل دی۔ یہی ان کا بیان ہے جو بہ صورت کوڈ، جدید معیاری انگریزی ترجمہ میں دستیاب ہے۔ وہ تمام افراد جن میں کسی مرد کے جسم کے کسی حصے کی مذمت کرنے کی قبیح عادت ہے یا پھر وہ کسی عورت کے جسم کے کسی حصے کی نقل کرے جس سے کسی اجنبی بدن کی جنس کی مخفی رضامندی لگے (کیونکہ وہ عورتوں سے کسی حال میں مختلف نہیں نظر آتے) تو وہ اس قسم کے جرم کا کفارہ بھرے مجمع میں منتقم شعلوں میں کود کر دیں گے۔ نظر ثانی مسودہ جس میں سے قحبہ گری کے ہر حوالے کو حذف کر دیا گیا اب بڑی وضاحت اور غیر مبہم انداز میں تمام کونیوں کو موجب سزا ٹھہرا کر آگ میں ڈال کر موت کے گھاٹ اتارنے کا حکم دیتا ہے۔

سدوم کی ماہیت قلب:

ہم جنس پرستی کا ہوّا ابتدائی مسیحیت میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا جس کا سبب بائبل کی تفسیر تھی یعنی سدوم کی کہانی کی نئی تشریح۔ جب کہ تالمود کے ماننے والوں نے مہمان نوازی سے بچنے والوں کو گناہ گار ٹھہرایا تھا اور ان کی رعونت کا سبب دولت کو ٹھہرایا تھا۔ ازیکل، مسیحؑ اور تالمود کے پیروکاروں نے مہمان نوازی سے جان چرانے، دولتمندی سے پیدا ہونے والی رعونت اور اہل سدوم کا اجنبیوں اور غریبوں سے روکھا برتاؤ۔ پیدائش۔۱۹ میں درج فرشتوں کی جبراً گانڑ مارنے کے خطرے کے باوجود تباہی کا منتظر شہر ابتدائی یہودی روایت میں جنسی مادر پدر آزادی سے منسوب کیا جاتا تھا اور نہ ہی ہم جنس پرستی سے اب اسے بدلنا تھا۔

شیرون بیلی نے یہودی مذہبی کتابوں میں شہر سدوم کا مطالعہ نہایت احتیاط سے عبرانی بائبل کے بعد کیا ہے۔ ایروکریفا کی کتب میں (قدیم اور جدید یونانی مسودات جو کیتھولک بائبل کا بھی حصہ ہیں) جیسے سلیمانؑ کی فہم و فراست اور غیر مستند چیزیں۔ جس میں سدوم کے گناہ اب بھی وجہ افتخار ہیں اور غیر ملکیوں سے بدسلوکی۔

حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کے شکوک یہودی متون (یونانی مسودات" جو ۲۰۰ ق م سے ۲۰۰ ء تک کے ہیں" کو باور کرانے کے لئے کہ قدیم عہد نامہ کی آبرودار عبارتیں جو درحقیقت غیر قانونی ہیرا پھیری کے زمرے میں آتی ہیں) شہر سدوم کو کبھی کبھی جنسی بداطواری سے منسوب کر دیا جاتا ہے مگر قدرے مبہم طریقے سے جس کا اشارہ دوری پر واقع ہم جنس پرستی سے ہوتا ہے اگر یہ واقعی کوئی چیز ہے تو بیلی نے اپنی پہلی تحقیق میں یہ شناخت کیا کہ سدوم نام کا ایک شہر بھی ہے جس میں ہم جنس پرستی کا راج ہے جو فیلو کا On Abraham ہے۔

اپنے پرکھوں کی طرح فیلو سدوم میں پائی جانے والی بے انصافی کا سبب دولت بتاتا ہے۔ لیکن جہاں اہل شہر کو تو ال کو قیمتی اشیا کا ذخیرہ کرتے اور غریبوں کو نظرانداز کرتے ہوئے پاتے ہیں تو تارک الدنیا فیلو سب سے زیادہ پر تعیش خوش ذایقہ خوراک اور جنسکاری

کی ملامت کرنے لگتا ہے۔ اس کا تبصرہ زیادہ شگفتہ ہوتا ہے اگر خیرہ کن تخیل سے محسوس کیا جائے۔ ہمیں چاہیے کہ تفصیل سے پیش کریں۔

> سدومیوں کی سرزمین۔۔۔ متعدد ناانصافیوں سے بھری ہوئی تھی بالخصوص وہ جنس شہوت اور بسیارخوری جنم دیتی ہے۔۔۔ باشندوں میں یہ انتہاپسندی ان کی دولت کے طفیل ہے کیونکہ اس کی جڑیں گہری اور اس کی آبیاری اچھی طرح ہوئی ہے۔ یہاں کی دھرتی ہر سال ہر قسم کے پھلوں کی فراواں پیداوار دیتی ہے اور برایوں کے شروع ہونے کی سب سے بڑی وجہ جیسا کہ کسی نے برمحل کہا ہے کہ اشیا کی فراوانی ہے۔ وہ اس شکم سیری کو برداشت نہیں کرپاتے۔۔۔ یوں وہ اپنی گردن میں سے قانون فطرت کو اتار پھینکتے ہیں اور خود کو نشہ آور شراب پینے میں مبتلا کرلیتے ہیں اور نفیس خوراک اور ممنوع قسم کی جنسکاری میں پڑ جاتے ہیں۔ نہ صرف عورتوں کی ہوس کی وجہ سے اپنے ہمسایوں کی شادیوں کو ملیا میلٹ کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کرتے ہیں کہ آدمی کو چڑھی دیتا ہے اور وہ جنس کی نوعیت کو خاطر میں نہیں لاتا جب کہ مارنے والا مرانے والے کا حصہ دار نہیں بنتا۔

یہ آخری معاملہ تھا جسے مسیحیت کے نئے شارحین لے اڑے اور صدیاں گزرنے کے ساتھ اضافہ ہوتا رہا۔ مسیحی اخلاقیات کے لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہم جنس پرستی کا گناہ اہل سدوم سے مخصوص ہے۔ نتیجے میں ''سدومی'' کے یہ معنی لیے جانے لگے بنیادی طور پر ایک ہی جنس والوں کے درمیان تعلقات اور اگر کوئی ہم جنس پرستی کے رویوں میں ملوث ہوا تو سیدھا سیدھا اور خلیائی طور پر ''کونی'' ہوگیا۔ اس نئی تشریح کا نتیجہ خیز اثر ہوا اور بالآخر سدوم کی تباہی کا ایک نادر سبب ہم جنس پرستی بن گئی اور اس کے بعد ہر اس سماج کے لئے خوفناک خطرہ اگر اس نے ذراسی بھی حمایت کی۔ عبرانی صحیفوں کے خوف کے مارے ہوئے اور مسیحیوں کے اوہام نے مل کر ایک ہسٹیریائی خوف پیدا کردیا جس نے اس بے رحمی کے لئے گنجائش پیدا کردی۔

پیش رفت ہونے میں وقت لگا اور یہ سب کچھ مسیحی عہد میں قدم بہ قدم ہوتا رہا۔ سکندریہ کا کلیمنٹ تیسری صدی کے آغاز میں فیلو کے نقش قدم پر چلتا ہوا اغلام بازوں کی

صفات بتاتے ہوئے یہ تعیش پسند، شادی شدہ ہوکر جنسکاری کرنے والے اور اپنے ہوس کے مقاصد کے لئے شوق کے گھوڑے پر سوار ہتا ہے تاہم مزید اہم دو بااثر فادرز کے یہ خیالات ہیں جن کا تعلق لاطینی اور یونانی چرچ سے تھا یعنی سینٹ آگسٹائین، جوشمالی افریقہ میں اسقف اور سینٹ جون کرای سوسٹوم جسے آنے والے زمانے میں مشرقی چرچ قسطنطنیہ میں اسقف اعظم کا عہدہ سنبھالنا تھا۔

خدا کے شہر (۴۱۲ء) میں آگسٹائین فیلو کی پیروی کرتا ہوا سدوم کوایک مقام قرار دیتا ہے ''جہاں دو مردوں کے درمیان جنسی تعلقات رکھنا اتنی عام بات تھی کہ اسے قانون کی طرف سے اسی طرح پروانہ مل جاتا جیسے قانون عموماً دوسرے کاروبار کو جاری کردیتا۔'' آگسٹائین کا فیصلہ کن کردار جو مغربی مسیحی رویوں پر خصوصیت سے جنسیت پر مرتسم ہوئے انہیں ہر جانب تسلیم کیا گیا۔مگر لاطینی فادرز کے متعلق آگسٹائین بالکل بلاواسطہ بولتا ہے اور جنسیت کے متعلق تو صاف صاف، پہلے تو ذاتی معاملات کی صورت میں بطور اعترافات اور پھر فلسفیانہ انداز میں کتاب ''خدا کے شہر میں'' اس کی نظر میں نفسانی خواہش کے معنی ہیں ''حوا کے لئے آدم کی ہوس'' جو گناہ عظیم تھا جس نے انسانیت کو دائمی عتاب کا شکار بنادیا۔ لیکن ادھیڑ عمر آگسٹائین نے میسیحیت پر نثار ہونے کے بعد جنس کی کیوں ملامت کی جب کہ بطور نوجوان آگسٹاین بڑا شناور تھا۔اس کی جنسی طاقت زمانہ بلوغت ہی سے بہت زوردار تھی اس لئے وہ متعدد مرتبہ عارضی تجربات میں ٹکھایوں سے بھی متمتع ہوا۔ وہ شمالی افریقہ کے شہر تھاگاستے میں پیدا ہوا۔ اس نے کارتھیج میں تعلیم حاصل کی جہاں پر اس نے اپنی تصنیف ''اعتراف'' میں یہ کہا کہ میرے چاروں جانب ناجائز عشق کی دیگیں چڑھی ہوئی تھیں۔

کم ازکم ان میں سے ایک عشق جس میں ایک جذباتی پہلو بھی رکھتا تھا لگتا ہے ہم جنس پرستی پر قائم تھا۔اگر چہ آگسٹائین صرف بالواسطہ طریقے سے اپنے محبوب کی جنس ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح اعتراف کے باب۔۳ میں وہ کہتا ہے ''میرے لئے یہ سب کچھ شیریں تھا کہ عشق کروں اور کوئی مجھ سے عشق کرے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ہو کہ میں معشوق کا جسم ٹٹولوں اور لطف اندوز ہوں۔ میں نے اسی لئے دوستی کے چشمے کے پانی کو

گدلا دیا ہے اور اس میں شہوت کو ملا دیا ہے۔ میں نے اس کے دھارے کو ہوس کے جہنم سے مٹیالا بنا ڈالا اور اس کے باوجود یہ بدنیتی اور غیر اخلاقی بات ہے میں اپنی بڑھی ہوئی خودنمائی میں، میں شہر میں یوں نکلتا جیسے کوئی خوش وضع شخص طمطراق سے گامزن ہو۔ میں تو سر کے بل عشق میں کود پڑا جس میں میری نیت یہ تھی کہ خود بھی عشق میں گرفتار ہو جاؤں۔ ۔۔میرے عشق کو جواب بھی ملا اور کسی کو سن گن ملے بغیر مجھے بھی وہ نشہ چڑھ گیا جو نو گرفتار عشق کو ہوتا ہے۔ آگسٹائن جب ''دوستی'' کا حوالہ دیتا ہے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ معشوق مرد تھا۔ اس سماج میں ایک چودہ پندرہ برس کے لڑکے کا کسی اپنی ہی عمر کی لڑکی سے میل ملاقات خواب وخیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ کتاب اعتراف کے باب ۔۴ اور فصل ۔۴ میں ہم رومانی معاملے کے ختم ہونے کی روداد سنتے ہیں۔ لڑکا جس کا وہ ذکر کرتا ہے اس دوستی کے بعد راہی ملک عدم ہو جاتا ہے۔ ''اس نے بہ مشکل عاشقی کا ایک برس گزارا ہوگا۔ یہ میرے لئے اس قدر شیریں تجربہ تھا جتنا میں نے اپنی زندگی میں کبھی مٹھاس نہ محسوس کی تھی۔'' آگسٹائن اپنے نقصان کی کس دردناک انداز میں روداد بیان کرتا ہے۔ ''میرا وطن مالوف میرے لئے اذیت خانے میں بدل گیا اور میرا آبائی گھر ایک اجنبی مقام جہاں رنج والم کا بسیرا ہو، میں نے اس کی رفاقت میں جو کچھ تبادلہ کیا تھا وہ سب بدل کر سخت باعث آزار بن گیا۔ آگسٹائن پر اس معاملہ عشق نے تاہم کوئی دیرپا اثر نہیں ڈالا اور نہ مذہب کی تبدیلی کے بعد اس کے دل میں مردانہ عشق کے متعلق کوئی ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوا۔ اگرچہ وہ اسے تسلیم کرنے کو تیار تھا کہ ایسے بزرگ جن کا نام آیا ہے ان میں سے چند عمدہ چال چلن والے اور باقی بدچلن بھی ہو سکتے ہیں یہ سب کچھ زمانے اور خطے پر منحصر ہے۔ وہ اس پر ایمان رکھتا تھا کہ ایک ہی جنس کے درمیان رشتہ رکھنے والوں کو بلا علاقہ اور خطے کی قید کے سزا دی جانا چاہئے۔ ''یہاں تک کہ اگر پوری نوع انسان بھی اس علت کا شکار ہو جائے تو ان سب پر وہی ملامت ہوگی اور انہیں احکام ربانی کے تحت سزا ملے گی۔ کیونکہ خالق نے مردوں کو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ اس طرح ایک دوسرے کو استعمال کریں۔ بلاشبہ وہ سماجی بندھن جو خدا اور ہمارے درمیان میں ہے اس میں رخنہ پڑ جاتا ہے جب اس فطرت کو جس کا وہ خالق ہے۔ بے راہ روی کی ماری جنسی ضرورت پوری کرنے سے ہر چیز مسموم ہو جاتی

ہے۔اس طرح قرون وسطی کے تصورات پر مبنی بیان کہ ہم جنس پرستی خالق عالم سے سینہ زوری کرنا ہے اور یہ ایک قسم کا گناہ کبیرہ ہے۔

سینٹ جون کرائی سوسٹوم:

آ گسٹائین ایک ماہر فقہ اور اخلاق کا فلسفی تھا جو آزاد ارادہ اور گناہ کے اصل پر غور کیا کرتا۔اس کا ہم عصر جون کرائی سوسٹوم تمام خوبیاں رہیں ایک طرف ایک مبلغ تھا جس کا منشا یہ تھا کہ لوگوں کو چونکا یا جائے اور دہشت زدہ کیا جائے۔(اس کا لقب ''کرای سوسٹوم، کے معنی طلائی منہ ہے)۔وہ انیٹوچ میں پیدا ہوا وہ بطور تارک الدنیا شخص کے صحرا میں مقیم تھا جہاں سے جب رخصت ہوا تو راہب بن کر نکلا اور اپنے وطن میں ۳۸۶ء میں لوٹ آیا۔ وہ قسطنطنیہ کا اسقف اعظم کہلایا۔وہ ایسی آتش بیانی کرتا اور اس فصاحت سے بولتا کہ مجمع تواتر سے تالیاں بجا کر اس کی تقریر میں خلل ڈالتا۔حال ہی میں یعنی اٹھارویں صدی تک پیٹر اعظم جو زہد کے معاملے میں خود بھی مثالی آدمی نہ تھا۔اس نے حکم جاری کیا کہ تمام راسخ العقیدہ راہبوں کو چاہیئے کہ اس کی تصنیفات کا مطالعہ کریں اور اپنے پاس رکھیں۔اسے یونانی فادرز میں سب سے زیادہ اثر ونفوذ والا مگر اس کا درجہ صرف آ گسٹائین کے بعد آتا ہے جہاں تک پوری میسیحیت پر اثر ونفوذ کا تعلق ہے۔کرای سوسٹوم بڑا جری انسان تھا جس کی ملکہ پر برملا تنقید کا بلآخر یہ نتیجہ نکلا کہ اسے شہر بدر کر دیا گیا اور اس کی موت صحرا میں ہوئی لیکن اس کی خطابت میں جو بغض و بیر تھا وہ صرف امیروں اور صاحبان اقتدار ہی کے خلاف نہ ہوتا۔دیگر لوگ بھی اس کے منبر سے ٹوٹنے والے قہر کے تازیانے کی چوٹ محسوس کرتے خصوصاً یہودی جن کے لئے اس کے دل میں خصوصی نفرت تھی۔یہ بھی درست ہے کہ اس کے خطبات تاریخ کے ایسے عہد کے متعلق ہیں جو صیہونیت دشمنی کا ہے۔ان آٹھ خطبات میں جو اس نے میسیحیت کو یہودیت میں رنگنے کی مساعی پر دیے ہیں اور جنہیں اس نے انیٹوچ میں ۳۸۷ء میں دیے تھے۔کرائی سوسٹوم نے یہودیوں کی اعلانیہ مذمت کی جو ''عیاش، چلبلے'' لذت کے جویا، حریص، عادی نشہ باز، طوایف پیشہ اور قانون شکن۔اور ان

کی یہ کہہ کر مذمت کی کہ یہ قاتلوں میں سے ہیں جن میں۔ ''پیغمبران ، مسیحؑ اور خدا شامل ہیں۔'' سینٹ جون کرائی سوسٹوم بقول ایک جدید مبصر کے'' اپنے زمانے تک اس کا کوئی ہمسر نہ تھا نہ ہی پورے ادب میں Adversus Judaeos کا کوئی ہم پلہ۔ اس کے جملے زہر میں بجھے ہوئے ہیں اور حیران کن ایسے عہد میں جب زبانی تبصرہ بازی میں دھڑلے سے شریک ہوا جاسکتا تھا۔'' جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے اس کی تبلیغ کے اثرات ''نہایت ڈراؤنے نتائج کا باعث ہوئے نہ صرف اہل کلیسا پر اور اس زمانے کی آبادی پر بلکہ بعد میں آنے والی صدیوں پر۔ ایک اور کیتھولک عالم دین نے کرائی سوسٹوم کے ملفوظات کا جدید چرچ کے نقطہ نظر سے جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ انہیں ویٹیکن۔۲ کے ''چرچ کے اس اعلان پر جس میں غیر مسیحی مذاہب سے کیا رویہ رکھا جائے۔'' '' کیونکہ اس کے معروضی اور غیر مسیحی افعال کے لئے اسے معاف نہیں کیا جاسکتا چاہے وہ سب اسی کے زمانے کی کارستانی ہو۔''

لیکن یہودیوں کا وجود اور عیسائیوں کو یہودیت میں رنگنے کا سلسلہ کوئی نادر واقعہ نہ تھا جس پر کرائی سوسٹوم انٹوچ میں اپنے بارہ سالہ تبلیغی قیام میں چابک زنی کرتا رہا۔ اگر اس نے صیہونیت دشمنی کو کوئی خصوصی ٹھوکا دیا۔ اس کے متعلق ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسے اس معاملے میں یکتائی حاصل ہے جو اس نے ہم جنس پرستی سے نفرت پیدا کرنے میں خدمات انجام دیں۔ چرچ کے کسی اور فادر کے مقابلے میں اس نے کہیں زیادہ کہا، وہ بغیر پسیجے ہوئے محنت کرتا رہا یوں خوف اور تعصب پیدا کرتا رہا۔ اپنے ایک وعظ میں جو وہ ٹائیٹس کے انجیلی خط پر کر رہا تھا، اس نے مسیح سے پہلے والی بے دین دنیا پر لعنت ملامت کی کیونکہ وہ قتل و غارت گری، بے شادی کی جنسکاری اور ''لڑکوں کے عشق'' میں ڈبکیاں کھاتی رہتی جس میں وہ نہ صرف یونانی خداؤں پر حملہ کر رہا تھا بلکہ ان کے قانون سازوں اور فلسفیوں پر بھی برس رہا تھا جن میں سولون اور اس کے بعد کے سب ہی شامل تھے۔ اپنی عالمانہ گفتگو میں جو اس نے Against The Greeks میں کی تھی، وہ سقراط اور افلاطون کو بھی نہیں بخشتا اور انہیں لونڈے بازی کے لئے مورد الزام ٹھہراتا ہے جو قابل احترام ہیں اور فلسفے کا جزو ہیں۔

اپنے کسی ابتدائی مضمون ''خانقاہی زندگی کے مخالفین کے خلاف'' میں کرائی سوسٹوم والدین سے ملتجی ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو خانقاہوں میں بھیج کر اس بدی سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ایسا کر کے وہ سماجی زندگی کی تصویر کشی کرتا ہے جو یہ بیان کرتی ہے کہ چوتھی صدی کے انیٹوچ میں جب مسیحیت بے دینی پر حتمی فتح سے لطف اندوز ہو رہی تھی تو نئی روایات کے خلاف اختلافات کا چہار جانب زبردست چرچا تھا۔

ایک نئی (!) اور بے لگام ہوس نے ہماری زندگی میں ایک اور بھیانک اور نا قابل علاج بیماری ہم پر نازل کر دی ہے یہ ایسا طاعون ہے جو دیگر تمام طاعونوں سے زیادہ خطرناک ہے مگر ہم سے لپٹ گیا ہے۔۔۔سرعام چدائی تو لگتا ہے جیسے ہر نوعیت کی ناپاکی کے مقابلے میں کوئی معمولی سا جرم ہو۔۔۔اور یوں لگتا ہے جیسے عورتوں کی ذات اب نوجوان لڑکوں کی وجہ سے ان لئے بے مصرف ہو چکی ہے کیونکہ انہوں نے ہر سرگرمی میں ان کی جگہ لے لی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس حقیقت کے سامنے اتنی بھیانک نہیں ہے جیسی کہ یہ معیوب حرکت جو بے خوف و خطر اور لاقانونیت کے ساتھ انجام دی جاتی ہے۔ جیسے یہی قانون ہو۔کوئی بھی ہراساں نہیں لگتا اور نہ ہی کوئی کانپتا ہے اور نہ کوئی شرماتا ہے۔۔۔ اور نہ ہی عدالتوں سے کسی فائدے کی امید ہے۔ یہ حروف لگ بھگ ۳۸۰ء میں لکھے گئے ہیں۔اس میں اس بلوے کا بھی ذکر ہے جو تھیسالونیکا میں کوئی دس سال بعد پھوٹ پڑا تھا وہ یہ بتاتا ہے کہ ایک مقبول مزاحمتی تحریک چلی جو چرچ کی جانب سے نئی اخلاقیات نافذ کرنے کے خلاف تھی۔ (بعد کی صدیوں میں ستم ظریفی دیکھئے یہی خانقاہیں ایسے مدرسوں میں بدل گئیں اور ہم جنس پرستی کی ہوس کے مرکز بن گئے ''جنہیں پروٹسٹنٹ مناظر اور اہل کلیسا کے مخالفین طنز و مذاق کا نشانہ بناتے ۔ جیسے والٹیر۔)

کرائی سوسٹوم نے ہم جنس پرستی کو نہ صرف سدوم کا امتیازی نشان بنا دیا بلکہ اسے ایک نادر گناہ بھی۔ اگر کوئی جہنم پر ایمان نہیں رکھتا تو اسے ذہن میں معدوم رکھنا چاہیئے اسے عمورہ پر توجہ دینا چاہیئے ایسا انتقام جو نازل ہوا۔۔۔تم یہ بھی چاہو گے کہ اس کا سبب بھی معلوم ہو

کہ ایسی چیزیں وہاں کیوں درپیش آئیں۔ یہ تو ایک گناہ تھا نہایت سنگین اس کے باوجود گنتی میں ایک ۔اس زمانے کے مردوں میں لڑکوں کے لئے جنون کی حد تک شوق تھا اور اسی کی وجہ سے انہیں اتنی بڑی سزا جھیلنا پڑی۔

انیٹوچ میں اپنی تعیناتی کی مدت میں کرائی سوسٹوم نے اہل روم کو انجیلی خطوط کے عنوان پر متعدد تبلیغی خطبات کا سلسلہ قائم کیا۔جس میں ایک پوری طرح اہل روم ۱:۲۶ سے منسوب کردیا۔ یہ خطبہ اپنے نتائج کے لحاظ سے جامع اور مع تفصیلات کے کلیسا سے منسوب اعلان ہے جو ہم جنس پرستی پر مسیحیت کی تاریخ کے پہلے ہزار سال میں جاری ہوا۔ جو آزاد خیال ہیں وہ ان مقدس خطوط میں ،کرائی سوسٹوم مردانہ عشق کی اعلانیہ مذمت میں انہیں ''عفریت''، ''شیطنیت''، ''قابل نفرت''، ''گھناؤنے'' اور حقیر کہتا ہے وہ لوگ جو یونانی عشق کے حمایت میں بولتے ہیں یہ انہیں ''قاتلوں سے بھی بدتر'' قرار دیتا ہے۔ کیونکہ کوئی ایسا نہیں ہے یقین مانئے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس سے زیادہ سنگین گناہ ہو بہ نسبت اس ہٹ دھرم لین دین کے۔ وہ چپٹی کھیلنے والیوں پر بھی حملہ آور ہوتا ہے اور پالؔ کی مبہم تحریر کو جو عورتوں کے متعلق ہے پڑھتا ہے ''فطری وضع کو بدلنا'' جو ایک بینّ حوالہ ہے' عورتیں جو عورتوں ہی کو بگاڑتی تھیں۔'' اس کے علاوہ وہ سامعین کو یقین دلاتا ہے کہ ''فطری'' چدائی میں زیادہ مزہ ہے بجائے اغلام بازی کے ہمیں یہ دیکھ کر اس پر بڑی حیرانی ہوتی ہے جب ایسا کٹر مذہبی درویش کس تبحر علمی سے بولتا ہے۔

کرائی سوسٹوم سزا کے مسئلے پر بھی اظہار خیال کرتا ہے وہ اس حد تک رومی قانون کی پیروی کرتا ہے جب تک اسے ہم جنس پرستی کی مذمت کرنا ہوتی ہے جس کی اہم وجہ یہ تھی کہ یہ صادر شدہ جنسی کرداروں کی خلاف وزری تھی لیکن جب سزا دینے کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ یہودیت سے مدد لے کر بذریعہ سنگساری موت کا حکم جاری کرتا ہے ۔ کیونکہ میں صرف یہ نہیں کہتا کہ تم عورت بن گئے ہو بلکہ یہ بھی کہ تم اپنی مردانگی بھی گنوا چکے ہو اور نہ تو تم اپنی فطرت میں کوئی تبدیلی لائے ہو اور نہ ہی اس کو محفوظ رکھ سکے ہو جسے تمہیں ودیعت کیا گیا تھا۔تم نے تو بیک وقت دونوں صنفوں سے غداری کی ہے اور حقدار ہو۔۔۔ کہ تمہیں شہر بدر کر کے سنگسار کیا جائے کیونکہ تم نے دونوں اصناف سے فریب کیا ہے۔ آخر کار وہ اپنے

محبوب نکتے کی وضاحت کرتا ہے کہ سدوم ایک قسم کا جہنم تھا جو مقبول سیاحوں کو اپنی جانب کھینچتا جن کے آتشیں قصے آج بھی فلسطین کے علاقے میں بھڑک رہے ہیں۔ ان سب سے اوپر ان وعظوں میں ہم جنس پرستی اب کہانی میں تفصیلات کا حصہ نہیں ہے جو شہروں کی کہانی ہے۔ جو شہر، پلین میں شامل تھے بلکہ تباہی کا سب سے اہم سبب تھی۔ ایک اور قدم کی یاد دہانی کی جاتی ہے کہ اس دینیاتی دہشت کو قانونی دہشت گردی میں بدل ڈالا گیا۔ یہ اقدام جسٹینین نے اٹھایا۔

جسٹینین کی ستم رانیاں:

جسٹینین جو ۵۲۷ء میں بازنطینی سلطنت کا شہنشاہ بنا وہ ایک بامراد اور توانا حکمراں تھا۔ اسے جنوں کی حد تک دینیات کی تعلیم کا شوق تھا اور مخالفت کو کچلنے میں بے حد سنگدل واقع ہوا تھا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے رومی قانون کی تالیف کرائی جو (Corpus Juris Civilis) یا جسٹینین کا کوڈ کہلاتا ہے۔ نئے شہنشاہ نے اس کام کا آغاز ۵۲۸ء میں کرایا حتمی اور مستند دستاویز کی صورت میں اس کی اشاعت ۵۳۴ء میں ہوئی۔ 'ڈائجسٹ' جو سابق منصفین کی آرا تھیں اور Institutes ایک دستی کتابچہ برائے طلباء ایک سال پہلے ہی شائع کیا جا چکا تھا۔

تمام سابق قانون سازیوں کو برطرف کر کے جسٹینین کا کوڈ مشرقی سلطنت میں اس وقت تک نافذ العمل رہا یہاں تک کہ قسطنطنیہ پر نو سو سال بعد ترکوں نے قبضہ نہ کر لیا۔ جب رومی قانون کو نئی حیات بولوگنا کی یونیورسٹی میں بارہویں صدی میں دی گئی جس میں عہد وسطی کے حکمرانوں کی ہمت افزائی بھی شامل تھی جن کا خیال تھا اس سے ان کے اقتدار کو استحکام حاصل ہوگا۔ مگر اس کا مغربی یورپ کے قانون پر اثر فایق ہوا۔ جس کے نتیجے میں رومی سلطنت میں قانونی روایات پروان چڑھیں اور ان ریاستوں میں جیسے اطالیہ، اسپین، پرتگال اور فرانس۔ اور بالآخر کالون کے پیروسکاٹ لینڈ میں بھی۔ اور اس کا زور نپولین کے زمانے تک رہا اور اسے سب سے زیادہ اس وقت اہمیت دی جاتی جب یورپ کے ہم

جنس پرستوں کی حیثیت متعین کرنا ہوتی اور یہ سب عہد وسطی سے چلتا ہوا نشاۃ ثانیہ اور اٹھارویں صدی تک قائم رہا۔

جسٹینین کا کوڈ تھیوڈوسین کے کوڈ۔ ۴۳۸ کی طرح کتاب قانون میں شامل کر دیا گیا جسے کونسٹانٹیٹس اور کونسٹاتس نے ۳۴۲ء میں نافذ کیا تھا۔ تاہم اس نے تھیوڈوسئیس کے قانون ۳۹۰ کو حذف کر دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس وقت اسے زاید از ضرورت سمجھا گیا۔ کیونکہ 'انستی ٹیوٹس' میں من مانے انداز میں Lexjulia کا اضافہ کرلیا گیا۔ یہ ایسا قانون تھا جو شادی شدہ افراد کا شادی کے ادارے کے باہر جنسکاری کرنے کے خلاف تھا جو آگسٹیس کے عہد میں منظور ہوا تھا جس میں ان لوگوں کے لئے موت کی سزا رکھی گئی۔ جو مردوں سے غیر قانونی جنسکاری کرتے ہوں۔لیکن اب اس ترمیم سے انسٹی ٹیوٹ، میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہوئی کہ موسوی قوانین کی پیروی میں مغلِم (فاعل) کو سزا دی جانے لگی اور مفعول ساتھی کو بھی۔

کیا اس نئی پیش رفت پر اکسانے کے لئے ہم جسٹینین کی ذات کو الزام دے سکتے ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کیونکہ ہمیں اب ایسی شہادتیں دستیاب ہیں جن کے مطابق جسٹینین نے ہم جنس پرستی کے جرائم کے خلاف نہایت جارحانہ انداز میں مردوں پر مقدمات قائم کئے اور اپنے اقتدار کے آغاز ہی سے اس کا یہ وطیرہ تھا۔ اگر چہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تھیوڈوسیس نے ۳۹۰ء سے ہی کونیوں کو سزائے موت دی ہوں۔ لیکن جسٹینین کا عہد تو ہمیں ناقابل تردید شہادت مہیا کرتا ہے کہ اس نے نئی نئی مسیحی یونانی دنیا میں کس طرح جان لیوا سزاؤں کو استعمال کیا۔ ایک عصری شہادت جو بازنطینی مورخ جان مالاس (۴۹۱ـ۵۷۸ء) کی ہے وہ ایک مختصر لیکن نہایت ناگوار ماجرا ہے جس میں ایک طویل آزار دہی کا واقعہ پیش آتا ہے وہ بھی جسٹینین کی وراثت کا مسئلہ طے ہونے کے ایک سال بعد۔ جب سب سے زیادہ شکار ہونے والے لوگوں میں ممتاز اہل کلیسا تھے۔

> اس وقت ڈالورز صوبوں کے اسقفوں کو اس لئے سزائے موت دی گئی کیونکہ وہ ہوس کے مارے مردوں کے ساتھ سوئے تھے۔ جن میں رہوڈز کے اُسقف یسعیاہ جو قسطنطنیہ میں نائلٹی Nycteparehes پارس رہ چکے تھے اور تھریس میں

ڈایس پولس کے سکندر بھی۔ جب انہیں شہنشاہ کے فرمان کے مطابق قسطنطنیہ لایا گیا اوران کا شہر کوتوال نے معاینہ کیا تو انہیں ان کے عہدوں سے محروم کرنے کے بعد سزا دی گئی۔ جب اس پر شدید تشدد ہو چکا تو یسعیاہ کو ملک بدر کر دیا گیا جب کہ دوسری جانب اس کا لوڑا قطع کر ڈالا گیا۔ جسے بعد میں نمایاں مقام پر گھورے پر رکھا گیا تا کہ عوام کی نظر پڑتی رہے۔ کچھ ہی عرصے کے بعد شہنشاہ نے ایک قانون منظور کیا جس کے تحت ایسے تمام جرایم جس میں مردوں میں گنڈ مروا ہو تو اس کی سزا یہ ہوگی کہ خصی کر دیا جائے۔ اوراس وقت بہت سے ہم جنس پرست (ایسے مرد جو مردوں کے ساتھ سو چکے تھے) دھر لئے گئے اور انہیں آختہ کر دیا گیا۔ اوران لوگوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی جو مردوں سے جنسی تعلقات رکھنے کی بری علت میں مبتلا تھے۔

جسٹینین کے عہد دہشت کو حیرانی ہوتی ہے کہ ہم جنس پرستی کی تاریخ کے طلباء میں بہت کم توجہ ملی ہے۔ کینین بیلی نے اپنی کتاب ''Homosexaality and the Western Chrestian tradition'' جو ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی اس میں مختصراً بتایا ہے کہ بے شک اس میں وہ کرشمہ سازی کرتا ہے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ گرین برگ (Soci Construction of homosexulity) میں یہ کہہ کر۔۔۔اڑا دیتا ہے کہ اس پر پہلے ہی بہت جانچ پڑتال ہو چکی ہے۔ جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس معاملے میں بہ مشکل ابھی کوئی تحقیق شروع ہوئی ہے۔ جان بوسویل کا حوالہ دیتا ہے لیکن یہ دلیل دیتا ہے کہ شہنشاہ نے جو قتل و غارت گری کی ضروری نہیں کہ اس میں عصری ''مسیحی'' منشا بھی شامل ہو۔ یہ کہ '' شہنشاہ نے ہم جنس پرستی کے خلاف جو اپنا خیال ظاہر کیا وہ مذہبی اصطلاحات میں تھا۔'' اسے اس بنیاد پر کمزور کیا جا سکتا ہے کہ ''بازنطینی شہنشاہ اپنے زیادہ تر احکام کے جواز پیش کرتے تھے۔ اور اپنے اختیارات کا سبب بھی۔ مگر مسیحی علم الکلام کے ذریعے۔'' بوسویل کی دلیل اپنی کتاب کے مرکزی خیال کے عین مطابق ہے کہ آغاز میں مسیحیت ہم جنس پرستی کے ''واقعی'' خلاف نہیں تھی۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جسے تسلیم کرنا دشوار ہے۔ لیکن جسٹینین چاہے جتنا بھی کج رو ہو بطور سیاستدان ایک کڑا اور متقی مرد تھا جو اپنے محل میں بطور

زاہد روزہ دار کے رہتا تھا اور مذہبی نظریات میں اس قدر ڈوبا رہتا کہ بقول کسے اس کا مرنا اور جینا دینیات کے لئے تھا۔ اگر جسٹینین ایک مدبر کی تصویر نہیں ہے جو مسیحی اثر کے تحت اقدام کرتا تو پھر ہمیں کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔

جسٹینین کی طرف سے ہونے والا ظلم و تعدی جس سے بیسویں صدی کے صاحبان علم نے جس طرح عدم توجہی برتی ہے اس سے ہمارا رخ ہم جنس پرستی کی طرف مایل ہو جاتا ہے اور نتیجے میں ایک مخمصہ جنم لیے لیتا ہے۔ ہمیں تو اٹھارہویں صدی کے مورخ ایڈورڈ گبن کی طرف توجہ مبذول کرنا چاہئے (جس نے ہم جنس پرستی کی مذمت کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہ کیا اور اسے ایک ''اخلاقی طاعون'' کہا)۔ جو آج بھی سب سے زیادہ صاف بیان ہے۔

> جسٹینین نے اعلان کیا کہ وہ غیر انسانی ہوس کا ایک کٹھور دشمن ہے۔ اور اس کے محرکات کی پاکیزگی کو دیکھتے ہوئے وہ جس طرح پرتشدد انداز میں سزائیں دیتا ہے وہ ناقابل معافی ہیں انصاف کے تمام اصولوں کے برخلاف اس نے اپنے فرمان کو موثر بہ ماضی اور مستقبل کہا جس میں سابق مقدمات میں ذرا سی مہلت تب کہیں جا کر اعتراف اور معافی کی گنجائش پیدا ہوئی۔ مجرم کو ایک پراذیت موت دی جاتی اور قطع اعضا کے لئے گناہوں بھرے اوزار استعمال کئے جاتے اور جسم کے مسامات میں سرکنڈے کے تیز کئے ہوئے قلم چبھوئے جاتے اور ان سوراخوں میں جو نہایت نازک مقامات پر ہوتے ہیں۔ اور جسٹینین سزاؤں کے عملدرآمد کے طریقوں کی حمایت کرتا اور ان کی معقولیت پر اصرار بھی کرتا۔ مجرموں کو اپنے ہاتھوں سے اس لئے محروم ہونا پڑتا کیونکہ ان سے مقدس اشیا کی بے حرمتی کا جرم سرزد ہوا تھا۔ ذلت اور الم کے عہد میں دو اُسقف رھوڈز کا یسعیاہ اور ڈایس پولس کا سکندر ان دونوں کو قسطنطنیہ کے گلی کوچوں میں کھینچا گیا۔۔۔ شاید یہ دینی پیشوا بے قصور تھے۔ موت کی سزا اور بدنامی کا زیادہ تر انحصار معمولی اور مشکوک شہادت پر ہو جاتا جو نوکر یا ایک بچے کی ہوتی (Green Faction) ہرے دھڑے کا جرم دولتمندوں کا یا پھر تھیوڈورا کے دشمنوں کا منصفین کی نگاہ میں قابل تفتیش تھا اور اغلام

بازی ان لوگوں کا جرم بن چکا تھا جنہیں کسی اور الزام میں نہیں پکڑا جا سکتا تھا۔

ہری اور نیلی دو سیاسی جماعتیں تھیں جن کے نام ان کے ارکان کے لباس کے رنگوں سے لیا گیا تھا۔ جو وہ قسطنطنیہ میں کھیلوں کے مواقع پر پہنتے تھے۔ سبز دھڑا شہنشاہ کی مخالفت کرتا تھا۔ گبن نے اپنے مواخذے میں یہ بات سمیٹتے ہوئے بازنطینی مورخوں کو جن میں تھیوفینز، سیڈرینس اور زوناراس شامل ہیں تفصیلات کے لئے یوں قریب سے دیکھا ہے۔ لگتا ہے وہ مالاس کی روداد سے آگاہ نہ تھا جس کا اس نے ذکر نہیں کیا۔

ستم رانی کب سے شروع ہوئی۔ تھیوفینز کا روزنامچہ اور ایک بازنطینی وقائع نگار جس نے کوئی ۸۰۰ء کے زمانے میں لکھا اپنے حاشیے میں تاریخ ۵۲۱ء بیان کرتا ہے لیکن چونکہ جسٹینین کے عہد حکمرانی کے دوسرے سال واقعہ درپیش آیا تھا اس لئے ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ یہ ۵۲۸ء ہے۔ یہی وہ سال ہے جب رھوڈز کے اُسقف یسعیاہ اور تھریس۔ میں ڈالیس پولس کے سکندر کو ان کے عہدے سے معزول کر دیا گیا کیونکہ یہ فاش ہو گیا تھا کہ وہ لونڈوں کے عاشق ہیں۔ انہیں شہنشاہ نے نہایت خوفناک طریقے سے سزا دی تھی۔ ان کے عضو تناسل کو کٹوا دیا گیا اور انہیں سرعام اس طرح پھرایا گیا جب کہ ڈگی والا چلا چلا کر لوگوں کو بتاتا جاتا تھا "اُسقف تمہارے مقدس مقامات کی تذلیل نہیں کر سکتے۔" اور شہنشاہ نے عیاشوں کے خلاف نہایت ترش قوانین مرتب کرائے اور بہت سوں کو سزا دی۔ یوں ہر جانب خوف اور چوکسی کا دور دورہ تھا۔ (ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تھیوفینز دونوں اسقفوں کے انجام میں امتیاز نہیں کر پاتا اور گبن بھی اسی سہو کا شکار ہوتا ہے)۔

جیور جیس سڈرینس جس کا زمانہ تحریر ۱۰۶۰ء ہے نے واقعات کی مقابلتاً پوری روداد دی ہے۔ چند مزید تفصیلات جنہیں گبن نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ اگلے سال (جسٹینین کی تاجپوشی کے بعد رھوڈز کا اسقف یسعیاہ اور تھریس کے ڈالیس پولس سکندر اور کئی دیگر گرفتار کر لیے گئے اور انہیں مردوں کو بگاڑنے والے کہا گیا۔ شہنشاہ نے حکم دیا کہ ان میں سے چند ایک کے لنگِ کاٹ ڈالے جائیں اور باقی ماندہ کے اعضائے تناسل کے سوراخوں میں نرکل ٹھونس دیے جائیں اور انہیں سرعام چوک میں ننگا لے جایا جائے۔ بہت سے شہری متعدد سینیٹرز اور چند ایک اعلیٰ اہل کلیسا بھی اس جرم میں ملوث پائے گئے، انہیں خصی کر دیا گیا

اور انہیں چوک میں ننگا کر کے دکھایا گیا اور وہ بڑی بے کسی کی موت مرے۔

ہمیں پروکوپیس کی سیکرٹ ہسٹری سے زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ پروکوپیس جسٹینین کا درباری مورخ تھا۔ وہ اپنی سرکاری دستاویز میں شہنشاہ اور اس کی بیوی کی بے تحاشہ تعریف کرتا ہے۔ لیکن اس نے ایک ایسی روداد لکھی جس میں دل کھول کر رکھ دیا اور اس میں دونوں حکمرانوں کے سیاہ کرتوتوں کا ذکر کیا اور اس میں ذاتی عداوت کے پھپولے پھوڑے ہیں۔ اس میں وہی اینکڈ وٹا (جو باہر والوں سے مخفی ہے) میں وہ یہ ظاہر کرتا ہے جس سے گبن کو جسٹسن کے مشکوک طریقہ کار کا علم ہوتا ہے کہ کس طرح سیڈرینس اور تھیوفینز نے کس احتیاط سے اس کی وحشیانہ سزا دینے کے واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ پروکوپیس کے مطابق۔

اس کے بعد (جسٹین) نے لونڈے بازی پر قانوناً پابندی عاید کردی۔ اس نے اس کی فکر نہ کی کہ اس قانون کے نفاذ کے بعد لوگوں نے کس طرح قانون شکنی کی بلکہ خود کو اس حد تک محدود رکھا کہ وہ کون لوگ تھے جو اس قانون کے نفاذ سے کتنا عرصہ پہلے سے اس کے روگی ہیں۔ اور ان مقدمات کی پیروی اس طرح کی گئی کہ اس میں کسی قسم کی احتیاط نہ رکھی گئی۔ چونکہ سزا دینے کے لئے استغاثہ نہ ہوتا اس لئے کسی مرد یا لڑکے کا بیان اور اگر ایسا کوئی واقعہ ہوا بھی ہو اور ایک غلام کو مجبور کیا جاتا کہ وہ اپنے آقا کے خلاف شہادت دے اور اسے مصدقہ ثبوت مان لیا جاتا۔ وہ لوگ جو اس طرح سزایاب ہوتے تو ان کے جنسی اعضا نکال دیے جاتے اور انہیں سڑکوں میں گھومایا جاتا۔ تمام ہی معاملات میں ایسا نہیں ہوا کہ آغاز میں ایسی سزا دی گئی ہو بلکہ صرف ان کو جن کی شہرت ’ہرے‘ ہونے کی ہوتی یا ان کے قبضے میں کثرت سے دولت ہوتی یا پھر وہ جنہوں نے کسی اور طریقے سے حکمرانوں کو زچ کیا ہوتا۔

بعد میں عہد وسطی کے یورپ میں تہی دست تاجور بھی مذہبی تعصّبات کو حرکت میں لاکر دولتمند یہودیوں سے رقوم اینٹھ لیتے۔ پروکوپیس ہمیں بتاتا ہے کہ جسٹینین نے چھٹی صدی کے بازنطین میں اغلام بازی کے الزامات لگا کر اسی طرح اپنے شہریوں سے رقوم

اکٹھا کی تھیں۔

ہمیں نہیں معلوم کہ جسٹینین نے کس قانون کے تحت کارروایاں کیں۔ جس مسودہ قانون کا مالاس ذکر کرتا ہے وہ ہم تک نہیں پہنچا۔ تاہم ہمیں یہ نوٹ کر لینا چاہئے کہ سیڈرینس یہ قیاس کرتا ہے کہ آختہ کرنے کی سزا سزائے موت ہی کی سزا ہوتی تھی اور گبن نے بھی اسی سے خوشہ چینی کی ہے۔ اس کی تصدیق صرف ان مورخین ہی نے نہیں کی جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے بلکہ ایسے قانون کے سرنامے سے بھی ظاہر ہوتا ہے جس میں خواجہ سرا بنانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ جو کہتا ہے کہ "ان لاتعداد مردوں پر جن پر جراحی (خصی کرنے والی) کی جاتی ہے ان میں سے چند ایک ہی پنپ پاتے ہیں اس لئے ان میں سے چند ایک نے ہمارے حضور گواہی دی ہے کہ نوے افراد جن پر آختہ کرنے کی جراحی کی گئی تھی ان میں سے بہ مشکل تین کی جان بچ سکی، ہمیں یہ نرخ ناقابل یقین حد تک اونچا لگا۔ لیکن اگر ایسی تجارتی جراحی میں اس بہتات سے اموات ہوتی ہیں جب کہ زندگیوں کی حفاظت نہایت اہم ہے۔ آپ سوچئے وہاں کیا نتائج نکلتے ہوں گے جہاں ایسی جراحی بطور سزا کے کی جاتی ہوگی۔

جسٹینین کا کام بطور قانون ساز کے اس وقت اختتام کو نہ پہنچا جب رومی قانون کی تالیف مکمل ہوگئی۔ برس ہا برس گزرنے کے بعد نئے قوانین کا بازنطینیوں کے لئے اجرا روایتی لاطینی زبان میں نہ ہوتا بلکہ دیسی یونانی میں ہوتا۔ ان میں سے دو بالصراحت مردانہ ہم جنس پرستی سے متعلق تھے اور ظاہر کرتے ہیں کہ کس طرح شاہی قوانین اور مسیحی دینیات بالآخر شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔ جس پر اساطیری اغلام بازی نے رنگ چڑھادیا۔ پہلا قانون جونو ویلّا۔ ۷۷ ہے ۵۳۸ء میں جاری ہوا جس کے مخاطب اہل قسطنطنیہ تھے۔ اس میں تنبیہ کی گئی تھی کہ ہم جنس پرستی کے اعمال کا انجام "خدا کا برحق غضب نازل ہوگا جس میں شہر مسمار ہوجائیں گے اور اس کے باسی فنا ہوجائیں گے۔" موت کی سزا کی قانون میں ٹرٹلین، ایوسیبئس اور کرای سوسٹوم نے حمایت کی اس نظریہ کو جواز بنا کر کہ ہم جنس پرستی پوری آبادی کو مختلف طریقوں سے ملیا میلٹ کرسکتی ہے۔ اسی لئے ہم حکم دیتے ہیں کہ تمام مرد اس قسم کے جرائم سے اجتناب کریں، اپنے دلوں میں خوف خدا پیدا کریں

اور ایسے لوگوں کی پیروی کریں جو اتقا کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس نوعیت کے جرایم کی وجہ سے قحط پیدا ہوتے ہیں زلزلے آتے ہیں اور طاعون پھوٹ پڑ سکتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ کہیں مرد اپنی روحوں سے نہ محروم ہو جائیں اس لئے ہم انہیں متنبہ کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا بیان کئے جانے والے غیر قانونی کاموں سے پرہیز کریں۔

شیرون بیلی نے نہایت معقول انداز میں دلیل دی ہے کہ جسٹینین کے عہد میں آفات سماوی کا ایک سلسلہ شروع ہوا تھا جو مذکورہ قانون سازی کا سبب بنا۔ ایک تباہ کن زلزلے نے ۵۲۵ء میں قسطنطنیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ سال بھر کے بعد ایک اور زلزلے نے انتاخ کو ملیا میٹ کر دیا۔ ان آفات نے پوری آبادی کے دل میں دہشت بیٹھا دی اور ذہنوں کے پس منظر میں ہیسٹیر یا جاگزیں کر دی جو ۵۲۸ء کی منظّم نسل کشی کا سبب بنا۔ علم ارضیات کی سائنس کے نمودار ہونے سے پہلے ایسے مظاہر کو بڑے تواتر سے عذاب الٰہی کی نشانیاں سمجھا جاتا تھا۔ جدید تحقیق نے یہ انکشاف کیا کہ جدید ترکی جو اس خطے پر واقع ہے جہاں قدیم بازنطینی سلطنت ہوا کرتی تھی۔ تین قشری پلیٹوں کے نکتہ اتصال پر واقع ہے جس کی وجہ سے یہ خصوصاً ہمیشہ جھٹکوں کی زد پر رہتا ہے۔ ہم بازنطینیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ فطری ہو سکتے ہیں جب کہ انہیں ان اراضی آفات کے متعلق کچھ بھی نہیں معلوم تھا اس لئے انہیں چاہئے تھا کہ وہ صحایف سے اس کی توجیہہ کرتے اور ہو نہ ہو انہیں اس قصے میں حل مل جاتا جہاں خدا نے ایک شہر کو برباد کر دیا تھا (جیسا کہ وہ یقین کرنے لگے تھے) ان ''غیر فطری'' جرایم کے متعلق۔ آج ہمیں یہ دشوار لگتا ہے کہ ہم اپنی ذہنی حالت کو زمانہ ماضی میں پہنچا دیں جیسی ان کو سمجھ بوجھ تھی۔ لیکن اسے مافوق الفطرت خوف کا عہد وسطی میں ہم جنس پرستی سے خوف پیدا کرنے میں بڑا ہاتھ تھا۔ اس کے بعد بھی اٹھارویں اور انیسویں صدی تک لوگوں میں تشویش پیدا کرنے کا سبب بنیں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ ڈھونڈنے سے نہ ملیں گی۔

نوویلا۔۷۷ اس موضوع پر جسٹینین کا آخری حرف نہ تھا۔ بیس سال کے بعد یوں لگتا ہے جیسے کسی اور قدرتی تباہی نے ایک اور قانون سازی پر اسے اکسایا۔ دسمبر ۵۵۷ء میں قسطنطنیہ میں زمین ہلی تو بقول ایک بازنطینی مورخ کے ''بہت سے لوگ اور بالخصوص بالائی

طبقہ" تہس نہس ہوگیا۔ اغلب یہ ہے کہ ان کے گھروں کی چھتوں میں بھاری مسالہ ڈالا گیا ہوگا۔ ایک مرتبہ پھر بازنطینیوں کو ان اموات میں خدا کا ہاتھ نظر آیا ہوگا۔ اور شہر کے گرجا گھروں کے بام و در آہ و بکا اور دعاؤں سے لرزنے لگے ہوں گے۔ مگر یہ سب بے نتیجہ رہا چند ہی مہینوں بعد بھیانک طاعون پھوٹ پڑا جس نے اور جانیں لے لیں۔ اب ان تباہ کاریوں کے لئے کسے الزام دیا جائے۔ "آدمیوں کو بگاڑنے والے" ایک مرتبہ پھر قربانی کے بکرے ڈھونڈ لئے گئے تاکہ نوویلا۔ ۱۴۱ مجریہ ۱۵ مارچ ۵۵۹ء نافذ ہو سکے۔

اگر نوویلا۔ ۷۷ کی وجہ تسمیہ دینیات تھی تو نیا قانون پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے انسداد جرم کا قانون نہ ہو بلکہ سربراہ کلیسا کا خط ہو۔ جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کلیسا اور ریاست کا بندھن مشرقی سلطنت میں کتنا ہمہ گیر تھا۔ اس میں پدری فیض رسانی کا لہجہ اختیار کر کے سزا دینے کی خوانخوار دھمکیاں دی گئی ہیں۔ جسٹینین کے منصفین کو اس دعویٰ میں کوئی تضاد نہیں دکھائی دیتا جب وہ اپنی سزا دینے والی دیوی کو رحم دل، روادار اور صابر کہتے ہیں۔ اس کا سرنامہ کچھ یوں ہے۔

> جیسا کہ ہمارا دستور ہے کہ ہم خدا کی فیاضی اور رحمدلی کے جویا رہتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر اس وقت جب ہم نے اس کی برہمی کو کئی طریقوں سے للکارا ہے جن میں ہمارے گناہوں کا پشتارہ ہے اور اگرچہ وہ ہمیں ان سزاؤں سے دہلاتا ہے جن کے ہم مستحق ہیں۔ اس کے باوجود وہ ہم پر عفو و درگزر کی نوازش کرنے پر آمادہ ہے اور وہ نزول عذاب کے ارادے کو مستقبل کے لئے ملتوی کرنے پر آمادہ ہے۔۔۔ اس لئے کیا یہ ہمارے لئے مناسب نہ ہوگا کہ ہم اس کے بے پایاں رحم کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیں۔ اس کی رواداری اس کا لامحدود صبر، کہیں توبہ سے منہ پھیر لینے سے ہمارے دل نہ کٹھور ہو جائیں اور ہم اس کی برہمی کو سروں پر نازل ہونے دیں یہی اس کا یوم حساب ہوگا۔ لیکن۔۔۔ یہاں ایسے افراد بھی ہیں جو گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہیں جن سے خدا کی کراہت حق بجانب ہے۔ ہمارا اشارہ مردوں کی بدمعاشی کی طرف ہے ایسا جرم جس میں تقدس کو برباد کرنے میں گستاخانہ جرأت سے ارتکاب کرنا پڑتا ہے۔

بعد کی صدیوں میں اس قسم کی ظاہر زبان میں معمول کے مطابق انسانیت نوازی کے لئے توضیحی حاشیہ ٹوہ لینے کھدیڑنے والے اعلانیہ میں بڑھا دیا جاتا جو ملحدوں اور یہودیت پر عملدرامد کرنے والوں کے خلاف ہوتا۔ جن میں خدا کی رحمت اور خدا کی لاٹھی کے ذکر پر اصرار ہوتا۔ اس کے علاوہ نوویلا۔ ۱۴۱ میں اس کی گنجائش رکھی گئی تھی کہ کلیسا اور شاہی افسر خفیہ طور سے ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ خود کو قسطنطنیہ کے بطریق کے سامنے یہ نہ تسلیم کر لینا کہ آپ مغلم ہیں اسے جرم میں اضافہ کرنا شمار کیا جاتا۔ وہ مرد جو اپنے کرتوت کا اعتراف نہ کرتے تو انہیں تنبیہ کی جاتی کہ انہیں ''بھیانک تادیب'' کا سامنا کرنا ہوگا۔

پروکوپیسؔ کی 'خفیہ تاریخ' ان داروگیر کا ایک اور رخ دکھاتی ہے۔ ظاہری تقدس کے پردے میں اہلکار صغیرہ گناہوں پر بھی لوگوں سے رقم اینٹھ لیتے۔ جسٹینینؔ نے تو اپنے خزانے کو جنگیں لڑنے کے مصارف، شاندار کلیساؤں اور محلوں کی تعمیر پر اڑا دیا تھا۔ لیکن لونڈے بازی کے الزامات، بے دینی اور مسلمہ کلیسائی عقاید کے خلاف بولنے والوں پر ڈنڈا لگا کر رقم اینٹھی جاسکتی تھی۔ جیسے ہی اس نے عوامی دولت کو خرچ کر ڈالا پروکوپیئسؔ ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے اپنی توجہ اپنی رعایا کی طرف مبذول کر دی اور اس نے بلا تکلف بذریعہ ٹھگی لاتعداد لوگوں کو ان کی ملکیتوں سے محروم کر دیا۔۔۔ چند ایک پر تو یہ الزام لگایا کہ وہ ایک سے زیادہ خداؤں پر یقین رکھتے ہیں چند دیگر پر یہ کہ تم مسیحیت کے کج روفرقے کو مانتے ہو اور کچھ پر اغلام بازی کا الزام لگا کہ بازو مروڑ کر پیسے نکلوانے کو اس طرح ادارے کی شکل دی گئی کہ شہر میں دو مجسٹریٹ تعینات کئے گئے۔ ایک تو چوروں سے نبٹتا تھا۔ اور دوسرا جو 'کلیسائی تفتیش کنندہ' تھا۔ جسٹینینؔ نے اسے انہیں سزا دینے کے کلی اختیارات سونپ دیے جو اغلام بازی کی علت میں مبتلا ہیں۔ اور ایسے مرد جو عورتوں کی گانڑ مارتے ہیں جس کی قانون میں ممانعت ہے اور ایسے جو کسی دیوی کی پوجا مسلمہ روایتی طریقوں سے نہیں کرتے۔

پروکوپیسؔ کے مطابق کلیسائی تفتیش کنندہ نہ صرف شہنشاہ کی خدمت میں مشکوک افراد کو پیش کرتا بلکہ اس کے چاکر لوگوں کو ماخوذ کر لینے کی دھمکی دے کر مال اینٹھتے رہتے۔ کیونکہ کلیسائی تفتیش کنندہ کے ماتحت نہ تو ملزمین کو اس کے سامنے پیش کرتے اور نہ ہی گواہ لاتے کہ کیا ہو رہا تھا۔ لیکن پورے عرصے میں جو بدنصیب بھی ان کے ہتھے چڑھ جاتا وہ اسی

جنجال میں پڑا رہتا یعنی نہ تو اس پر کوئی الزام عاید کیا جاتا اور نہ ہی سزا یابی ہوتی۔ اور نہایت پردہ اخفا میں یا تو انہیں قتل کر دیا جاتا یا پھر ان کی رقم چھین لی جاتی۔

لیکن ہم جنس پرستی کے الزام میں ماخوذ افراد نہ صرف، عدالتوں اور مجسٹریٹوں کے شکار بنتے بلکہ بے ایمان پولس کے بھی۔ جو جسٹینین کے ظالم قوانین خود کو مالا مال کرنے کے علاوہ شہنشاہ کے خزانے کو بھی بھرتے۔ ایک ہزاریے کے بعد وہی دارو گیر کلیسائی عدالتوں کے تحت اسپین میں ٹارکیماڈا کے عہد میں ہوئی جس میں خاص بات وہی شرمناک حالت رہی۔ یہاں تک کہ بر ہم سکسٹس۔۴ اپنے افسران کے فیصلوں کو مسترد کر دیتا کیونکہ ''انہوں نے سب کچھ حرص، ہوس اور لالچ'' میں کیا بجائے مذہبی جذبے کے۔

کلاسیکی تہذیب کا آخری ٹمٹماتا چراغ جسٹینین کے عہد میں گل ہو گیا۔ شہنشاہ نے ۵۲۹ء میں غیر مسیحی لوگوں پر معلّمی کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت کر دی اور ایتھنز میں واقع تمام اسکولوں کو بند کر دیا۔ افلاطون کی اکیڈمی جو ۳۸۵ ق م سے کام کر رہی تھی نیست و نابود ہو گئی اور اس کے اساتذہ کو پرشیا کے آزاد خیال شاہ نے اچھے مرتبوں پر رکھ لیا۔ قانون کے علم کا ایک تابناک کام جو جسٹینین کا مشہور کوڈ تھا ایسی ہی عدم رواداری کا نشانہ بنا۔ ایک جدید مورخ نے اسے یوں سمیٹا ہے ''یہ ایسے دیگر قدیم کوڈز سے مختلف ہے خصوصاً اپنے سخت کٹر پن میں، اس کی گہری عالم دشمنی، اس کی منتقمانہ انتہا پسندی۔ ایک تعلیم یافتہ رومی کو اپنی زندگی کہیں زیادہ مہذب انٹونائنس کے عہد میں لگتی بہ نسبت جسٹینین کے عہد میں۔'' یہ کوڈ جتنا ہم جنس پرستی پر درشتگی مایل تھا اتنا زندگی کے کسی اور شعبے پر نہ تھا۔ جسٹینین کے قوانین کے جلو میں قرون وسطی کی دنیا سر اٹھا رہی تھی۔

باب ۔٦

تیرگی اترتی ہے

۴۷٦ء۔۱۰۴۹ء

روم کا زوال:

روم کا سقوط ۴۹۸ء میں ہوا جب ٹیوٹانی (جرمانی) سردار اڈوسرؔ نے آخری نحیف شہنشاہ رومولس آگسٹسؔ کا دھڑن تختہ کردیا۔ کیا ہم جنس پرستی کی کثرت اس بربادی کا سبب تھی۔ بلاشبہ یہ خیال ایک ایسا گھسا پٹا جملہ بن چکا ہے جو بے دھڑک تقریروں، اعلانات اور مدیر کے نام خطوط میں اور عموماً پیش گویوں کے ساتھ کہ اب ہماری تہذیب اس طرح برباد ہوگی جیسے ''یونان اور سدوم'' کی ہوئی تھی اگر ہم جنس پرستی سے کسی قسم کی رواداری دکھائی گئی۔ یہ اتنا سنجیدہ اور عمومی الزام ہے کہ ہم جنس پرستی دنیا کی دو عظیم ترین تہذیبوں کی موت کی ذمہ داری تھی۔ یوں یہ لازم ہے کہ اسے تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ چاہے پیش کی جانے والی جملہ شہادتیں اس نظریے کی توثیق نہ کرپائیں۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ پوچھنا ہوگا کہ بالصراحت ہم کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اگر رومی سلطنت پانچویں صدی کے آخر میں رسماً خاتمے کو پہنچ گئی۔ یہ امر قطعاً واضح نہیں ہے کہ ''یونان کا زوال'' سے کیا مراد ہے۔ کلاسیکل عہد کے مداح ممکن ہے اس تباہی کو ۳۳۸ ق م سے منسوب کردیں جب اہل ایتھنز اپنی آزادی اہل مقدونیہ کے ہاتھوں ہار بیٹھے۔ لیکن جنوبی یونان کی شمالی یونانیوں کے ہاتھوں شکست کو نظریاتی طور پر مختلف ایک ہی جنس کے تعلقات کے سر نہیں منڈھا جاسکتا۔ اگر چاپرونیہ کے مقام پر اہل یونان کی پشتیبانی نہایت

موثر طاقت تھیبا کے مقدس گروہ کی تھی تو دوسری جانب فلپؔ اور سکندرؔ جو مقدونیہ والوں کے سردار تھے جنہوں نے ان پر فتح پالی وہ بھی دوجنسیے رہنما تھے اور وہ بھی دو جنسیا سماج کے۔ بازنطینی سلطنت کے قائم ہوجانے کے بعد آخر کی یونانی تہذیب جو مسیحیت سے زیر بار تھی اسے ایک ہزار سال کی حیات نو کی ضمانت مل گئی اور جس کا چراغ اس وقت گل ہوگیا جب ۱۴۵۳ء میں محمد۔ دوم نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا۔ یہاں پر حالات بڑے ستم ظریفانہ تھے۔ کیونکہ بازنطینی راسخ العقیدہ تمدن بڑی حد تک ہم جنس پرستی سے خوف زدہ تھا جس نے عثمانی ترکوں کے آگے ہتھیار ڈال دیے جو گلے گلے تک عیاشی میں ڈوبا ہوا تھا۔

پھر روم کے لئے کیا کہا جائے ہمیں تو پہلے یہ بات گرہ میں باندھ لینا چاہئے کہ یہ کالی گولا اور نیؔرو والا ناستک (Pagan) نہ تھا۔ وہ روم جو ہالی وڈ والوں کے ذہنوں میں کلبلاتا رہتا ہے یا پھر ایوانجیلک اہل اخلاقیات کے خیالات میں۔ اور جس کا زوال ہوکر رہا۔ روم جولیو۔ کلاڈیؔن شہنشاہوں کے بدترین ریلوں کو جھیل گیا اور ایک صدی بعد تک انٹونائیؔنز کی حکمرانی میں پھلتا پھولتا رہا۔ مگر یہ زمانہ تو مسیحی تھا نہ کہ ناستک کا۔ وہ روم جو مفتوح بنا۔ اس پر کوئی ڈیڑھ سو برس سے اوپر عرصے سے مسیحی شہنشاہ حکمران تھے اور یہ سب کانسٹنٹائیؔن کے تبدیلی مذہب کے بعد ہوا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انہوں نے اس لئے درشت قانون سازی کی تاکہ جنسی ضوابط کے متعلق نو ساختہ اصولوں کو نافذ کیا جاسکے مگر یہی سب کچھ ہم جنس پرستی کے سلسلے میں نہ کیا۔ نہ ہی رومی سماج کی تصاویر میں نہ ان کے مصنفین کی تحریروں میں سلطنت کے آخری دنوں کی نہ کوئی دہلا دینے والی تفصیلات ملتی ہیں۔ پانچویں صدی عیسوی کی اخلاقیات کا موازنہ برطانیہ کے جارج۔ سوم کے زمانے سے سماجی مورخین نے کیا یعنی جو نہ تو قابل ذکر حد تک بے راہ روی پر مایل تھا اور نہ ہی پارسائی پر کاربند تھا۔ ہم جنس پرستی سے متعلق حوالے کسی بھی رنگ کے نہیں ملتے۔ صرف سالویانؔ جو رومی کارتھیج کے متعلق ۴۰۰ عیسوی کے لگ بھگ کا زمانہ ہے۔ لکھتا ہے اور معاملے کو خاص نقطہ نظر سے دیکھتا ہے۔ کوچہ گرد طوائفوں کو تلاش کر لیتا ہے جو دگر جنسی لباس میں ہوتی ہیں اور اس پر برہمی ظاہر کرتا ہے کہ شہری صاحبان اختیار برائی کی اس کھلم کھلا نمائش کو دباتے کیوں نہیں ہیں۔ کل الھم اجمعین ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ روم بہ زمانہ زوال ایسا

شہر نہ تھا جو خرمستیوں کی حد تک رنگ رلیوں میں پڑا ہو۔ جو نسبتاً متین برادری پر مشتمل تھا جہاں پر ہم جنس پرستی سے نفرت کا خوف ایک عرصے سے حکومتی پالیسی تھا۔ روم کے زوال کے کئی اسباب بیان کیئے جاتے ہیں۔ فوجی، سیاسی، اقتصادی، وبائی امراض، سماجی اعداد و شمار سے متعلق اور ماحولیاتی۔ سب سے زیادہ مشہور تجزیہ ہمیں ایڈورڈ گبنؔ کی 'ڈکلاین اینڈ فال آف دی رومن ایمپائرہ' میں ملتا ہے جس نے تباہی کا سب سے اہم سبب مسیحیت کو ٹھہرایا ہے۔ گبنؔ کے خیال میں اس کے مسیحی حکمرانوں نے روم کی ایک معقول ناستک آبادی کو بے گانہ بنادیا تھا۔ (جنہیں قربانی کرنے کی ممانعت تھی اور ان کے معبدوں کو مسمار کردیا جاتا) اور یہ بھی کہ عیسایوں کی عقبیٰ پر نظر کی عادت کی وجہ سے لوگوں نے اپنے سماجی اور عسکری فرایض کی ادائی سے منہ موڑ لیا تھا۔ یہ بھی یقینی ہے کہ تھیوڈوسیسؔ کی درشت قانون سازی سے ایسے تمام شہری خوف زدہ ہوگئے ہوں گے جن کے جنسی طرز بودوباش غیر مطابقت والے ہوں۔ روم میں نئے مسیحی قوانین کے متعارف ہونے سے جن میں عوام کو جلانے کی دھمکی شامل تھی یہ سمجھ لیا گیا ہوگا کہ ان کے بربر دشمن شاید ان سے بدتر نہ ہوں گے۔ ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی بھی شاید یہ دلیل دے سکتا ہے اور جس میں معقولیت بھی کافی ہے کہ ہم جنس پرستی سے خوف کا عنصر سلطنت کے سقوط میں مدومعاون بنا۔

مغربی گوتھ کا اسپین:

(مغربی گوتھ قوم کی اس شاخ کے افراد جو فرانس اور اسپین میں پانچویں صدی میں آکر آباد ہو)۔ جب رومی سلطنت تتر بتر ہوئی تو اس کے حصے بربری قبایل میں شامل کرلئے گئے جن میں سب سے زیادہ جرمانی تھے۔ یہ جاننا بڑی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ یہ غیر رومی لوگ ہم جنس پرستی کے متعلق کیسے خیالات رکھتے تھے۔ مگر تمام شہادتیں جو زیادہ تر لکھائی کی ایجاد سے پہلے کے سماجوں سے ملی ہیں وہ جستہ جستہ ہیں اور فکری انتشار پیدا کرتی ہیں۔ جرمانی قبایل وہ تھے جو ابتدا میں دریائے رہاین اور ڈینیوب کے دوآبے میں واقع تھے اور خانہ بدوشی کی وجہ سے قطعاً غیر مربوط تھے۔ جہاں تک روس اور مشرق میں

ایشیائے کوچک کا تعلق ہے اور شمال میں بالٹک تک اور جنوب میں شمالی افریقہ آ جاتا ہے۔ اس وسیع و عریض خطہ اراضی میں یہ دیکھ کر حیرانی نہ ہونا چاہیے جب ایک دوسرے قطعاً مختلف تمدنوں کو سانچے ملتے ہیں۔ ٹیسیٹس اپنے مشہور مقالے میں یہ بیان کرتا ہے کہ جرمنوں میں ''بزدل''، ''خراب جنگجو'' اور ایسے مرد ملتے ہیں جو اغلامی تھے۔'' دلدل کی کیچڑ میں کود پڑتے حالانکہ ان کے سر پر پھانسی دینے والی چوکھٹ بھی رکھی ہوتی۔ لیکن امیانس مارسیلینس کوئی ۳۸۰ء کے زمانے میں رقم طراز ہے اور گاتھ تیفالی کے متعلق بتاتا ہے جو فی زمانہ رومانیہ میں بسے ہوئے ہیں اور ان کی مقامی روایات کا سپارٹا اور تھیبز کی روایات سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ تیفالیوں میں لڑکوں کے اس وقت تک بالغ عشاق ہوا کرتے تھے جب تک لڑکے پہلے ریچھ یا سور نہ مار لیتے۔

تاہم دیگر مصنفین کی روداد یں آپس میں نہیں ملتیں۔ سالویان کے بیان کے مطابق ونڈال غارت گر شمالی افریقہ کے مسیحیوں کے برعکس جنہیں انہوں نے فتح کیا تھا ہم جنس پرستی کی طرف کم مائل تھے۔ مگر کنٹیلیان اپنی ایک خیالی تقریر میں ایک جرمن سپاہی کا ذکر کرتا ہے جس کا نام ماریالس ہے وہ اعلان کرتا ہے کہ مردوں کے مابین عشق کو لوگوں میں بہت عزت حاصل تھی۔ شمالی ٹیوٹانک قبیلوں میں کسی مرد کو (زنانہ یا کونی مایل) کہنا جرم تھا جس کا خمیازہ ضروری تھا۔ اس کے باوجود چند سویڈن کے قبیلوں میں مرد عورتوں کے بہروپ میں شمی جادو کرتے جس کا نام سیدر تھا یہ عمل خوف زدہ کرنے والا تھا مگر حقیر سمجھا جاتا۔ ایک حکمراں نے جب یہ سنا کہ اس کے لڑکے نے ان رسوم میں حصہ لیا ہے تو اس نے دوسرے بیٹے کو اس لئے روانہ کیا تا کہ وہ جا کر اسے قتل کر ڈالے۔'' دیگر اسی ساتھیوں کے ہمراہ جس کی بے حد ستائش اور تعریف ہوئی۔''

ابتدائی جرمانی قانونی کوڈ میں مردانہ تعلقات میں ممانعت نہ ہونے کے برابر تھی۔ یہ کوڈ جو قدیم مسیحی روایات کے قوانین سے ماخوذ تھے۔ اس میں جرمانوں کی سزا رقوم کے ساتھ متعین تھی۔ مثلاً شادی کے باہر جنسکاری اور جبراً گانڑ مارنے کی سزا (کسی عورت کی ملکیت میں مداخلت بے جا یا پھر اس کے مرد عزیز پر ڈاکہ سمجھا جاتا) لیکن گنڈ مروا کا اس میں کہیں بھی ذکر نہیں تھا۔ قدیم ترین اینگلوسیکسن کوڈ جو کینٹ میں سترہویں صدی سے نافذ

ہے اسی کو تقلید کر رہا ہے۔ اور الفریڈ دی گریٹ کے قوانین (حکمرانی ۸۷۱ء۔ ۸۹۹ء) جن میں بائبل کے احکام بھی شامل ہیں جن میں جانور چود کی سزا موجود ہے مگر ہم جنس پرستی کی ندارد۔ مگر نویں صدی عیسوی کے باواریوں، برگنڈیوں الم مانیوں، ایل سیکسن، اہل تھورنجین اور ان ٹیوٹانیوں کے جو الپس پہاڑ پار کر کے لمبارڈی میں بس چکے ہیں مذکورہ قوانین کی طرح خاموش ہیں۔

ان سب میں اسپین کی گوتھی حکومت ایک استثنیٰ نکلی جو ردمی حکومت کے زوال کے باوجود باقی رہی اور عربوں کی فتح ۷۱۱ء تک قائم رہی۔ ۵۰۰ء تک گوتھی حکومت شمال میں لوایر سے جنوب میں آبنائے جیرالڈ تک پھیل گئی جو مغربی یورپ کی وسیع ترین اور سب سے زیادہ طاقتور حکومت تھی۔ گوتھی آریائی مسیحی تھے جنھوں نے کیتھولک مذہب ۵۸۹ء میں قبول کیا تھا۔ اس کے بعد چرچ اور بادشاہ ایسے مربوط ہو گئے کہ ریاستی ناظمین کی حکومت چلانے میں اسقف اعانت کرنے لگے۔ ایک واقعہ ۶۴۲ء میں ایسا ہوا کہ ایک اناسی برس کا طبقہ شرفا کا ایک شخص مسمی کنڈا سونتھ سازش کے ذریعے تخت پر قابض ہو گیا۔ کسی اور بغاوت کے ڈر سے جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے اس نے گوتھوں کو تہس نہس کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ حکم جاری کیا کہ سات سو حکام کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور باقی ماندہ کو ملک بدر کر دیا جائے۔ مگر ۶۵۰ء میں اس نے بذات خود ہی جرمانک (گوتھی) قانون جاری کیا جو ہم جنس پرستی کے خلاف تھا۔ جس میں یہ درج تھا ''کہ وہ لوگ جو مردوں کے ساتھ سوئیں گے اور یا پھر ایسے کام کے لئے اغلام بننے پر رضامند ہوں گے۔ انہیں اس قانون کے ذریعے ختم کر دیا جائے۔ جس کا نام کہ جیسے ہی اس نوعیت کے جرم کا اعتراف کیا جائے اور منصف نے سرعام اس کی تحقیق کر لی ہو۔ اس پر لازم ہے کہ وہ فوراً ایسے اقدام کرے جس میں دونوں مجرموں کو خصی کر دیا جائے۔ کنڈر سونتھ قانون میں اس کی بھی گنجائش تھی کہ مجرم کا بیٹا اگر چاہے تو ملکیت پر قابض ہو جائے اور سزا یافتہ کی بیوی دوسری شادی کر لے۔

چالیس سال کے بعد ایک اور بادشاہ ایجیکا نے مزید کارروائی کی جو اتنی ہی وحشیانہ تھی جتنی کنڈر سونتھ والی۔ ایجیکا کے زمانے کے وقایع نویس نے یہ لکھا کہ اس کے عہد میں ''گوتھوں کو کھدیڑ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔'' یہودیوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ مملکت

کے خلاف سازشیں کرر ہے ہیں۔ اس لئے اس نے فرمان جاری کیا جس کے تحت ان کی جائیدادیں ضبط کرلی گئیں اور انہیں غلامی کا طوق پہنا دیا گیا۔ ٹولیڈو میں سویں کاونسل کے اسقفوں سے خطاب کرتے ہوئے ایجیکا نے کاونسل سے درخواست کی کہ ان اغلام بازوں کے خلاف اقدامات کرے۔ دیگر معاملات کے علاوہ اس نے حکم جاری کیا۔ ”آپ اس پر غور کریں اور کمر بستہ ہوکر اس بے ہودہ جرم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں جس میں وہ لوگ ملوث ہیں جو مردوں ہی کے ساتھ سوتے ہیں۔ جن کے خوفناک افعال متقی زندگی بسر کرنے والوں کی دلکشی کو نجس کر دیتے ہیں اور عالم بالا کی قوت کو عذاب نازل کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔“ کاؤنسل نے اظہار ممنونیت کے لئے ایک فتوی جاری کردیا جس میں کسی مجرم اسقف، پادری، شماس سزا عاید کرسکتا تھا ”ایسے تمام جرایم پر“ جن سے مراد ہے آختہ کرنا۔ اس کے بعد مثلہ کئے ہوئے پادریوں کو ”مسیحی تمام دعائیہ تقریبات میں شرکت سے روک دیا جاتا۔۔۔ اور سوتا زیانے لگائے جاتے، ان کے سر مونڈ دیے جاتے جو ذلت کی علامت ہوتی اور دایمی طور پر ملک بدر کردیا جاتا۔“

ایجیکا نے یہ بھی کیا کہ اغلام بازی کے دیوانی قانوں کو بدل کر مذہبی بنایا اور اس میں ایک مذہبی استدلال کو شامل کردیا۔

> راسخ العقیدگی کی تعلیمات سے مجبور ہوکر غیر شائستہ حرکتوں پر قانون کی جانب سے سرزنش کرر ہے ہیں اور انہیں شہوت کے معاملے میں ضبط نفس کرنے میں جو گوشت پوست کے معاملات میں بے اعتدالی کا شکار ہوئے۔۔۔ بالیقین ہماری یہ سعی ہے کہ اس قابل نفرت ہوس کا خاتمہ کردیں جس کی غلیظ گندگی جس میں پڑ کر مرد بلا کسی خوف خطر کے دوسرے مرد کی عزت لوٹتے ہیں جو ایک غیر قانونی کام ہے جسے اغلام بازی کہا جاتا ہے۔۔۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جو الوہی مذہب کے علاوہ پاک دامنی کے بھی خلاف ہے۔ اگر چہ بلاشبہ دونوں ہی با اختیار یعنی مقدس مصحف اور دیوانی قوانین کے فرمان اس قسم کی بے اعتدالی کی سختی سے ممانعت کرتے ہیں پھر یہ ضروری ہوگیا ہے کہ اس قانون کو منسوخ کردیا جائے (غالبًا اس سے مراد قانون کنڈا سونتھ تھا) اس کی جگہ ایک ایسا قانون نافذ کیا جائے تا کہ کہیں۔۔۔

بدترین برایاں سر نہ اٹھالیں۔

مگر ایجیکا کا نیا قانون کنڈا سونتھ کے قانون کو منسوخ نہ کرسکا بلکہ اس میں اس اضافے سے کہ خصی کرنے کے علاوہ کلیسائی قوانین کو جو جرمانے سے متعلق تھے انہیں بڑھا دیا جنہیں ٹولیڈو کی سولھویں کونسل نے منظور کیا تھا۔ کوڑے مارنا، مونڈنا اور ملک بدری۔

جسٹینین کی قانون سازی میں دیے ہوئے طریقے اور جرمانوں کا اگر موازنہ کیا جائے تو مماثلت حیرت انگیز ہوگی۔ ایک مرتبہ پھر وحشیانہ ظلم کی دلالی یہ کہہ کر کی گئی یہ ''رحم اور زہد'' ہے۔ لیکن گوتھی شہنشاہوں کی نہایت درشت اور استبدادی حکومتوں نے اپنی رعیّتوں کو بیگانہ بنا دیا جوان کے اپنے کرتوت تھے۔ ایجیکا کی موت کے کوئی نو برس بعد ۷۱۱ء میں ایک مسلم سپہ سالار بنام طارق چٹان پر اترا جو آج بھی اسی کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور اس نے جزیرہ نما کو فتح کرنا شروع کر دیا۔

چرچ کاونسلز اور توبہ استغفار:

ابتدائی چرچ کا ایک ہی جنس کے درمیان تعلقات پر موقف نہ تو بائیبل سے ماخوذ تھا اور نہ ہی قرون اولیٰ کے مسیحی علماء کی دین ہے بلکہ یہ بھی کلیسائی کونسل کے فرامین سے لیا گیا ہے جو بعد میں مذہبی قانون کی اساس بن گئے۔ ''مذہبی قوانین'' کا قدیم ترین نسخہ جو ہم تک پہنچا ہے وہ ایلویرا کی کاونسل کا ہے جو اسپنی علمائے دین کے قبضے میں ۳۰۶ء تا ۳۰۹ء کے دوران میں تھا۔ چونکہ کاونسل کا ڈایوکلشین کی عظیم داروگیر کے فوراً بعد اجلاس (۳۰۳۔۳۰۴ء) میں ہوا تھا اور ایسے وقت جب کونسٹنٹاین کے بینر تلے فتح کا جشن منایا جا رہا تھا۔ ہم اس لئے توقع کر سکتے ہیں کہ ایسے لمحات میں اسقف کو کیا تشویش لاحق ہوگی اور وہ بھی سیاسی ہوگی۔ اس کے بجائے ہم انہیں جنسی مسایل میں بری طرح الجھا ہوا پاتے ہیں۔

اکیاسی میں سے قریب قریب آدھے قوانین جو ایلویرا کی کاونسل نے جاری کیئے ان کا تعلق جنسیات سے تھا جو کسی بھی موضوع سے تعداد میں بہت زیادہ تھا۔ اس چرچ نے اپنا

طرہ امتیاز یہ رکھا کہ اسے سخت جنسی قوانین کے حوالے سے پہچانا جائے اور یہاں تک کہ اس نے اپنے اسقفوں اور شادی شدہ کلیسا کے دیگر ارکان پر پابندی عاید کردی کہ وہ اپنی بیویوں سے احتراز کریں۔ دیگر قوانین بلا شادی کے تعلقات، طلاق، اسقاط، شادی شدہ افراد کا غیر سے جنسکاری کرنا اور یہودیوں اور ملحدوں سے شادی بیاہ کے معاملات سے متعلق ہے۔ قانون۔۵۰ یہودیوں کے ساتھ کھانے کی ممانعت کرتا ہے۔ اور قانون۔٦٧ نے یہ اعلان کیا ''ہر عورت کے لئے یہ ممانعت کی جاتی ہے چاہے اسے بپتسمہ کیا گیا ہو یا عیسائیت قبول کرنے والی ہو کہ وہ کسی لمبے بال رکھنے والے مرد سے یا کسی حجام سے راہ رسم رکھے۔ کوئی سو برس پہلے سکندریہ کا کلیمنٹ بے ریش مردوں کی مذمت کر چکا تھا جو لمبی زلفیں رکھتے تھے اور خطرناک حد تک امیر خانی (عورت نما مرد) لگتے تھے۔ ایک باب میں جس کا عنوان ''ایسے ساتھی جن سے ہم راہ رسم رکھیں'' وہ یہاں بھی زہر میں بجھے تیر چلاتا ہے۔ ''ایسی عورتیں جو کج رو مردوں کی رفاقت میں خوش ہوتی ہیں اور گالی گلوچ کرنے والے کو نیوں کے نرغے میں رہتی ہیں۔ مسیحی قانون سازی کا دارومدار عموماً جنسی افعال پر ہوتا ہے بجائے لوگوں کے طبقات پر۔ لیکن سب سے پہلا کلیسائی اعلان جو ہم جنس پرستی کے خلاف ہے اور جس کی ہمیں خبر ہے اس میں مسیحی عورتوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ چند خاص مردوں سے دوستی بڑھائیں کیونکہ ان کا طرز بود و باش قدرے مشکوک ہے۔

اس سے بھی زیادہ موثر اعلان چند سال کے بعد آیا انسیریا (جدید انقرہ) کی کونسل جو ۳۱۴ء میں منعقد ہوئی تھی جو فتوی میلان کے ایک سال کے بعد منعقد ہوئی تھی۔ اس کونسل کا واحد مقصد یہ تھا کہ ان مسیحیوں پر جرمانے عاید کئے جائیں جنہوں نے گذشتہ زمانے میں ہونے والے دارو گیر میں ارتداد کیا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی اس نے دو قانون جاری کئے۔ شمارہ ١٦ اور ١٧۔ ایسے افراد کے خلاف جنہیں لغوی طور پر ''ایسے افراد جو غیر معقول رویے کے مجرم ہیں۔'' اس قانون کی زبان کافی مبہم ہے لیکن جن جرایم کا ذکر ہے وہ اپنی نوعیت میں جنسی معاملات سے متعلق ہیں۔ ''اگر ان سے یہ گناہ بیس برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے سرزد ہوئے ہیں تو وہ چرچ کے دروازہ پر پندرہ سال تک ڈنڈوت کریں۔۔۔ اور اگر کوئی شخص اس عمر سے آگے نکل گیا ہو اور بیویوں والا ہو اور اس گناہ میں پڑا ہو تو وہ پچیس

برس تک ڈنڈوت کرے اور اس کے بعد انہیں عبادت میں شرکت کی اجازت ملے انہیں صرف نذر میں شریک کیا جائے۔ اور اگر کوئی شادی شدہ شخص جس کی عمر پچاس سے متجاوز ہو اور گناہ گار بھی ہو تو اسے صرف اسی وقت عبادت میں شرکت کی اجازت ملے جب وہ قریب المرگ ہو۔ اور قانون ۔۱۷ کے مطابق جنھوں نے دوسروں کو اس ''کوڑھ'' میں الجھایا ہو اور ایسے گناہ میں لگایا ہو تو انہیں چرچ سے بے دخل کیا جائے اور ''انہیں باہر رہنے پر مجبور کیا جائے چاہے اور پشیمانی کے ساتھ وہ باہر بھی شودروں کے ساتھ رہیں۔''

لیکن ''غیر معقول'' لوگ کون تھے۔ جدید علوم کے ماہرین کی دانست میں وہ ایسے افراد تھے جو جانوروں سے جفتی کرنے والے تھے۔ اس کے باوجود یونانی عبادت کے لاطینی مترجمین نے اس قانون کے یہ معنی نکالے ہیں جو ہم جنس پرستی اور جانور چودوں کے متعلق ہو۔ اگرچہ انسیر یا کی کونسل محتاط انداز میں کلیسا کی شہری مجلس تھی اور کوئی عالمگیر کونسل نہ تھی مگر اس کے جاری کردہ قوانین کو آنے والی کونسلوں نے عالمی کونسلوں کے ہم پلہ جانا۔ جس کے نتیجے میں کم از کم مغربی یورپ کی حد تک مذکورہ تمام درشت کفاروں کو یہ سمجھا گیا جیسے ایک ہی جنس کے لوگوں میں ہونے والی جنسکاری کے لئے حتمی مانا گیا اور انہیں کئی صدیوں تک بطور حوالہ پیش کیا جاتا رہا۔

اس سارے عرصے میں بستیوں میں واقع گرجاؤں کے پادریوں کو شاید ہی ان دستاویزات تک رسائی حاصل ہوگی۔ وہ کون سی دستاویز تھیں جو پادریوں کے استعمال کی تھیں جو اعتراضات سننے پر تعینات تھے اور یہ مقبول دستی کتب 'توبہ اور استغفار' والی کہلاتیں۔ یہ غیر سرکاری رہنما کتب سب سے پہلے چھٹی صدی میں آئرلینڈ میں نمودار ہوئیں اور ان میں چند اسے قوانین درج تھے جن کا ایک صدی پہلے ویلز میں اجرا ہوا تھا۔ قانون ۔۸ جو عوامی کلیسا گروو آف وکٹری کہلاتا ہے مثلاً یہ تقاضا کرتا ہے کہ ''وہ شخص جس سے اغلامی کا جرم سرزد ہوتا ہے وہ چار برس تک کفارہ ادا کرے گا۔ لیکن ایسا آدمی جو صرف رانوں کے درمیان تعلقات رکھے گا اسے تین سال۔ تاہم اگر کوئی اپنے ہاتھ سے یا پھر کسی اور کے ہاتھ سے کچھ کرے تو محض دو برس''۔ 'کتاب داود' سے مشکوک طریقے سے یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ ویلز کا مربیانہ سینٹ (وفات ۵۸۸؟) یہ چاہتا تھا کہ جو لوگ سرعام

کسی عورت کو چودیں اور جو مسیح سے عہد کر چکے ہیں یا خاوند سے یا پھر کسی حیوان سے یا کسی مرد سے، وہ باقی ماندہ زندگی میں دنیا کے لئے مثل مردہ ہوں گے اور خدا تک جائیں گے۔ یعنی خانقاہی تنہائی میں۔

یہ تمام علمی کام جو جزایر برطانیہ میں زوال روم کے فوراً بعد پہنچے یہ کلیسا تاریخ کے واقعات میں عجیب ترین واقعات میں سے ہیں نہ صرف جنسیاتی خصوصیت کی وجہ سے۔ تین انتہائی اہم توبہ واستغفار والیاں۔ فنیان والی (۵۹۰ء سے پہلے) کولمبان والی (۶۰۰ء سے پہلے) اور کم مین والی (۶۵۰ء والی)۔ سب ہی میں ہم جنس پرستی کے افعال کی تفصیلی سزائیں درج ہیں۔ فنیان کا یہ حکم ہے ''جو ہم جنس پرستی پر عمل پیرا ہیں اگر وہ لڑکے ہیں تو وہ توبہ دو برس کریں گے۔ اگر مرد ہیں تو تین سال اور اگر وہ بھیسیے ہوگئے ہیں تو سات برس۔'' اس میں صاف صاف لنگ چوسنے کے متعلق بھی ہے۔ ''ایسے لوگ جو اپنی خواہشات کو ہونٹوں سے چوس کر پورا کرتے ہیں، ان کے لئے تین سال۔ اور اگر اس کی عادت پڑ گئی ہو تو سات برس۔'' کولمبان کے حکم کے مطابق ایک راہب جس نے ''کسی قتل یا اغلام بازی کے گناہ کا ارتکاب کیا ہو۔'' وہ دس سال تک کفارہ ادا کرتا ہے۔ کم مین ان کے لئے سات برس کہتی ہے وہ لونڈے بازی کے لئے سات سال کا کفارہ ادا کریں، چار سے سات برس لنگ چوسنے کی سزا، لڑکوں کے لئے متعدد سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ چھ سے دس روزے چومنے کی سزا، اس کا بھی تعلق بوسوں کی نوعیت پر ہوگا آیا وہ ''سادہ'' تھے یا شہوت پرستی کے زمرے میں آتے یا انزال کا سبب بنے۔ اس کے لئے بیس سے چالیس دن تک باہمی مشت زنی کے۔ اور اگر ران میں ڈال کر جھڑ گیا ہو تو سو دن تک جلق لگائیں مگر جرم کے تکرار پر سال بھر۔ ایک چھوٹا لڑکا جس کی کسی عمر رسیدہ نے لی ہو۔ اگر اس کی عمر دس برس ہو تو وہ ایک ہفتے تک روزہ رکھے گا اور اگر اس نے آمادگی دکھائی ہو تو بیس روزے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر لڑکے نے آمادگی نہ ظاہر کی ہو تو کفارے میں تخفیف ہو جاتی مگر اس پر سے گناہ کا بہتان نہ جاتا۔

بعد کی توبہ واستغفار کی روایات اینگلو سیکسن انگلینڈ سے ماخوذ ہیں۔ جن میں ٹارسس کے تھیوڈور کا کفارہ بھی شامل ہے جو ۶۶۸ء میں کانٹر بری کا اسقف اعظم بن گیا تھا۔ اور

قابل احترام بی ڈے کی توبہ و استغفار والی اور اگبرٹ جو یارک کا اسقف اعظم تھا (وفات ٧٦٦ء) سب ہی ہم جنس پرستی کے فعل کے لئے کفارہ کا تقاضہ کرتے ہیں۔ تھیوڈور ان میں جدا ہے جو چپٹی بازی پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ ''اگر کوئی عورت کسی اور عورت کے ساتھ برا کام کرے تو وہ اس کے لئے تین برس تک کفارہ ادا کرے گی۔'' آٹھویں صدی عیسوی میں توبہ واستغفار کا اصول برطانیہ سے یورپ میں پہنچ گیا جہاں پر اس کو مرتب کرکے نئے انداز میں پیش کیا جاتا رہا۔ ایک محتاط محقق نے تلاش کرکے ان کی تعداد اکتیس بتائی ہے جن کی تاریخ اجرا چھٹی سے گیارہویں صدی عیسوی ہے۔ جو ہم جنس پرستی پر سزا دیتی ہیں اور چودہ چپٹی بازی یا سیفو ویت کی سزا دیتی ہیں۔

ان ضابطوں کی کتابوں کا براعظم کے طول وعرض میں کثرت سے استعمال سے ہم دو نتائج اخذ کرسکتے ہیں۔ پہلی بات تو ہم یہ قیاس کرسکتے ہیں کہ جس جنسی رویے کی تفصیلات ہمیں ملتی ہیں۔ بلاشبہ اس کا باقاعدگی سے ان دنوں اعتراف کیا جاتا تھا۔ یہ ضابطے کسی جنس زدہ پادری کے زور تخیل کا نتیجہ نہیں لگتے جیسا کہ چند صدمات کے مارے پروٹسٹنٹ مورخین کنسے کے زمانے سے پہلے لکھا کرتے تھے اور یہ سمجھتے بھی تھے۔

دوم وہ یہ دکھاتے کہ ہم جنس پرستی کے تعلقات جنسی گناہوں میں بدترین تھے اور یہ بھی شبہ سے بالاتر ہے کہ مسیحیوں کی نگاہوں میں بھی بلاشبہ تمام گناہوں سے بدتر ہے۔ جون بوسویل جو اس پر مایل رہتا کہ ہر وہ شہادت جو ہم جنس پرستی سے نفرت اور خوف پر مشتمل ہوتی اسے کمتر ثابت کرے اور ١٢٠٠ء تک یہی وطیرہ چرچ کا بھی رہا۔ اور اس کا نظریہ یہ تھا کہ توبہ و استغفارات بہ مشکل عہد وسطی کی اخلاقیات کے سمجھنے کا پیمانہ ہیں۔ لیکن پایر پیر جس نے آج تک توبہ و استغفارات پر سب سے گہری تحقیق کی ہے۔ اس کی دانست میں بوسویل کو اپنے مفروضے میں سہو ہوا ہے۔ یہ ان ہی کے نسخوں کی دین ہے کہ پادریوں نے چھوٹی بستیوں کے گرجاؤں کے پادریوں کو عالمگیر جنسی گناہ گاری پر یقین دلا دیا۔ اور ان کے دلوں میں جرم اور الوہی خوف کے علاوہ ان کرتوتوں کے مکافات عمل کو بھی ذہن نشین کرا دیا۔ اخلاقیات کی ایسی توضیح سے چرچ کو بے محابہ اختیارات اپنے معتقدین پر مل گئے اور وقت کے ساتھ دولت کے انبار، یوں خوشحال گناہ گار جب اس زندگی کی مسرتوں سے

چھک جاتے تو دوسری دنیا کے مصایب کا خیال کر کے انہیں کم کرنے کی غرض سے بستر مرگ سے چرچ کو گلدستے بھیجنا شروع کر دیتے۔ وہ مرد جو مردوں سے عشق کرتے اور ایسی عورتیں جو عورتوں سے محبت کرتی تھیں یقیناً اس صورتحال سے خوفزدہ ہوتی ہوں گی۔

کارولنجیا کی سراسیمگی:

توبہ واستغفار کے تصورات اس عہد میں مقبول تھے جب یورپ میں ۵۰۰ سے ۱۰۰۰ء کے درمیان میں سیاسی زندگی، اقتصادیات اور تمدن بلندی سے گر رہا تھا اور یہ سب رومی اقتدار اعلیٰ کے زوال کے ساتھ ہو رہا تھا۔ شارلیمانؔ کے عہد اقتدار میں جو (۷۶۸ تا ۸۱۴ء) تک رہا اس میں تاہم مغربی تہذیب نے جزوی بحالی حاصل کی۔ فرانک کے بادشاہ کی حیثیت میں چارلسؔ نے ایک نیا اور موثر انتظام کیا۔ مقدس رومی سلطنت جس نے یورپ کو امن اور استحکام کا زمانہ دیا جس سے وہ صدیوں سے محروم تھا۔ علاوہ ازیں اس نے تعلیم کو حیات نو دینے کی غرض سے آیرلینڈ اور انگلینڈ سے راہبوں کو بلوایا اور انہیں رہنمائی کے اختیارات سونپ دیے۔ یہی وہ خطے تھے جو بربریت کی غارت گری سے محفوظ رہے تھے جب کہ یورپ اسے بھگت چکا تھا۔ لیکن اس تہذیب کی پیدائش تو پوری طرح کٹر روایتی مسیحیت کی مرہون منت تھی۔ اپنی نئی مقبوضات میں اتحاد پیدا کرنے کی فکرمندی نے شارلیمانؔ کو اسقفوں اور دیگر اہل کلیسا سے گہرے روابط پیدا کرنے کی سجھائی۔ نتائج ہر جگہ انسانیت نواز نہ نکلے۔ جب اس نے سرکش اور سیکسن ناستکوں کو فتح کر لیا تو مفتوحہ قبایلیوں کو ایک سہولت دی گئی یعنی مسیحیت اختیار کر لیں یا موت کو گلے لگا لیں۔ شارلیمانؔ نے اس طرح بھی چرچ کی حمایت کی کہ مسیحی جنسی اخلاقیات کو نافذ کر دیا جس نے آج تک شمالی یورپ کو بہ مشکل متاثر کیا تھا اس نے ''شاہی فرامین'' کے ذریعے بہت سے مذہبی احکام جاری کیے۔

تاہم شارلیمان کی پارسائی اس کے محل کے پھاٹک پر ٹھہر جاتی۔ اس کی چار دیواری کے اندر اس کی چار بیویوں کی اعانت پانچ مزید داشتائیں کرتیں اور اس کے اٹھارہ بچوں

کی پرورش میں انہوں نے بھی ہاتھ بٹایا۔

چارلسؔ کے عہد حکومت میں چرچ کاؤنسل اورعوامی کلیسا نے کل ملا کر ہم جنس پرستی کی مذمت کرنے کے لئے سات فتاویٰ جاری کئے۔ ۷۸۹ء میں اپنی رعایا کے لئے ایک ''عمومی ملامت'' جاری کی گئی۔ اس نے بالصراحت ان درشت پابندیوں کی حمایت کی جنہیں آنسریا نے منظور کیا تھا۔''ان کے لئے جو فطرت کے خلاف جانوروں سے جفتی کرتے ہیں یا پھر مردوں سے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔'' (انسانوں کے مابین جنسکاری کو جانوروں کے ہم پلہ بنانا، اس فتوے میں بہت سے سابق فتووں کی طرح اور بعد والوں کی مانند صرف لفظوں کی حد تک اسے آدمیت کے مرتبہ سے گھٹا دیا گیا) اس دور میں بھی توبہ واستغفار جو صدیوں سے زیر استعمال ہیں ان کی چرچ کونسلوں نے اس لئے مذمت کی کیونکہ یہ صحایف سماوی سے کوئی حوالہ پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں اسی طرح قرون اولیٰ کی مسیحی تحریریں اور کاونسلی صاحبان اقتدار اوران کی رورعایت والی پالیسی خصوصاً ہم جنس پرستی کے سلسلے میں۔کونسل آف چالونس نے ۸۱۳ء میں ان کے استعمال پر پابندی عائد کردی اور حکم جاری کیا کہ انہیں تباہ کردیا جائے۔

شارلیمانؔ کا نافذ کردہ تکفیری عتاب اوراس کے عہد کے صاحبان کلیسا کی مساعی سے ہم جنس پرستی سے نفرت اور خوف لوگوں کے شعور میں تادیر قائم رہا۔ جس کے نتیجے میں شارلیمانؔ کی پوری سلطنت میں ہم جنس پرستی قربانی کا بکرا بن گئی۔ جیسا کہ جسٹینینؔ کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ یوں پیرس کی کونسل جو ۸۲۹ء میں شارلیمانؔ کی موت کے پندرہ سال بعد منعقد ہوئی تھی۔ اس نے ان تمام تباہیوں کو بے تحاشہ کردیا جنہیں لونڈے بازوں پر نازل ہونے والا قہر کہا جاسکتا تھا۔ یہاں پر قانون ۔۳۴ کا لغوی ترجمہ دیا جاتا ہے جسے کم ہی اہمیت دی گئی یا مطالعہ کیا گیا۔

> اگرچہ انسانی بدنصیبی اکثر اوقات خالق کی بے مثال رحمت کو اکساتی ہے تاکہ اس پرشدت ہو اور وہ بھی اس کی سکت سے کئی گنا زیادہ۔ یہ ان تمام حدود کو اس وقت پار کر جاتی ہے اور زیادہ سنجیدگی سے اور اس ذات عالی کے خلاف مزید بدی پر اتر آتی ہے جب وہ فطرت کے خلاف گناہ کرتی ہے۔ کیونکہ بلاشبہ ہم پڑھتے ہیں کہ

مالک کل۔۔۔ان گناہوں کا تین طریقوں سے انتقام لیتا ہے۔

وہ تمام گناہ جو نسل انسانی کے نصیب میں تھے کہ وہ تخلیق کے وقت ہی سے ارتکاب کرے۔اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ جس گناہ نے قہر کو للکارا ہے وہ گناہ (جیسا کہ چند علماء کا خیال ہے)''تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا۔'' (۶:۶ پیدائش)اسی لئے اس وجہ پر اس نے پوری طرح سے تباہ کرنے کی غرض سے ایک طوفان عظیم بھیجا جس سے آٹھ روحوں کو چھوڑ کر پوری انسانی نسل تباہ کردی گئی۔اس کے علاوہ اس جرم کی وجہ سے پانچ شہروں کو برہم شعلے نگل گئے جو آسمان سے نازل ہوئے اور وہ دوزخ کے کھلے دروازوں سے نکلے تھے۔ اور چالیس ہزار یا اس سے بھی زیادہ لوگ جو بنجامن کی نسل کے تھے انہیں تلوار کی دھار سے برادریوں کی لڑائی میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔(جج۔۲۰) کیا یہ نشانیاں ثابت نہیں کرتیں اور یہ شک سے بالاتر نہیں ہو جاتا کہ اس ذات اقدس کی نظر میں یہ بدی کس قدر گھناؤنی اور قابل نفرت ہے۔

اس قانون کو وضع کرنے کے کیا اسباب ہوں گے جسے بطور خاص اس لئے تخلیق کیا گیا تا کہ لوگوں کے دل میں ہم جنس پرستوں کے خلاف خوف اور نفرت جاگزیں کردی جائے اور اسے نئی بلندیوں تک پہنچا دیا جائے جس سے لوگ یہ نتیجہ نکال لیں کہ یہی لوگ نہ تو صرف قدرتی آفات کا سبب تھے بلکہ انہیں کی وجہ سے آگ اور سیلاب سے تباہی ہوی مگر جنگوں میں شکست کا بھی یہی لوگ باعث بنے۔اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ان باتوں کی محرک فوج اور سیاسی بحران تھے جن سے چارلس کا عہدہ دو چار ہوا او راس کے دونوں بیٹوں لوئیس اور پائیس کے عہد بھی ان ہی حالات میں گھرے رہے۔''صحرانشینوں'' نے اٹلی کے ساحل اور پرونس صوبے پر حملہ کیا۔ بلغاریہ کے جتھے سلطنت کے مشرقی صوبوں میں داخل ہوگئے اور ناستک وائی کنگز اور ڈینز شمالی سلطنت کو تاراج کرتے رہے۔ ان خطرات نے چہار جانب ہیسٹیریا پیدا کردیا اور لوئیس نے ۸۲۷ء میں عوامی عبادتوں اور روزہ رکھنے کے احکام جاری کردیے۔ یہ ایک مانوس صورتحال تھی۔ اہل کلیسا تو اس بات سے خوفزدہ تھے کہ ناستکوں اور مسلم افواج کے ہاتھوں شکست سے اس خیال کو ضعف پہنچے گا کہ

مسیحیت ہی دنیا میں واحد سچا مذہب ہے۔ لیکن شکستوں کی اس تعبیر سے کہ ذات باری ہماری اصلاح چاہتی ہے۔ یہ مسیحیت کی کمزوری کی علامت نہ سمجھا گیا بلکہ اسے عذاب الٰہی کہا گیا۔ لوگوں نے اسے دہشت سمجھا ایک ایسی دہشت جو گناہ گاروں کے ایک خاص طبقے پر تھی۔

اسی توبہ و استغفار کے اثر کے تحت اُسقف والآ جو فرانکش (یورپی) سلطنت کا ممتاز صاحب کلیسا تھا اس نے پیرس میں کونسل کا اجلاس طلب کیا تاکہ 'گہری نظر سے تحقیقات کی جائیں کہ کن راستوں پر حکمران اور باعقیدہ لوگ چل رہے ہیں اور کس طرح خدا کے قانون پر عمل ہو رہا ہے۔ ایلویرا اور آنسیرا سے آگے بڑھتے ہوئے کونسل نے اغلام بازی کے خلاف سزائے موت کی بہ صراحت توثیق کر دی۔ اس کے علاوہ قانون۔۳۴ نے نہ صرف احبار کی توثیق کی بلکہ پالؔ کے خط کی بھی رومیوں کے لئے ایسی تشریح کی جیسے وہ سزائے موت کی وکالت کر رہے ہوں۔ اس کے علاوہ خدا اپنے احکامات میں یہ فرماتا ہے کہ جو بھی اس رسوائے زمانہ جرم کا ارتکاب کرے گا اسے موت کی سزا ملے گی (لیو۲۰:۱۳) اور خط اس میں یہ اضافہ کرتا ہے کہ وہ ہیں: ''موت کے مستحق'' (روم ۱:۳۲) ہمارے ذہن میں اس وقت یہ آ سکتا ہے جب رومیوں کا پہلا باب خاتمے کو پہنچتا ہے تو پالؔ ناستک لوگوں کو الزام دیتا ہے جس میں گناہوں کی ایک طویل فہرست ہوتی ہے۔ جن میں ہم جنس پرستی کو خصوصاً نمایاں مقام ملتا ہے۔ تب وہ یہ اضافہ کرتا ہے کہ ''خدا کا فیصلہ' ایسے گناہ گاروں کو ''موت کے قابل'' سمجھتا ہے۔

جسٹینینؔ کے منصفین نے مردوں کے مابین عشق کو ''شہروں کی تباہی'' کا سبب بتایا تھا۔ لیکن قانون۔۳۴ تو اس سے بھی آگے جا کر سیلاب نوحؑ کا سبب کہتا ہے۔ اور نوع انسان کے قریب قریب خاتمے کا۔ وہ اس نتیجے پر کیونکر پہنچا۔ پیدائش۔۶ تو صرف یہ کہتی ہے کہ ''خدا نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بڑھتی جا رہی ہے اور خیالات کی ہر پرواز جو اس کے دل میں پیدا ہوتی اس میں تسلسل سے برائی ہی ہوتی۔ قانون۔۳۴ یہ اشارہ کرتا ہے کہ ''چند معلمین یہ سمجھتے ہیں کہ سیلاب بالخصوص اغلام بازی کی سزا تھا۔ عین ممکن یہ ہے کہ یہ آٹھویں صدی کے لاطینی نسخے 'دی ریویلیشن آف سینٹس میتھوڈیس' کا حوالہ ہے۔

میتھوڈیس لیبیا کا رہنے والا اُسقف تھا جسے ڈاے کلیشین نے ۳۱۱ء میں شہید کروادیا تھا۔ جو الہام (ریویلیشن) اس سے منسوب کئے جاتے ہیں درحقیقت وہ ساتویں صدی کی ایجاد تھے۔ جو نسخے قدیم شاہی زبان کے ہیں ان میں طوفان نوح سے پہلے ہم جنس پرستی کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ مگر لاطینی ترجمے میں اس خیال کو متعارف کرایا جاتا ہے۔ جو ایسا لگتا ہے جیسے تالمود کی کسی گول مول عبارت سے ماخوذ ہے۔

کونسل جب ایک عجیب وغریب اور خونی داستان کو جو منصفین ۱۹ اور ۲۰ سے لی گئی ہے کم مبہم ہے مگر پھر بھی اس پر سوال اٹھتے ہیں۔ کتاب منصفین ایک ایسے فرد کا ذکر کرتی ہے جو لاوی قبیلے کا تھا اور جس کی ایک بوڑھے نے حبیبیہ کے بنجامن قصبے میں خاطر مدارت کی۔ جس پر چند لوگوں نے گھر کا گھراو کرلیا اور ایسی زبان میں جیسی کہ اغلام بازی بیان کرنے میں استعمال کی گئی ہے اس کا تقاضہ کیا کہ میزبان ''بلاتاخیر اس آدمی کو پیش کرے تاکہ ہم اس کی شناخت کرسکیں۔'' پھر سے اس میں پیدائش ۔۱۹ کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ بوڑھا آدمی اپنی کنواری لڑکیاں پیش کردیتا ہے تاکہ یہ جبری گنڈ مروا کی نعم البدل بن جائیں۔ اس کے بجائے لاوی کی مدخولایں باہر لائی جاتی ہیں ''اور پوری رات'' ان سے بدکاری کی جاتی ہے اور صبح میں یہ کھلتا ہے کہ وہ ڈیوڑھی پر مردہ پڑی ہیں۔ لاوی باشندہ ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اور بنی اسرائیل قبیلے کے ہر شخص کو ایک ٹکڑا ارسال کرتا ہے۔ جس سے اشتعال پیدا ہوتا ہے اور اہل بنجامن سے جنگ چھڑ جاتی ہے جس کے نتیجے میں سخت خونریزی ہوتی ہے جس کا حوالہ قانون۔۳۴ میں ملتا ہے۔

بات واضح ہے اہل بنجامن کا قتل عام دگر جنسیہ جماع بالجبر اور قتل کا خمیازہ تھا اور اس کا ہم جنس پرستی سے بالواسطہ تعلق بنتا تھا۔ مگر کونسل تو اپنے عہد کی سب سے بڑی تشویش میں بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ اسلام کا خوف۔ اگر ہم منصف۔۱۹ کی تفسیر لیں جیسا کہ بعد میں ہوا تو کونسل نے یہ تجویز پیش کی کہ اغلام بازی خدا کو مشتعل کرسکتی ہے اور وہ مسیحیت کے دشمنوں کو فتح دلا سکا ہے۔ گناہ تین مختلف طریقوں سے سزا پا سکتا ہے۔ کونسل نے متنبہ کیا۔'' بذریعہ پانی، خون اور آگ۔'' یہاں پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی تعصب جگہ بنالیتا ہے تو سماج کے لئے فرضی خطرات جیسے قربانی کا بکرا طبقہ نمایاں کرتا ہے روز افزوں

تعداد میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح ہماری اپنی صدی میں اختراعی ذہن کے نازی چرچا کرنے والوں نے لاتعداد ناپسندیدہ صفات کو یہودیوں سے منسوب کردیا اور پھر دیگر ''ادنی نسلوں'' سے۔ ان نئے خطرات کی وضاحت کرتے ہوئے کونسل نے توبہ واستغفار کو کوسا اور آنسیر کے مزید سخت قانون کی توثیق کردی۔ ''بے شک یہ مقدس فادرز کے لئے ہے جو الوہی روح سے ولولہ پاتے ہیں اور جنہوں نے جائز طور پر یہ حکم مقدس قانون میں شامل کیا ہے کہ اس گناہ کو دیگر گناہوں کے مقابلے میں سختی سے دیکھا جائے کیونکہ وہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ اگر یہ مسیح کے کلیساوں کی مملکت پر حکمرانی کرے گا تو مملکت کمزور پڑ جائے گی۔ ''اگر بادشاہت خطرے میں پڑتی ہے۔'' تو ہمیں خود کو ایسے عہد ماضی کے توہماتی دور میں پہنچادینا چاہئے جس پر مفتوح ہو جانے کا خوف مسلط رہتا یوں ہم سمجھ سکیں گے کہ یہ الفاظ والا کے ہم وطنوں کو کتنے ڈراؤنے اور کانوں پر گراں گزرتے۔

اگرچہ شارلیمان نے بذات خود کوئی ایسا فتویٰ نہیں جاری کیا جس میں پھانسی کی سزا تجویز کی گئی ہو تاہم ایک اور زوردار قانون وضع کیا گیا اور شہنشاہ سے ہیرا پھیری کے ذریعے منظوری حاصل کرلی گئی۔ یہ کوئی ۸۵۷ء میں وضع کیا گیا۔ جعل سازی سے اس کا سال اجرا ۷۹۱ء ظاہر کیا گیا یہ سب کچھ ایک کلیسائی جعل ساز نے کیا جس کا ہمیں صرف نام معلوم ہوسکا۔ بینیڈک لی ویٹا یا پھر بینیڈک ''شماس'' ۔ بینڈک کی تصنیف شاہی فرامین کی تالیف (Collection of Capitularies) جو بڑی مفصل دستاویز ہے اور ۱۷۰۰، ابواب پر مبنی ہے اور اس کا ایسے وقت پر شائع ہونا شاید باعث حیرانی نہ ہو نویں صدی عیسوی کلیسائی ہیرا پھیری اور دستاویزات میں جعل سازدی کے معاملات میں بڑی بدنام ہے۔ یہ دور اس رسوائے زمانہ ''کونسٹنٹائین کے عطیات'' کا تھا جب مغرب کی تاریخ کی سب سے مشہور جعل سازی ہوئی تھی۔ اور ''جھوٹے فرامین'' (یعنی پوپ کے جھوٹے خطوط) ایک ایسا مجموعہ جو سیویل کے سینٹ اسیڈور سے منسوب کردیے گئے جو درحقیقت ۶۳۶ء میں دارفانی سے کوچ کر چکا تھا۔ (''عطیات'' جس نے دیوانی اختیارات مرکزی اٹلی کو منتقل کردیے گویا پوپوں کو اور اس فیصلے کو ۱۴۴۰ء تک کسی نے نہ للکارا۔ جب انسانیت نواز لوانیز وولا نے یہ ثابت کیا کہ بائیبلی متن کے حوالہ جات جیروم کے لاطینی ترجمے سے لئے جاتے ہیں۔ یعنی

وہ کونسٹینٹائین کی موت کی آدھی صدی کے بعد کے ہیں)۔

دیوانی قوتوں پر توبہ و استغفار کی بالادستی قائم کرنے کی غرض سے بینڈک نے ایسے کئی قوانین کو شارلیمان سے منسوب کردیا جب کہ وہ اس کے نہ تھے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے تھیوڈوسین کوڈ پر تکیہ کیا۔ جسٹینین کا نوویلے، پوپ کے خطوط چرچ کے فادرز اور بائیبل کو بھی۔ بینڈک نے فکر سے کام لے کر یہ کہا کہ اس کا کام ایبٹ انسے جیس کی مستند تالیفات کا ہی تسلسل ہے۔ چونکہ شاہی فرمانوں کی نادر نقول اکثر و بیشتر اہل کلیسا کے قبضے میں رہتی تھیں جس سے اس کا کام آسان ہوگیا۔

اس کے دوسرے ضمیمے (جو متعدد شرمناک کرتوتوں کے متعلق جو برے لوگوں نے کیئے) جو شاہی فرامین ۔۲۱ سے متعلق ہے بینڈک اس میں قانون ۔۳۴ کو الف سے ے تک اس حصے کو داخل کردیتا ہے جو کونسل پیرس کا جاری کردہ ہے جس میں سیلاب اور اہل بنجامن کے قتل عام کا سبب ہم جنسی پرستی کو بتاتا ہے اور اس میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ شارلیمان کی زبان کا چربہ ہے نہ کہ کونسل والی کا۔ ایک اور جعل سازی سے پُر باب یہ اعلان کرتا ہے یعنی شہنشاہ کی زبان سے موت کی سزا کا فرمان۔

اگر ہم ایسے احکام کو پآل کے جوش وخروش سے مربوط کردیں جو اس نے رومیوں کے لئے کیا تھا۔ اور کلیمنٹ کی گرج اور کڑک اور آگسٹائین کا نقطہ نظر جس میں وہ لونڈے بازی کو خالق سے ایک قسم کی بغاوت سمجھتا ہے۔ اور اسے فادرز کا موت کی سزا کی توثیق کرنا جس کا تعلق ٹرٹولین، یوسیبیس اور جون کرای سوسٹون کے کلیساؤں سے تھا اور جس سے فقہی بنیاد پر جسٹینین کے ضابطے اور مغربی گوتھ والے مستفید ہوئے۔ اس لئے یہ دستور ہے۔ درحقیقت بلکہ غیر ممکن ہے۔ کہ جان بوسویل کے مرتب کردہ خیالات کو قبول کیا جائے جو کچھ یوں ہیں۔ ’’مخصوص دہشت اور اسی سے ملتی ہوئی پرتشدد ملامت جو اس پر ہوئی وہ سب بارہویں صدی کی پیداوار تھی۔ یہاں پر بارہویں صدی عیسوی سے بہت پہلے سب سے زیادہ اہم مبسوط قانون جو یورپ میں نافذ کیا گیا وہ بھی عہد وسطی میں اس نے زیادہ سے زیادہ یہ اجازت دی کہ ہم جنس پرستوں پر جرمانہ نافذ کیا جائے۔ یہ بھی ایک معروف حکمراں کے نام پر جس کا نام جعل سازی سے شامل کیا گیا۔ مگر عملی نقطہ نظر سے اس سے کوئی فرق نہ

پڑا کہ قانون ایک فریب تھا۔ بینڈکٹ کے ''جعلی فرامین'' کو طول وعرض میں پھیلایا گیا اور خوب استعمال میں لایا گیا۔ اور اس وقت تک انہیں مستند سمجھا گیا جب تک ایک جرمن محقق نے ان کی اصلیت پر سوال نہ اٹھائے جو اس نے اپنے ایک مقالے میں جو لاطینی زبان میں لکھا تھا ۱۸۳۶ء میں شایع ہوا۔

اپنے چوتھے ضمیمے میں اس موضوع کی جانب بینڈکٹ بالآخر لوٹتا ہے۔ اور بڑی لفاظی کے بعد اور رومی قانون کا حوالہ دے کر جی کی خوب بھڑاس نکالتا ہے۔ ایک باب کا نام ہے '' اسپین اور پراوینس اور برگنڈی کی قومیں'' جو بالخصوص اغلام بازی کی مجرم ہیں اور اس دھمکی کے ساتھ ختم کرتا ہے ''ہمارے لئے تو یہی بہتر ہے کہ ہم ان چیزوں سے نجات پا جائیں یا پھر اسی وجہ سے بربادی کو گلے لگالیں کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار قوم کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں یا پھر وہ ہمیں پکڑ کر غلام بنالیں۔'' ایک مرتبہ پھر بینڈکٹ وضاحت کرتا ہے کہ لڑائیوں میں ہماری شکست کی وجہ ہماری فوجی نالائقی نہیں ہے یا پھر دشمن کی بالادستی یا حلیفوں کا فریب ہے بلکہ اس کی وجہ جنسی گناہ ہے۔ اس لفاظی پر تبصرہ کرتے ہوئے جی سیلا بیب ٹرواہرنبرگ کا خیال حق بجانب ہے کہ ''بینڈک لے ویٹا بزعم خود کجی پر مایل فقہ کا عہد وسطی میں قانونی باپ کہلانا چاہتا ہے جس نے بعد میں چل کر ٹوہ میں رہنے والی مسیحی عدالتوں کے ڈھانچوں میں رہ کر دلیل اور انصاف کو عدالتوں سے صدیوں کے لئے دربدر کردیا۔

عربوں کے اسپین میں عشق:

ہم پوچھ سکتے ہیں کہ ان مسلم خطوں میں ہم جنسی پرستی کے متعلق کیا رویے تھے جن سے مسیحی مغرب اتنا خوف زدہ تھا۔ ایک اشاریہ تو ان کے ادب میں ملتا ہے جس میں ہم جنس پرست عشقیہ شاعری میں بہت کچھ ملتا ہے۔ بالخصوص عرب اسپین میں ۔ اس کا یہاں پر بے محابہ پھلنا پھولنا کوئی انوکھا واقعہ نہ تھا بلکہ باقی ماندہ مسلم دنیا کے عموماً متوازی تھا۔ ویسی ہی غنائیہ شاعری کے وفور جذبات کی بازگشت عراقی اور شامی درباروں کو رنگین بناتی تھی اور ایرانی باغات کو افغانستان کے پہاڑوں کو، مغلوں کے ہندوستانی میدانوں کو ترکوں کی

عثمانی سلطنت کو اور شمالی افریقہ کی ریاستوں مصر، تونس، اور مراقش کو۔ عہد وسطی کی مسلم بیاضیں چاہے وہ بغداد میں مرتب کی گئی ہوں، دمشق میں اصفحان، کابل، دہلی، استنبول، قاہرہ، کیروان یا فض میں۔ سب سے یہی جھلکتا ہے جس میں حیران کن تسلسل بھی ہے جو ہزار برس تک جاری رہا۔ یعنی اسی ہم جنس پرست عشق کی تنا تنی جیسی ہمیں قرطبہ کی عشقیہ نظموں میں ملتی ہے اور سیوِلے اور غرناطہ میں۔

جس تہذیب پر قرطبہ کے اموی خلفاء نے ۷۵۶ء سے ۱۰۳۱ء تک حکمرانی کی وہ پورے کیتھولک یورپ پر سبقت رکھتی تھی۔ یورپ میں قرطبہ کا ہم پلہ اگر کوئی شہر تھا تو وہ براعظم کے دوسرے کنارے پر قسطنطنیہ تھا۔ اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ خلیفہ شاید ہم عصر بازنطینی شہنشاہوں سے تمدن میں پیش پیش ہو اور غالباً عوامی نظم ونسق بھی اعلیٰ درجے کا ہو۔ ان کی بہت سی مسیحی رعیت (اور اسپینی یہودی لازماً) مغربی گوتھوں اور بے دین حکمرانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہوں۔ مسلم طرز تعمیر نے صدیوں کے دوران میں ایسے کئی شاہکار تعمیر کئے جیسے کہ مسجد قرطبہ، الکازار اور جیرالڈا سیویل شہر میں اور الحمرا قرطبہ میں۔ شاعری کی شکل میں پیدا ہونے والا ادب بڑے جوش وخروش سے تخلیق پایا جیسا کہ تمام عرب ممالک میں ہو رہا تھا۔ مقامی اہل اسپین نے عربی پڑھ کر اتنی لیاقت پیدا کرلی کہ انہیں لطیف اور بین انداز بیان پر قدرت حاصل ہوگئی۔ یوں مسیحی یورپ سے علم کے جویا علماء سیویل، ٹولیڈو اور قرطبہ میں طب، علم ہیئت اور ریاضی پڑھنے کے لئے آنے لگے۔ جویائے علم سلویسٹر۔ دوم جو سال ۱۰۰۰ء میں روم کا پوپ تھا وہ ایک زمانے میں قرطبہ میں بطور طالبعلم رہ چکا تھا۔

ارباب اخلاقیات کو پیرینیز کے آگے ایک پرتعیش جنت دکھائی دیتی تھی جس میں للچانے والے حرم ہوتے، حسین کنیزیں اور حیران کرنے والے حسین وجمیل ساقی۔ لیکن جنسی معاملات میں اسلام نے دو جذبی رجحان اور متناقض خیالات کو فروغ دیا۔ یہ صرف ہم جنس پرستی کے ساتھ نہ ہوا۔ کیونکہ عدم رواداری اور سخت گیری جو روایتی یہودیت اور مسیحیت کے اوصاف تھے انہوں نے ایک مرتبہ پھر سے تیسرے ابراہیمی مذہب کے قوانین میں سر اٹھالیا۔ اور یہ اثر بالآخر عبرانی صحایف کے اثرات کی وجہ سے ہوا۔

قران اپنے اندر یہودی اور مسیحی آثار ظاہر کرتا ہے جب اغلام بازی کے قصوں کی

تفسیر کی جاتی ہے۔ حالانکہ محمدؐ نے کبھی بھی کسی اغلام باز کا نام اپنی زبان سے نہ لیا لیکن وہ لوطؑ کی کہانی سے بخوبی واقف تھے اور اس واقعے کا متعدد مرتبہ استعمال کیا۔ وہ حضرت لوطؑ کو اللہ کا پیغمبر کہتے (اپنی طرح) اور آسمانی آگ کو اس کا ثبوت سمجھتے کہ اس میں مشیت الٰہی شامل ہے کہ وہ لوگ جو پیغمبروں سے بے اعتنائی برتتے ہیں ان کی بدایت اور تطہیر کی جائے۔ محمدؐ نے سادہ زبان میں اہل سدوم کو''اہل لوطؒ'' کہا یعنی لوطؑ کے ہمسائے۔ اس عجیب وغریب تعلق کے ذریعے یعنی اغلام بازی کو عموماً سادہ عربی زبان میں ''لواطؒ'' کہا جاتا ہے۔ جو لوطؑ سے مشتق ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم جنس پرست کے لئے لوطی کہا جاتا ہے۔ لغواً ''لوطیت'' قرآن میں محمدؐ نے ''اپنے لوگوں'' میں مردوں کی ہوس کرنے والوں سے کہا کہ یہ ایسا مذاق تھا جسے ''قابل نفرت'' کہا۔ اور خدا کی جانب سے یہ کہا کہ اس نے انہیں ایسے سنگ ریزوں سے تباہ کردیا جو مٹی کے تھے مگر انہیں آگ میں پکایا گیا تھا تب انہیں آسمان سے گرایا گیا۔

تاہم ان پر سزا کی حدود مقرر کرتے وقت قرآن میں ان کی سفا کی 'احبار' سے کمتر رکھی۔ بدکار عورتوں کو ان کے گھروں میں بند رکھنے کے احکام کے بعد محمدؐ نے یہ اضافہ کیا ''اور پھر تم دونوں (مردوں) کے لئے جو اس کے مجرم ہیں، دونوں کو سزا دو۔ اور اگر وہ توبہ کرلیں اور بہتر ہو جائیں۔ انہیں اس کا موقع دو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔'' لیکن راسخ العقیدہ مسلمانوں کے لئے محض قرآن ہی واحد سند نہ تھی۔ احادیث بھی تھیں۔ جو محمدؐ کے اقوال تھے جو پانچ ضخیم جلدوں میں نویں صدی عیسوی میں شایع ہوئیں۔ ان میں ایک میں فرمان موجود ہے کہ مغلم (فاعل) اور اغلامی (مفعول) دونوں کو سنگسار کردیا جائے۔ یہ ایسا خیال ہے جس نے اسلامی قوانین کو لازماً متاثر کیا ہے۔

صاحب فقہہ مالکؒ (مدینہ) (وفات ۷۹۵ء) جن کی فقہ بالآخر اسپین اور شمالی افریقہ کی بالا دست فقہہ ٹھہری اس نے موت کی سزا کی توثیق کردی۔ اسی طرح ایک اور اہم فقیہ نے ایسا ہی کیا۔ یعنی ظاہری شرع کے امام ابن حنبل (و۔۸۵۵ء) دیگر لوگ جو مقابلتاً نرم دل تھے انہوں نے سزا میں تخفیف کرکے درّوں کی سزا کردی جو عموماً سو تک ہوتی۔ بربریت والی سزایں محمدؐ کے بعد ہونے والے خلفاء نے عاید کیں۔ ابوبکرؓ جو رسولؐ کے ہمراز

تھے اور پہلے مسلم خلیفہ (۶۳۲-۶۳۴ء) نے پہلی مرتبہ جلانے کی سزا دی اور ایک سزا یافتہ کو ایک دیوار کے ملبے میں دفن کرادیا۔ (جدید افغانستان میں اسی سزا کو طالبان حکمرانوں نے نئی حیات دی اور اسے نئی شکل دی۔ کہ ملزم پر بل ڈوزر سے دیوار گرادی گئی)۔ محمدؐ کے داماد علیؓ جو چوتھے خلیفہ بنے (جنہیں بعد ازاں معصوم اور نیم الوہی۔ جو شیعہ سمجھتے ہیں) انہوں نے ایک مجرم کو کسی مینار سے سر کے بل گروادیا تھا اور دیگر کو سنگسار کیا گیا۔ اس طرح ابتدائی عدالتی نظریے کے تحت اور روایات کے مطابق۔ عہد نامہ عتیق کی درشتگی نے کم از کم نظریات کی حد تک اسلام کے قانونی نظام پر بالادستی حاصل کرلی۔

اسلامی تمدن کے دیگر مقامات تک تاہم شہادتیں قطعاً متضاد ہیں۔ مقبول رویے کہیں زیادہ قابل قبول رہے بمقابلہ مسیحیت کے اور یورپ سے آنے والے لوگ عربوں، ترکوں اور ایرانیوں میں پائی جانے والی رواداری دیکھ کر ششدر رہ جاتے۔ جب لڑکوں اور مردوں میں ہونے والے عشق میں کوئی غیر فطری چیز نہ نظر آتی۔ اس اہم تمدنی اختلاف کی تہہ میں ایک روحانیت رواں دواں ہے جو عہد وسطیٰ سے عربوں کی تمام دستاویزات میں موجود ہے جو عشق پر لکھی گئی ہیں۔ مسلم مصنفین میں جذباتی ترنگ عورتوں ہی کے عشق سے نہ جنم لیتی جیسا کہ گلی کوچوں میں گھوم کر نغمہ سراؤں سے ہوتی بلکہ اس کا باعث مردوں کا عشق بھی ہوتا۔

عرب عشاق کا خیال تھا کہ افلاطونی عشق ایک بامعنی اور باثروت تجربہ ہوتا ہے اور عشق برائے عشق ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے ان افکار کو اپنے عقاید سے کیونکر ہم آہنگ کرتے۔ انہوں نے یوں کیا کہ ایک حدیث سے مدد لی جو پیغمبر سے منسوب کی جاتی ہے۔ ''وہ جو عشق کرتا ہے، پارسا رہتا ہے اور اپنے راز کو راز ہی رکھتا ہے اور مرجاتا ہے تو اس کی موت ایک شہید کی موت ہے۔'' اس عشق کو کسی صنف سے محدود نہیں کیا گیا۔ عراقی ادیب جاحظ جس نے عشق کے موضوع پر افراط سے لکھا اس نے ایک قانون پیش کردیا کہ عشق یا جنونی محبت صرف مرد اور عورت میں پروان چڑھ سکتی ہے۔ لیکن ابن داود جو اسی سال پیدا ہوا جس سال جاحظ کی موت ہوئی تھی۔ (۸۶۸ء) اس کا بھی امکان ظاہر کرتا ہے جب اپنی کتاب (کتاب الزہرا) میں یہ کہتا ہے کہ مردوں کے درمیان بھی عشق ہوسکتا ہے۔ اور یہ خیال بعد

کے عرب تمدن میں جاری وساری رہا۔ ابن داؤد ایک عالم فاضل فقیہہ اور ادیب بھی تھا۔ لیکن ایک روایت کے مطابق جس کا بارہا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اسے محمد بن جامی سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا (جس کے نام اس نے اپنی کتاب بھی معنون کی تھی) اسی نے اسے ''شہید محبت'' بنادیا۔ یہ کہانی کسی دوست نے کچھ یوں سنائی۔

''میں ابن داؤد سے ان دنوں ملنے گیا جب وہ بیمار تھا جس میں اس کی موت بھی ہوگئی اور میں نے اس سے کہا ''تمہاری کیسی طبیعت ہے'' تو اس نے جواب دیا۔'' تم اسے جانتے ہو جس کے عشق نے مجھے اس حال پر پہنچادیا ہے۔'' تس پر میں نے اس سے کہا۔'' وہ کونسی شئے ہے جو تمہیں اس سے متمتع ہونے سے روکتی ہے جب کہ تم میں سب کچھ کرنے کی طاقت بھی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔'' لطف اندوزی کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ آپ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کی اجازت ہو اور دوسری دزدیدہ خوشی۔ جہاں تک ٹکٹکی باندھنے کا تعلق ہے اسی نے مجھے اس حال میں پہنچایا ہے جو تم دیکھ رہے ہو اور جو دزدیدہ خوشی ہے اس کے متعلق میرے والد نے کچھ نصیحت کی تھی وہی مانع ہے۔'' اس نے کہا۔۔۔ پیغمبرؐ کا حکم ہے'' وہ جذباتی انداز میں عشق کرتا ہے اور اپنے راز کو صیغہ راز میں رکھتا ہے اور پارسا بھی رہتا ہے اور صابر بھی تو خدا اس گناہ سے عفو کرے گا اور اسے جنت میں داخل کردے گا۔۔۔ اور وہ اسی رات میں وفات پا گیا یا شاید اگلے دن۔''

یہ دونوں روایات یعنی تعزیری یا تخیلی عربی اسپین کے ادب میں ملتی ہیں۔ بالخصوص ان تحریروں میں جو تصور عشق کا سب سے بڑا نقیب ہے: الجاحظ۔ ابن حزم قرطبہ میں ۹۹۴ء میں پیدا ہوا تھا جو وہاں بنی امیہ کے آخری ایام تھے۔ اس کا والد کسی سیاسی عہدے پر فائز تھا مگر اسے اس وقت فرار ہونا پڑا جب ۱۰۱۳ء میں بنی امیہ کا تختہ الٹ دیا گیا۔ بعد کی زندگی میں ابن حزم بہت مشہور ہوا۔ اور متنازع بھی۔ بطور فقیہہ اور بین المذاہب مطالعے پر ایک قابل ذکر مقالہ لکھنے کی وجہ سے لیکن ۱۰۲۲ء اور ۱۰۲۷ء کے لگ بھگ اس نے عشق پر ایک مقالہ تحریر کیا جسے شاعرانہ انداز میں قلم بند کیا جو عرب مصنفین کا مرغوب طریقہ تھا۔'' فاختہ کی گردن کا چھلہ جو عشق اور عاشقوں کے متعلق ہے'' وہ ۱۰۶۴ء میں مرگیا اکویٹین کے ولیم ۔ ۹

کی پیدائش سے سات برس پہلے۔ جو گلی کوچوں میں عشقیہ کلام کہہ کر سنانے والوں کا امام ہے۔

ابن حزمؔ روایتی انداز میں مسلم عبادت سے اپنی کتاب کا آغاز کرتا ہے اور جلد ہی مذہبی بنیادوں پر کتاب شروع کرنے کے لئے صفائی پیش کرنے لگتا ہے۔ ''عشق کو مذہب مسترد نہیں کرتا اور نہ ہی قانون کی نظر میں اس کی ممانعت ہے کیونکہ ہر دل خدا کی مٹھی میں ہے'' یعنی عشق تو طبیعت کا حصہ ہے ''جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے'' بعد میں وہ قدرے مدافعتی انداز میں اس کی توضیح کرتا ہے۔ ''یہ کسی بھی مسلم کے لئے مناسب ہے کہ ان چیزوں سے اجتناب کرے جن کی اللہ نے ممانعت کی ہے اور وہ باتیں جس کا اسے جی چاہے تو اسے یوم آخرت کا حساب دینا ہوگا اور وہ ان کا مورد الزام ٹھہرایا جائے گا۔ مگر حسن کی تعریف کرنا اور عشق سے مغلوب ہو جانا۔ یہ ایک فطری امر ہے اور اس کی کسی ربانی حکم میں ممانعت ہے اور نہ پابندی۔ ابن حزمؔ ہمیں اطمینان دلاتا ہے کہ ''وہ اہل صفا اور عقاید کے ماہرین علم جو ماضی میں گزرے ہیں اور ماضی بعید میں گزرے ہیں۔ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں ان کے عشقیہ کلام ان کے جذبات اور عشق کے مسلک ثبوت ہیں۔ اس لئے وہ مزید کسی توجہ کے مستحق نہیں ہیں۔'' بطور ثبوت کے وہ کئی نام اور اماموں کا ذکر کرتا ہے اور مدینہ کے قاضیوں کا بھی۔

یونانیوں کے برعکس ابن حزمؔ عشق کو اس لئے ارفع قرار نہیں دیتا کیونکہ اس کے لئے جرأت، خوبیاں اور دانش کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مت ماری جائے۔ یہاں پر اپپی کیورسؔ کی تشخیص جس میں اس کی ملامت شامل نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ عرب ماہر نفسیات عشق کو ''ایک پر کیف روگ ایک مرغوب بیماری کہتا ہے۔ جو بھی اس سے مامون ہے نہیں چاہتا کہ صحت مند رہے اور جو اس کا ستم رسیدہ ہے وہ نجات نہیں چاہتا۔'' ابن حزمؔ کا یہ اصرار ہے اور قریب قریب یوں لگتا ہے جیسے وہ اس کی رغبت رکھتا ہو اور اس کے مزاج میں ایذا پسندی کا عنصر ہے۔ ایک مبتلائے عشق دوست اسے ڈانٹتا ہے جب وہ اس کی شفایابی کی دعا کرتا ہے اور ایک شخص جو اس کا ہم مرتبہ ہے اس پر مسرور ہوتا ہے جب قاصد لڑکا یہ دیکھتا ہے تو اسے فریفتگی سے تھپتھپاتا ہے۔

ابن حزمؔ کا مقالہ ہمیں ہم جنس پرستی پر عرب ہسپانوی رویے کے متعلق کیا بیان کرتا ہے۔'فاختہ کی گردن کا چھلہ' چھوٹے چھوٹے واقعات پر مبنی عمومی نظریات کا ایک آمیزہ ہے جو مصنف کے اپنے مشاہدات کا حاصل ہے۔ شاید دس میں سے نو واقعات مردوں کے عورتوں سے عشق پر مبنی ہیں خصوصاً حسین کنیزوں کے قصوں پر اس کے باوجود ابن حزمؔ تواتر سے بیچ میں ایسی کہانیاں چھیڑ دیتا ہے جن میں مرد دیگر مردوں کے عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں جیسے ہم جنس پرستی والا عشق نفسیاتی طور پر دگر جنسی عشق سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہے۔ ارسطو، پلوٹارکؔ اور آموریس کے مصنف نے بڑی وضاحت سے دونوں عشق میں خط امتیاز کھینچا ہے۔ لیکن ابن حزمؔ ایک کہانی میں جس میں ایک مرد ایک کنیز پر فریفتہ ہو جاتا ہے اسے چھوڑ کر مردوں کے مابین عشق کا ذکر شروع کر دیتا ہے اور ایک لفظ نہیں کہتا جس سے لگے کہ دونوں جدا نوعیت کے ہیں۔

محض تضاد دکھانے کی خاطر دیکھیے کہ ایک مسیحی مصنف بنام آندریز کاپل لانسؔ جس نے اپنا مشہور مضمون جو درباری محبت کے متعلق تھا اور جو اس نے ڈیڑھ سو برس کے بعد ولیم ۔۹ کی پوتی ماریا ڈی شمپیں کے دربار کے بابت لکھا تھا۔ اپنے دوسرے باب میں آندریز بڑی صراحت سے یہ بیان کرتا ہے جس میں عہد وسطی کے یورپ کے عقاید بیان کئے گئے ہیں۔ عشق کے متعلق جو سب سے اہم نکتہ قابل غور ہے یہ ہے کہ یہ صرف مختلف اصناف کے دو افراد میں ہو سکتا ہے۔ دو مردوں یا دو عورتوں کے درمیان اس کا وجود ناممکن ہے۔ ایک ہی جنس کے دو افراد اس لئے نہیں پیدا ہوئے کہ ایک دوسرے کے عشق کا جواب دیں یا پھر اس غیر فطری عمل میں حصہ لیں۔ جن چیزوں کی قدرت نے ممانعت کی عشق انہیں بغل گیر کرنے میں شرماتا ہے۔ بعد کے مصنفین جو پاریینیزؔ کے شمال میں گزرے ہیں بڑی گرم جوشی سے فی الفور متفق ہو جائیں گے۔ جسے ہم لوگ ابن حزمؔ کا تخیلی دو جنسیا عشق کہتے ہیں یہ سب ان لوگوں کے لئے قطعاً ناقابل فہم ہو گا۔

ہمیں چاہیے کہ اس فہم وفراست کی خوشہ چینی کریں کہ کس طرح ابن حزمؔ نے اور اس کے دیگر ہم مذہب لوگوں نے مردوں کے مابین عشق کو بالواسطہ اپنی کہانیوں اور نظموں میں قبول کیا۔ عربوں کی شایستگی اور احتیاط کما حقہ واضح ہو جاتی ہے جب ابن حزمؔ کی کہانیوں

میں مرد حضرات اپنے عشق کے متعلق بالکل خاموش رہتے ہیں۔ عرب سماج میں یہ نامناسب سمجھا جاتا تھا کہ دو صاحبان اپنے عشق کا برسر عام اظہار کریں۔ اس کے برعکس مثال کے طور پر قدیم یونان میں یا پھر ٹوکوگاوا کے جاپان میں۔ اگر چہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ امر انتہائی رومان والا ہے اور معشوق کا نام لئے بغیر اس کا ذکر کیا جائے۔ یہاں پر ایک افلاطونیت دکھائی دیتی ہے جو افلاطون سے بڑھ کر افلاطون ہے۔ ایک باب میں جو ''شہدائے عشق'' پر ہے ابن حزم یہ اشارہ کرتا ہے کہ چھ عشاق جو مر گئے یا قریب قریب مر گئے۔ دو عورتیں جو مردوں سے عشق کرتی تھیں، دو مرد جو عورتوں پر عاشق تھے اور دو اور ایسے مرد تھے جو مردوں ہی سے عشق کرتے تھے۔ یہ کہانیاں ملی جلی ہیں اور انہیں صنفی بنیاد پر نہیں مرتب کیا گیا۔ ایک کہانی میں تو ایک دوست کا ذکر ہے جس کی وہ اس کے علم کی وجہ سے تعریف کرتا ہے، ذاتی اوصاف اور اس کی وجاہت کی۔'' یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حسن تو اس کی اپنی آنکھوں اور پسند نے تخلیق کیا ہوگا۔ یا اس وجہ سے ایسا ہوا ہوگا کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں اس پر پڑنے سے آہیں نکلنے لگی ہوں گی۔'' وہ ایک دوسرے سے اس وقت جدا ہوئے جب بربر افواج نے قرطبہ پر دھاوا بولا۔ ویلینشیا میں جلا وطنی کے زمانے میں ابن حزم اس خبر سے افسردہ ہوگیا کہ ابن ال طوبانی کی موت ہوچکی ہے۔ جب ایک واقف نے ال طوبانی سے یہ دریافت کیا کہ اسے کس شے نے نحیف بنا دیا تو اس کا جواب یہ تھا۔

''صحیح ہے، میں تمہیں بتاؤں گا۔ میں اس وقت غادر ابن الشمس میں اپنے مکان کے دروازے پر کھڑا تھا یہ وہ وقت تھا جب علی بن حمود قرطبہ میں داخل ہوا تھا۔ اور اس کی افواج شہر کے اندر ہر جانب سے اڈی پڑ رہی تھیں۔ میں نے ان ہی میں ایک نوجوان کو دیکھا جس کا چہرہ بڑا جاذب نظر تھا۔ لیکن مجھے اس لمحے تک یہ یقین نہ تھا کہ اتنا زیادہ حسن کسی زندہ جسم میں یکجا ہوسکتا ہے۔ میری تو مت مرگئی اور میرا ذہن اسے دیکھ کر مارے خوشی کے خود پسند ہوگیا۔ میں نے اس کے متعلق جب دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ فلاں ابن فلاں ہے۔ اور فلاں ابن فلاں کا فرزند ہے۔ اور یہ فلاں فلاں اضلاع میں رہائش رکھ چکا ہے۔ ایک صوبہ جو قرطبہ سے بہت دور واقع ہے اور قریب قریب ناقابل رسائی دوری پر ہے۔ میں اس پر غمگین

تھا کہ اسے پھر نہ دیکھ سکوں گا اور زندگی بھر۔۔۔ میرے دل سے اس کی محبت کبھی
نہ جائے گی یہاں تک کہ میں مقبرے میں جا سوؤں گا۔'' اور پھر ایسا ہی ہوا۔

دونوں یعنی ابن حزم کا واقعہ اور اس کی نظمیں جن میں سے وہ بڑی ڈھٹائی سے اپنے مجموعے، فاختہ کی گردن کا چھلہ، میں مسلسل حوالہ دیے جاتا ہے۔ اسے کوئی ایسی چیز دکھائی دیتی ہے جو اس کے اپنے ہوسناک احساسات ہوں۔ اس کا سب سے بڑا جذبہ لگتا ہے صرف ایک تھا جس کا تجربہ اسے اس وقت ہوا جب سولہ سال کی عمر میں اس کا واسطہ ایک کنیز سے پڑا۔ لیکن کئی نظمیں دوسرے مردوں کے لئے اس کے احساسات کا منہ چڑاتی ہیں۔ اگرچہ ابن حزم کی شاعری بہ مشکل تک بندی سے اوپر ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن اس کا پیش پا افتادہ پن ہدایات سے معمور ہے۔

اگر وہ لب کشائی کرے، ان سب میں جو میرے ہم جلیس ہیں تو میں سنتا ہوں۔
صرف اس دلربا کے دلنشین کلمات

چاہے اہل ایمان کا شہزادہ بھی میرا ہم نشین ہو، تو بھی میں نہ مڑوں گا اپنے محبوب کی جانب سے

اور اگر مجھے اس سے رخصت ہونے پر مجبور کیا گیا تو میں مڑ مڑ کر دیکھتا جاؤں گا اور (ایک چوپائے کی طرح) لنگڑاوں گا جس کے کھر میں چوٹ لگی ہو۔

میری نظریں تو اسی پر گڑی رہیں گی اگرچہ میرا جسم رخصت ہو چکا ہوگا۔ جیسے کوئی ڈوبتا ہوا شخص گہرے سمندر میں سے ساحل کی جانب دیکھتا ہے۔

اپنی پارسائی کی ضمانت دینے کی خاطر ابن حزم ہمیں یہ اطمینان دلاتا ہے بڑی سادہ لوح سادگی سے ''میں تو قطعاً بے گناہ ہوں اور پوری طرح ثابت قدم اور بلا کسی سرزنش کے۔۔۔ اور میں خدا کی قسم کھاتا ہوں اور صمیم قلب سے حلفیہ کہتا ہوں کہ میں نے کبھی اپنی جانگیہ اس غرض سے نہیں اتاری تا کہ ناجایز جنسی فعل کروں۔ اس کے باوجود وہ تسلیم کرتا ہے کہ اسے خوبصورت مرد لہلوٹ کر دیتے اور گناہ گار ہونے سے بچنے کے لئے وہ ایک ایسی محفل میں جانے سے احتراز کرتا ہے جہاں اس شخص سے آمنا سامنا ہونے کا اندیشہ تھا جو اس کے لئے بہت پرکشش تھا۔ اپنی آخری بات میں ابن حزم عشق کے اخلاقی، مذہبی اور

قانونی پہلووں کا تجزیہ کرتا ہے جو مسلم تمدن میں بلاشبہ یکساں تھے۔ وہ فسق و فجور کے کئی واقعات کو بیان کرتا ہے جو ''گناہ کے پاجی پن'' میں پڑ کر ہم جنس پرست ہو گئے۔ اس کے بیان کے مطابق ایک ممتاز عالم دین اس لئے رسوا ہو گیا کیونکہ اس نے کسی لڑکے سے تعلقات کھلم کھلا جاری رکھے۔ ایک اور عالم جو ایک مسلم فرقہ کا سربراہ رہ چکا تھا ایک مسیحی لڑکے پر اس بری طرح سے فریفتہ ہوا کہ اس نے ایک خبیث اقدام کیا۔ اس نے ایک علمی مقالہ لکھا جس میں عقیدہ تثلیث کی حمایت کی۔ لیکن سارے عرب ابن حزمؔ کی طرح بال کی کھال نکالنے والے نہ تھے۔ ایک دولتمند کاروباری آدمی کے مکان پر دو مہمان تواتر سے اٹھ کر تنہائی میں ملنے چلے جاتے۔ جب ابن حزمؔ نے اس حرکت پر اپنی ناخوشی ظاہر کی۔ اپنی فطرت کے مطابق، ایک نظم سنائی۔ تو میزبان نے اسے نظر انداز کر دیا۔

یہ باب بھی چپٹی والیوں سے پر ہے جس میں اس نے پہلی اور آخری مرتبہ ان کا حوالہ دیا۔ ''میں ایک مرتبہ ایک ایسی عورت سے ملا'' وہ ہمیں بتاتا ہے ''جس نے اپنی الفت کو اس طرح ارزاں کیا تھا جن سے بزرگ و برتر اللہ خوش نہیں ہوتا۔'' لیکن اس کا عشق بدل کر ''ایسی عداوت میں ڈھل گیا جسے نفرت کہیں تخلیق کر سکتی نہ ہی انتقام اور یا پھر باپ کا قتل اور نہ ہی ماں کو محبوس کرنے سے۔ اس کی یہ عادت ہے کہ ان سب سے جو قابل ملامت عادتوں میں مبتلا ہوتے ہیں اللہ کی یہ عادت ہے کہ ان سب سے جو قابل ملامت عادتوں میں مبتلا ہوتے ہیں نفرت کرتا ہے۔ مگر اسلامی حوالہ جات بظاہر ہمیشہ سیفوویت کی لعنت ملامت نہ کرتے۔ کم از کم درجن بھر ایسے معاشقے ضرور ملیں گے جن میں عشاق عورتیں تھیں اور جن کا ذکر کتاب الہند The Book of Hind میں کیا گیا ہے مصنفہ خود بھی ایک چپٹی باز تھی (ا)۔ نویں صدی عیسوی میں ایک نایاب رسالہ شایع کیا گیا جس کا نام ''چپٹی بازی پر ایک مقالہ'' (کتاب السہاکت) اور بعد میں عربوں کی ہوس سے متعلق ادبی کتابوں میں اس موضوع پر باب ہوتے۔ اس مقام پر تحقیق کرنے کے لئے ہم للکارتے ہیں۔

اسلام میں اخلاقی مسایل ناگزیر طور پر مسئلہ قانون بھی ہوتے۔ یوں ابن حزمؔ کے ابواب جو جنسی گناہ کے تھے ان میں مختلف قسم کی سزائیں بھی درج ہوتیں جو مذہبی روایات کی

متعین کردہ ہوتیں۔ وہ ابوبکرؓ کی بھی ایک کہانی دھراتا ہے جس میں انہوں نے ایک مفعول بننے والے کو زندہ جلوا دیا تھا۔ جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ پہلے خلیفہ نے ایک ایسے شخص کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ "جس نے محض ایک نوجوان کو اس وقت تک لپٹائے رکھا جب تک وہ جھڑ نہ گیا۔" فقیہہ امام مالکؒ نے اسی طرح ایک امیر کی بہت تعریف کی جس نے ایک نوجوان شخص کو پیٹ پیٹ کر اس لئے مار ڈالا کیونکہ اس نے ایک اور شخص کو اسی طرح بغل گیر ہونے کا موقع دیا۔ لیکن ابن حزمؒ کی نظر میں یہ سب کچھ زیادتی تھی اس کی دانست میں دس کوڑے کافی ہوتے۔ اگر چہ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ یہ قدامت پسندانہ رائے نہیں ہے۔ جہاں تک گانڑ مارنے کے پورے عمل کا تعلق ہے وہ امام مالک کے احکام بطور نظیر پیش کرتا ہے کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے۔ لیکن وہ یہ بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے کہ وہ اس سے متفق ہے یا نہیں۔

مذہب کے ان درشت قوانین کی فضا میں اور خیالی دنیا کی آرزو کے عروج کے زمانے میں مرد عشق کرتے اور اپنے احساسات کو کھلم کھلا اور پر جوش نظموں میں بیان کرتے۔ اور بالاعلان اپنی پارسائی کے لئے احتجاج کرتے۔ شاید یہ جوش و خروش محض شاعرانہ رعایت تھی۔ شاید اسی طرح چند احتجاجوں میں اخلاص بھی ہوتا۔ کبھی کبھی ان معاملات میں معروف حکمران بھی ملوث ہو جاتے۔ خلیفہ عبدالرحمان۔ سوم جس نے قرطبہ پر اس زمانے میں حکمرانی کی جب خطہ سیاسی اور تمدنی معاملات میں نصف النہار پر تھا (۹۲۹۔ ۹۶۱ء) اس کا دل ایک یرغمال مسیحی نوجوان پر آ گیا جس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا نتیجے میں اسے نہایت بربریت کے ساتھ قتل کرا دیا گیا۔ لڑکے کو پاپائے روم نے سینٹ پیلاگیسؔ کے مرتبے پر سرفراز کر دیا یوں وہ ایک بیانیہ نظم کا شہید ہیرو بن گیا جسے جرمنی کی راہبہ روز ویتھاؔ (جو ہم عصر تھی) نے کہا تھا۔ جس نے عربوں کی ہوس رانی کی مذمت کی اور مسیحی پارسائی کی رفعت بڑھائی۔

ماہر تعمیرات بیلیس لیٹرسؔ اور علم کی جستجو قرطبہ میں عبدالرحمانؔ بن حاکم۔ دوم کی حکمرانی میں فروغ پا رہی تھی جو ان سب کا بے تاب اور خوش مذاق مربی تھا۔ اپنی نوجوانی میں لگتا ہے جیسے اس کے تمام معاشقے ہم جنس پرستی پر مبنی تھے۔ اس جنسیاتی یک رخی میں

ایک مسئلہ بھی پوشیدہ تھا کیونکہ ہر نئے خلیفہ پر یہ لازم تھا کہ وہ ایک وارث بھی پیدا کرے۔ ہمیں جیسا کہ بتایا جاتا ہے کہ اس الجھن کا یہ حل تلاش کیا گیا کہ وہ ایک داشتہ رکھ لے جو لڑکوں کی طرح کپڑے پہنتی اور اسے ایک مردانہ نام دے دیا گیا۔ جعفر۔

المعتمدؔ کا عشق ابن عامرؔ سے ہوگیا جس پر سیول کا امیر اور اس کے عہد کا لاجواب اندلسی شاعر بھی عاشق تھا طویل دوستی ایک مناقشے پر ختم ہوئی۔ المعتمدؔ عورتوں کا بھی رسیا تھا مگر مردوں کا بھی شوقین تھا۔ اس نے ایک ساقی کے لئے لکھا ''انہوں نے اس کا نام شمشیر رکھا تھا لیکن دو اور شمشیریں بھی ہیں جو اس کی آنکھیں ہیں۔۔۔ اب ہم دونوں ہی آقا ہیں اور دونوں ہی غلام: ابن عامر کے لئے اس کا عشق بہت مشہور ہوا اور اندلسی معاشقوں کی تاریخ میں ایک المناک انجام۔ المعتمدؔ کو ۱۰۵۳ء جب وہ تیرہ برس کا تھا اس کے باپ نے سلویز صوبے کا برائے نام گورنر مقرر کردیا۔ اور اس نے ابن عامرؔ کو جو اس سے نو برس بڑا تھا اس کا وزیر مقرر کردیا۔ کہانی یوں بیاں کی گئی ہے کہ ایک رات شراب اور شاعری کی محفل کے بعد وہ اس پر ایسا لہلوٹ ہوا کہ اس نے ابن عامر سے بہ آواز بلند کہا '' کہ امشب تم میرے ساتھ ایک ہی تکیے پر سو گے۔'' اس نے ایک نظم جو اس نے المعتمدؔ کے والد کو بھیجی جس میں ابن عامر کہتا ہے۔

شب وصل یکجائی کیا تھی خوشبو کا جھونکا تھا
میرے لئے اس کی ہم آغوشی صبحوں کی مہک تھی
میرے آنسو تو اس حسین گلشن پر یوں تیر رہے تھے جیسے
اس کے رخسار ولایتی حنا اور کنول کو شبنم کی طرح دھو رہے ہوں

لگتا یہ ہے کہ شہزادے کے والد کو اس کا عام آدمی سے ایسا تعلق پیدا کرنا ناگوار گزار کیونکہ اس نے انہیں جدا کرنے کی خاطر شاعر کو ملک بدر کردیا۔ لیکن تخت نشینی کے بعد المعتمدؔ نے ابن عامر کو ایک بڑے سیاسی اور فوجی عہدے سے سرفراز کیا۔ ایک مشہور کہانی جسے ماننے کو جی نہیں چاہتا یہ بتاتی ہے کہ جب وہ دونوں ایک بستر میں سو رہے تھے تو شاعر نے خواب میں دیکھا کہ اس کا عاشق اسے قتل کرنے جا رہا ہے اس لئے وہ موقع سے فرار ہوگیا۔ اسے بادشاہ نے بہلا پھسلا کر واپس بلالیا اور یہ یقین دلایا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ لیکن

بعدازاں دونوں میں سخت جھگڑا ہوگیا۔ بالآخر جب ابن عامر اس کے ہتھے چڑھا تو معمول کے مطابق انسان نواز اور فیاض معتمد نے اسے معاف کردیا اور جب ابن عامر نے اپنی معافی پر بڑے فاتحانہ انداز میں شیخی بگھاری تو معتمد نے چراغ پا ہوکر اسے تختہ دار پر کھینچا اور پھر اسے اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد وہ روتا رہا جیسا کہ صدیوں پہلے سکندر ہیفشن کے لئے رویا تھا۔ اور اس کے بعد اس کے شایان شان جنازہ اٹھایا۔''

تقریباً ہر ہسپانوی۔عرب شاعر کے کسی بھی دیوان میں ایسی عشقیہ نظموں کی کثرت ملے گی جن میں مردوں نے دیگر مردوں سے عشق کو بیان کیا ہے۔

شہوانی شاعری اندلس میں پہلی مرتبہ قرطبہ کے شہر میں عبدالرحمان۔ دوم (۸۲۲۔۸۵۲ء) کے عہد میں پروان چڑھی۔ اس کا پوتا عبداللہ (۸۸۸۔۹۱۲ء) نے شہوانی اشعار ایک ''آہو چشم کے قدموں میں لوٹا تھا'' قلمبند کیے۔ ابن عبدابیہی جو عبداللہ کے دربار میں ایک آزاد کردہ شاعر تھا۔ ایک نوجوان کے متعلق احساس بندگی میں لکھتا ہے ''میں نے اسے وہ سب کچھ دیا جو اس نے مانگا اور اسے اپنا آقا جانا۔۔۔ عشق نے تو میرے دل کو زنجیروں سے جکڑ لیا ہے جیسے کوئی گڈریا اونٹوں کے بیڑیاں ڈالتا ہے۔'' الرمازی جو دسویں صدی میں قرطبہ کا ممتاز ترین شاعر تھا وہ ایک زنگی غلام کے عشق میں مبتلا ہوگیا۔ یہاں پر ہم پھر سے شعوری طور پر کرداروں کا ادل بدل دیکھتے ہیں۔ ''میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور مست ہوگیا۔۔۔ میں تو اس کا غلام ہوں اور وہ میرا مالک'' آگسٹن کے روم میں لاطینی شعرا اسی طرح عشقیہ نظموں میں غلام لڑکوں کو خطاب کرتے مگر ایسی لجاجت نہ ہوتی۔ یہ اندلسی شاعر اپنی بے توقیری کر کے نہایت قریب سے ڈول ڈال رہے تھے جو فرانس میں نہ قرون وسطیٰ میں رومان پسند شہسواروں کی شاعری میں ظاہر ہونے والی تھی۔

قرطبہ میں بنی امیہ کے زوال کے بعد عرب اسپین۔ ہلاکت کی حد تک کمزور پڑ چکا تھا۔ منتشر ہوکر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ لیکن اس سیاسی افراتفری کے باوجود گیارہویں صدی کے جزیرہ نما آئبیریا میں عربی شاعری کا سنہری دور تھا۔ عشقیہ نغمے

الموراوض حکمرانوں کے عہد حکومت (۱۰۹۰ء۔ ۱۱۴۵ء) میں اور المحد (۱۱۴۵ء۔۱۲۲۳ء) حکمرانوں کے زمانے میں چشموں کی طرح ابلتے رہے جن میں ہم جنس پرستی والے اشعار بھی شامل ہوئے۔ اس شاندار عہد کا سب سے زیادہ مانا ہوا نغمہ نگار ابن قزمانؔ (۱۰۸۰ء۔۱۱۶۰ء) تھا۔ اسے قرون وسطیٰ کے عظیم ترین شعرا میں سے ایک کہا جاتا تھا۔ وہ ایک گستاخ بانکا تھا اور فرانکوایز ولّونؔ کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ اس نے شگفتہ اور روزمرہ کی زبان میں غزلیں کہیں جو انداز بیان میں کلاسیکل عربی شاعری کی عروض سے بالکل ہٹ کر تھیں۔ وہ طویل قامت سفید فام اور سنہری بالوں والا اور نیلگوں آنکھوں کا مالک تھا۔ ابن قزمانؔ نے نہایت اوباش زندگی بسر کی جو ہارون الرشید کے بغداد میں یار غار اور مصاحب ابونورسؔ سے ملتی جلتی تھی وہ بھی بے شرمی سے اپنی امرد پرستی کا کھلم کھلا ذکر کرتا تھا۔ مختصراً اور مجمل مصرعہ جات اور ہلیلجی بند ہوتے جو تقریباً ناقابل ترجمہ ہیں۔ وہ گلچھرے اڑاتا ''شراب، شادی شدہ زندگی کے باہر جنسکاری اور لونڈے بازی کرتا۔'' پروینس کے سرراہ نغمہ سرا شاعروں کی مانند وہ متکبر اور خلاف شان سمجھنے والے معشوقوں کا شکوہ کرتا جو اکثر مرد ہوتے ہیں مگر وہ مثالی عشق کے اور اخلاقی تقاضوں کا لحاظ کرنے والے لوگوں کا مضحکہ اڑاتا۔ تم ایک معشوق کے لئے کیا کہتے ہو جب وہ اور تم جب کوئی اور نہ ہو اور تنہا ہو اور قفل لگ جائے اور چابی کھو جائے۔ غربت کا مارا اس نے آخری ایام ایک مسجد کی امامت کر کے پورے کئے۔

فلسفی ابن باجہؔ جو لاطینی یورپ میں Avemapace کے نام سے پہچانا جاتا ہے وہ ہر پیمانے پر زیادہ قابل احترام شخصیت تھا۔ یہ وہی تھا جس نے اسپین میں ارسطویت کو متعارف کرایا و را بن رشدؔ کے لئے راہ ہموار کی۔ ہمیں شاعروں کا دیوان مرتب کرنے والا یہ بتاتا ہے کہ ابن باجہ نے ایک سیاہ فام غلام لڑکے کی موت پر جس پر وہ فریفتہ تھا اس نے ایک مرثیہ لکھا اور جو۔۔۔ بارسلونا میں مرا جس کا اسے بہت دکھ تھا۔ کئی اندلسی شاعری کے مولفین بارہویں اور تیرہویں صدی میں ایسے گزرے ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم ابن سعیدؔ (۱۲۴۳ء) کی تصنیف فاتحین کا مستولی جھنڈا (Pennants of the champions) کہا جاتا۔ نظموں کے اس انتخاب میں سے کچھ نظموں کا ترجمہ شاعری

کے عالم اے ۔ جے۔ آر بیریؔ نے کیا ہے۔محتاط برطانوی نے لگتا ہے جیسے ان نظموں سے پہلو تہی کی ہے جن میں جنسی تفصیلات بے کم و کاست بیان کی گئی ہیں۔لیکن اس کا انتخاب پھر بھی مردوں سے عشق کی ایک متنوع اقسام کی نظموں پر مشتمل ہے اور دیگر نغموں کا آمیزہ ہے۔ابن سعیدؔ جو غرناطہ کے نزدیک القلعہ لارئیل کے مقام پر پیدا ہوا تھا اس نے شاعروں کے کلام کا انتخاب شاعروں کی جائے پیدائش اور پیشوں کے مطابق مرتب کیا۔مردوں کی تعریف شہر سیولے، لزبن، قرطبہ، ٹولیڈو، غرناطہ، القلمہ، مورسیا، والینشیا، ساراگوزہ سے بلند ہوئیں۔جن کے خالق بادشاہ، سلطنت کے وزرا، علما، ادبا اور نوکر شاہی کے ارکان اس کے علاوہ پیشہ ور شعرا تھے۔اس سخن ساز شاعری کا ترجمہ ایک ناقابل تسخیر مہم لگتی ہے جس میں پیچیدہ لفظی تراکیب، جچا تلا کنایہ اور نازک ایہامات تھے جو صدیوں کا نچوڑ ہے اس کے علاوہ پیچیدہ قافیہ پیمائی اور سرحرفی تماثل سے بھرپور یہ نظمیں۔مغربی ذہن۔ کے لئے تو ایک طلسماتی سرحد پر پہنچنا ہے بلکہ نرالا لگتا ہے۔ایک ساقی کا نازک رخسار اتنا ہی نشہ آور ہے جتنا کہ ساغر کا ایک گھونٹ جو وہ پیش کرتا ہے۔ایک اور کی انگلیاں ارغوانی شراب میں یوں ڈوبی ہیں جیسے کہ اس بیل کے ہونٹ جو نرگسی نسل کے پھول سے زرگل چر رہا ہو۔احمد کے رخسار پر ایک تل یوں لگتا ہے جیسے ابی سینیا کا مالی گلاب کے تختوں پر محو خواب ہو۔ایک امرد کی محض اس لئے تعریف کی جاتی ہے کیونکہ کوئی بھی کائی کا ذرہ اس کے رخ روشن کو گہنا نہیں سکتا۔ایک اور کا اس لئے شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ اس نے چہرے پر ریش اگنے دی تھی کیونکہ یہ ایک ایسا نقاب ہے جو شاعر کو معشوق کی مسکراہٹ کی تلوار سے محفوظ رکھے ہے۔ تیرہویں صدی کے قرطبہ کے ایک شاعر نے مردوں کی تجارت کی پوشاک کو شاہی ملبوسات میں ڈھال دیا۔

> اس کا کام کھڑا رہنا ہے (جیسے کہ وہ کوئی گھوڑا ہو) اور اس طرح اسے اٹھائے پھرتا ہے (جیسے وہ سورما ہو) مگر میرا یہ سورما تو صرف ایک سوئی سے مسلح ہے۔اس کی مژگاں کی طرح طویل اور ان ہی کی طرح تابناک ذرا دیکھو تو پوشاک کی وہ کیسے بخیہ گری کرتا ہے۔میری دانست میں جیسے ٹوٹا ستارہ اپنے تعاقب میں ریشمی تاگے کی کرن لاتا ہے۔

وہ تاگے کو موڑتا ہے اور تاگہ میرے دل کے گرد لپٹتا جا رہا ہے۔
ہائے کہیں میرا دل اس کے پیچھے پڑ گیا ہے بالکل اسی طرح جیسے سوئی کے پیچھے
تاگا۔

اندلس کی عشقیہ شاعری میں ایسی افراط کا ایک حیران کن سبب یہ تھا کہ انہوں نے کلاسیکی عبرانی تحریروں اور یہودی شاعروں سے خوشہ چینی کی تھی۔ عبرانی زبان بطور بولنے والی زبان کے کئی صدیوں پہلے مر چکی تھی لیکن مسلم اسپین میں ادبی زبان کا احیا ہو گیا اور یہودی شاعری کا نشاۃ ثانیہ ہو گیا۔ اگر چہ قرون وسطی کی مذہبی یہودی شاعری کا کثرت سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ مگر ماضی قریب تک اس کی دیوانی شاعری پر بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں پایا جانے والا تخیل اور تصورات پر عرب اثرات کتنے گہرے ہیں۔ اب یوں لگتا ہے جیسے ان شاعروں نے بڑے جذبے سے عربی نظموں کی پیروی کی ہے جب لونڈے اور نوجوانوں پر شاعری کی گئی اگر چہ یہودیت کی ممانعتیں سدراہ تھیں۔ اس خلاف توقع انکشاف نے چند قدامت پسند یہودی علماء کو جزبز کیا۔ مگر اب ہسپانوی۔ عبرانی شاعری کے دفاتر جو مردانہ عشق پر دستیاب ہیں انہوں نے اس مسئلے کو ناقابل تردید بنا دیا ہے۔

عرب عہد کے سب سے زیادہ ممتاز عبرانی شعرا سولومن ابن گبریلؔ (۱۰۲۱۔ ۱۰۵۷ء) موزیز ابن عذراؔ (۱۰۵۵۔ ۱۱۴۰ء) اور جوڈا ہلیویؔ (۱۰۷۵۔ ۱۱۴۱ء) گزرے ہیں۔ ان سب پر پرستایش مقالات انسائیکلوپیڈیا جوڈایکا میں ملتے ہیں۔ موزیز ابن عذراؔ کو تو اکثر اسپینی عبرانی زبان کے مذہبی شاعروں میں سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔ تین کے تینوں موضوعات، مواد اور تخیل میں اپنے ہم عصروں کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور عبرانی بائبل میں غلطاں نظر آتے ہیں اور شہوانی بعید استعارہ استعمال کرتے ہیں جب وہ گانوں کے گانے اپنی نظموں میں مردوں کے لئے لکھتے ہیں۔ عرب شعرا تو بسا اوقات یہودی لونڈوں پر عشقیہ نظمیں کہتے اور اسی طرح یہودی شعرا یوں جواب دیتے کہ وہ خوبصورت مسلم لونڈوں سے اپنے عشق کو بیان کر دیتے۔ حالانکہ وہ محض بوس و کنار اور ہم آغوشی کا ذکر کرتے اور عربوں کی طرح جنسی معاملات میں صاف گوئی سے پرہیز کرتے۔ اپنے عرب

ہم عصروں کی طرح وہ اغلام کو ہرن کے بچے یا دلکش غزالوں کی طرح تصویر کشی کرتے جو اپنے روشن چہروں اور سیاہ زلفوں سے ان کے دلوں پر قابض ہوجاتے ہیں، راتوں کی نیندیں اڑادیتے ہیں اور اپنے مداحوں کو فریب کے ذریعے دھوکہ دیتے ہیں۔ معاملہ طے کرنے کے لئے ایک واقعہ کا بیان کافی ہوگا۔

> ایسے غزال جو اسپین میں ہوں۔ حیران کن صورت میں ہوتے ہیں انہیں حکومت ملی اور ہر چیز پر بالادستی بھی ملی وہ شباہت میں چاند جیسے اور قدوقامت میں حسین گھونگھریالے بال جوار غوانی ہیں اور پیشانی پر چمک رہے ہیں۔ یوسف کی طرح اس کا جسم اور اڈیوناح کی مانند اس کے بال، آنکھیں مثل داود، اس نے مجھے ارباح کی طرح ذبح کردیا اس نے میرے جذبات کو بھڑکا دیا اور میرے دل کو آگ میں بھسم کردیا۔

ہمیں اپنے ذہن میں نہ لانا چاہئے کہ یہودی فقیہہ ایسی باتیں درگزر کرتے تھے۔ قرون وسطیٰ کا سب سے بڑا یہودی عالم موسیٰ بن مامونؔ جسے ہم مغرب میں میمونائیڈز کہتے ہیں قرطبہ میں ۱۱۳۵ء میں پیدا ہوا تھا مگر اپنے خاندان کے ساتھ فرار ہو کر شمالی افریقہ چلا گیا جب اس کی عمر چوبیس سال تھی تاکہ بربر تعصب سے محفوظ رہ سکے۔ میمونائیڈز نے کٹر پنتھیوں کو اس وقت متعجب کردیا جب اس نے مصاحف میں مذکورہ معجزات کا حقیقت پسندانہ مطالعے کا تقاضہ کیا اور یہ استدلال کیا کہ عقاید کو دلیل کے متضاد نہ ہونا چاہیے۔ لیکن بطور صاحب اخلاق وہ نہایت راسخ العقیدہ تھا۔ اس نے صحایف پنجگانہ کی یوں تفسیر کی کہ ”کہ ہمیں وظیفہ زوجیت کو بالکل محدود کردینا چاہئے بلکہ اسے بہ نظر تحقیر دیکھنا چاہئے اور اس کی شاذ و نادر تمنا کرنا چاہئے۔ لونڈے بازی کی ممانعت (۱۸:۲۲ احبار) اور جانور چودی (۲۳۔ایضاً) نہایت واضح ہیں۔ اگر فطری طریقے سے اس فعل کا انجام دینا اتنا ہی بد ہے کہ صرف اس وقت کیا جائے جب سخت احتیاج ہو تو یہ کس درجے کی بدی ہوگی اگر خلاف وضع فطرت کی جائے اور وہ بھی محض مسرت کے لئے۔ میمونائیڈز کی پانچویں کتاب جو یہودی شرع پر زبردست تفسیر ہے جس کی شہرت بطور مشنا طورہ کے ہے یا پھر میمونائیڈز کا ضابطہ کہلاتی ہے یہ تعلیم دیتی ہے کہ یہودی شرع یہ چاہتی ہے کہ دونوں فاعل و مفعول ساتھی

جو ہم جنس پرستی کے رشتے میں ملوث ہوتے ہیں انہیں سنگسار کیا جائے۔

تیرہویں صدی اور اس کے بعد عرب اقتدار کو زوال آنے لگا یہاں تک کہ اس نے اپنی آخری چوکی جو غرناطہ میں تھی اسے ۱۴۹۲ء میں خالی کر دی۔ مگر اس کے شعرا لڑکوں سے عشق کے گن گاتے رہے جیسا کہ یوسفؔ۔ سوم کے معاملے میں ہوا جس نے الحمرا پر ۱۴۰۸۔۱۴۱۷ء تک حکومت کی اور مندرجہ اشعار کہے۔

اے یارِ من جس نے میرے دل کو نشانہ بنایا اور وہ بھی تیر نظر سے
دم واپسیں اسی کا دیدار کرا دو، جس کی آنکھیں آنسو کی دھاریں بنا رہی ہیں
کون ہے جو اس آہو چشم سے انصاف کا طلبگار ہو
جس کا جسم اتنا سبک ہے اور شاداب اتنا ہے جیسے شاخ زریں ہو
کس نے اسے دوری اور آدم بیزاری سکھائی۔۔۔؟
اس نے تو مجھے اپنے مژگاں کے سحر میں جکڑ لیا
اس کی اگر اجازت ہوتی۔ کہ وہ مجھ سے ہی نجات پا لے
تو میں اپنی آرزویں پوری کر لیتا چاہے اس میں مجھے اپنا کمر پٹکا ہی نہ کھولنا پڑتا

ہم کس طرح اس قانونی ۔ نغمے میں مستور پراگندہ ذہنی کو وضاحت کریں۔ جہاں ایک قومی مذہب اور پھلتا پھولتا دیوانی تمدن باہم پنجہ آزما ہوں۔ عربوں کا دعویٰ تھا کہ وہ ابراہیمؑ کے بیٹے اسماعیلؑ کی نسل سے ہیں اس لئے عبرانی بائبل کو مقدس کتاب مانتے اکثر قرآن کی سبقت بھی مانتے۔ یہ نسلی مذہبی تعلق اس بات کا ضامن بنا کہ اسلام میں یہودیت اور مسیحیت کے متعدد تعصّبات در آئے۔ لگتا یوں ہے جیسے ہم جنس پرستی عرب بدووں میں زمانہ جاہلیت میں مقابلتاً بہت کم تھی۔ یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ جنس کے متعلق عرب رویوں میں اس وقت تبدیلی آنے لگی جب انہوں نے زیادہ ترقی یافتہ اور دنیا دار سلطنتوں کو فتح کیا۔ خصوصاً ایرانی ساسانیوں کو۔ تمدنی نقطہ نظر سے عربوں پر فتح ایران سے وہی اثر پڑا جیسا کہ رومیوں پر یونان پر قبضے کے بعد ہوا تھا۔ اس نے ایک تقریباً قدیم سماج کو نمایاں طور پر ترقی یافتہ اور پر تعیش سماج سے ملا دیا۔ بدقسمتی سے حالانکہ ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ لونڈوں سے عشق بڑے زور شور سے مسلم۔ ایران میں پھلا پھولا۔ جس سے نہایت ولولہ خیز

ادب نے بھی جنم لیا۔ہمیں اس معاملے میں بہت کم معلوم ہے کہ عرب تسخیر سے پہلے ایرانی کس مذاق کے لوگ تھے۔ اور جو ہم تک پہنچا ہے وہ متضاد ہے۔ ژند اوستا (۵۵۰ء) جو زرتشیوں کی مقدس کتاب ہے نے اس کو ممانعت کی ہے اور سزائے موت کا حکم بھی دیا ہے۔لیکن کوئی سو سال بعد ہیروڈوٹس یہ بیان کرتا ہے کہ اہل ایران نے اس سلسلے میں یونانی وطیرہ اختیار کر لیا تھا۔

ایک چیز جو بلاشبہ فتح سے حاصل ہوئی تاہم اس سے نوجوان مرد غلاموں کی لین ڈوری لگ گئی۔ ایک نازک اور اہم اختلاف جو اسلام اور مسیحیت میں تھا وہ ان کا غلامی سے رشتوں کا تھا۔مسیحیت نے غلاموں سے جنسی تعلقات رکھنے کی ممانعت کر دی تھی۔ جب کہ مسیحیت کے برعکس جسے اس کی ابتدا کے پہلے تین سو برس تک سیاسی اقتدار نہ حاصل ہوا تھا۔ اسلام کو آغاز ہی سے بے محابہ فوجی قوت دستیاب تھی جس سے قوم کے بعد قوموں کو فتح کیا جاتا رہا۔ ایسے فاتحانہ سرور میں چند صاحبان اخلاق ایسے ضرور تھے جو فاتحین کو صوابدیدی اختیارات پر نکتہ چینی کرنے پر کمر بستہ رہتے جن میں عورتوں کو دستیاب جنسی حقوق بھی شامل تھے چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں اور ان کا تعلق لڑائیوں میں مفتوحہ مردوں سے ہوتا۔ ان مالک کل حکمرانوں کو جو خوش نصیبی کی طغیانی والی لہروں پر تیر رہے تھے۔ انہیں شاید یہ معقول بات لگی ہو کہ دلکش نوجوان اسیر جو مسلم نہ تھے انہیں بھی ہم بستری کے لئے ہم مرتبہ قرار دے دیا جائے۔ چند ماہرین شرع نے تو اس قسم کی جنسکاری کو مباح بھی قرار دے دیا۔

روم سے موازنہ واضح ہے اور کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ کیونکہ غلاموں سے لاتعداد معاملات عشق تاریخ اور شاعری میں اس خیال کے شمار سے باہر ہیں۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ابن داؤد اور ابن حزم کے حلقوں میں اور شاہی درباروں میں مرد تواتر سے اپنے دوستوں کے عشق میں مبتلا ہو جاتے ان میں شناسا ہوتے اور کبھی کبھار ہم پلہ اجنبی بھی ہوتے۔ ہم یہاں بھی یونان سے ملتی جلتی وضع پاتے ہیں۔ تاہم یہ معاملات میں اصرار مربی بننے پر نہ ہوتا جیسا کہ اسپارٹا اور ایتھنز میں دستور تھا بلکہ جذباتی تجربے پر زور دیا جاتا جس کی نیم مذہبی افلاطونیت کے پردے میں اجازت ہوتی۔ ان سب کے اوپر وہ عشق اور شہادت والی

حدیث تھی جس نے عشق کو ایک عظیم مرتبے پر فائز کردیا۔ مذہبی حمایت جو بے بہا انداز میں روحانیت کی پشت پناہی کررہی تھی جس نے فرانسیسی سرحد پاریئنس کو پار کرلیا اور قرون وسطی کے قدامت پسند پرونیس میں قدم جمالئے۔ مسیحی نقطہ نظر سے تعجب خیز چیز یہ تھی کہ عشق کی یہ مدح وثنا میں منفی امتیاز کی کوئی گنجایش نہ تھی۔ اس کا تعلق نظری طور پر مکمل عفت سے تھا جس پر اخلاقی ملامت کا امکان نہ تھا۔ صوفیوں کے صوفیانہ کلام میں، عالم کیف میں جب شاعری میں مرد معشوقوں کا ذکر ہوتا تو اسے اللہ سے لو لگانے پر محمول کیا جاتا۔ یوں مسلم مذہب نے متناقض انداز میں ممانعت کردی اس کے ساتھ اجازت دے کر ہم جنس پرستی کے جذبات کو ارفع بنا دیا۔ اس میں یہودیت اور مسیحیت میں قانون کی حد تک گہری مماثلت ملتی ہے لیکن اس نے اساسی طور پر ادبی، سماجی اور محبانہ ماحول میں بڑی رواداری کا اظہار کیا۔ جنسکاری کی ممانعت تھی لیکن اگر کوئی مرد کسی دوسرے مرد پر عاشق ہوجانے کا اعتراف کرلیتا پھر بھی اس کا احترام کیا جاتا اور تحسین کے قابل سمجھا جاتا۔ وہ مسلم تمدن میں کوئی اخلاقی عفریت نہ سمجھا جاتا نہ ہی مالک حقیقی کا غدار اور نہ ہی دھتکاری ہوئی ذات جس سے پوری قوم کو تباہی و بربادی کا سامنا ہو وہ بھی کسی غضبناک دیوی کے ہاتھ۔

کلیسائی قوانین کا فروغ:

دسویں صدی کی شدید افراتفری میں مسیحی یورپ کے بااختیار کلیسا نے اپنے ادبار کے دور میں نہایت کم تعداد میں کاونسلوں کا انعقاد کیا۔ اس کے باوجود اس عہد میں ایک نئی قسم کی دستاویز تیار کی گئی جو کہیں زیادہ عالمانہ مگر، توبہ اور کفارہ، سے بڑھ کر بااختیار تھی۔ جس نے ہمیں اس کا سراغ لگانے کی اجازت مرحمت فرمائی کہ ہم کلیسائی اتفاق رائے پیدا ہونے کے عمل کا سراغ لگائیں جو جنسکاری کے متعلق ہوا۔ یہ سب کلیسائی تعلیمات کا ایک بامراد خلاصہ تھا جس میں منظّم طریقے سے قرون اولیٰ کے علما کی تحریروں کو یکجا کردیا گیا۔ کلیسائی کونسل کے احکام توبہ اور کفارے کے ضابطے اور پاپائے روم کی تقاریر۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے جو مساعی کی گئیں وہ ریجینو نے ۹۰۶ء میں کیں۔ جو پروم کا رہنے والا اور بینی

ڈکٹاین راہب تھا۔ یہ ٹرایر کے نزدیک ایک قصبہ تھا۔ جس کے اسقف اعظم نے اس سے کہا کہ وہ منتشر ہدایات کی ایک رہنما گائیڈ تیار کرے جس سے کونسل کے عام ارکان اور اسقف اپنے علاقوں کا دورہ کریں۔ ریجینو کی عام کونسلر کے معاملات اور 'توبہ وکفارہ' کا نظم و ضبط یہ ظاہر کرتے ہیں کہ انسیر یا کی کونسل کے ہم جنس پرستی کی بابت جو قوانین تھے وہ کتنے درشت تھے اور پھر اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کلیسا کے اختیارات کا کوئی مضحکہ نہ اڑائے۔ جس میں تھیوڈوسیا کے قانون مجریہ ۳۹۰ء کا ذکر ہے جس میں جلانے کی سزا موجود ہے۔ اسقف اعظم برکارڈ (۱۰۱۲ء) جو ورمس کا رہنے والا تھا ریجینو کے قریب قریب ہے مگر کہیں زیادہ منظّم اور کہیں زیادہ بااثر۔ اس کا سب سے زیادہ قابل ذکر کام یہ ہے کہ وہ بڑی دیدہ ریزی سے ایک ہی جنس کے مابین پائے جاتے ہمہ اقسام جنسی رشتوں کی پوری تفصیلات دیتا ہے۔ رانوں کے درمیان والا، مشت زنی سے متعلق ذہنی اور بذریعہ مقعد۔ اس کے ساتھ ساتھ عورتوں کے درمیان جنسکاری اور لڑکوں کے درمیان۔ بوکارڈ بھی عرصہ دراز کے آزمائے ہوئے نسخوں کی حمایت کرتا ہے جنہیں انسیر یا میں جاری کیا گیا تھا اور اس میں آگسٹاین اور امبروز کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں لواطت کے گناہ کی خصوصی بدی کا ذکر تھا۔ چارٹرس کا اسقف (و۔۱۱۱۶ء) نے انہی اب معیاری اختیارات کو اپنے فرمان میں مخاطب کیا جو برکارڈ کی پیروی میں تیار کئے گئے تھے جنہیں ہم اسی سے دوبارہ سنیں گے۔

یہ عہدوسطی کی کوشش کہ کلیسائی قوانین کی ایک مصدقہ رہنما کتاب پیش کی جائے اپنے کمال کو اس وقت پہنچی جب 'گراشین کی ڈی کریٹم' (۱۱۴۰ء) کی صورت میں نمودار ہوئی۔ یہ ایک ضخیم تالیف تھی اور یہ اقتباسات ''رومی قانون، چرچ کونسل کے قوانین، پاپا اور شاہی فرامین، انجیل سے، گرجا میں باجماعت دعاؤں سے متعلق، قرون اولیٰ کے علماء کی تحریریں اور توبہ وکفارے سے متعلق تحریروں پر مشتمل تھی۔ مزید براں عصری دینیاتی مباحث۔'' جسے اس کے مولفین نے یہ نام دیا (جس میں فخر کے علاوہ رجائیت بھی تھی) کونکارڈایا ڈسکورڈینٹم کیننم۔ گراشین بولوگنا کا رہنے والا ایک کاملڈ ولیز راہب تھا جوان دنوں رومی قوانین کے احیا کا بڑا مرکز بن چکا تھا۔ اور اسے یوں تسلیم کیا جاتا کہ'' کلیسائی

قوانین کی سائنس کا پدر بزرگوار۔'' اسے بعد میں ڈانٹے کی پیراڈ ایز میں جگہ ملی جہاں کلیسا کے دیگر عالم موجود تھے۔ اس کا کام بعد ازاں معیاری عبارت شمار ہوا اور آخر کار اسے Corpus Juris Conorici میں شامل کرلیا گیا۔ یہی کلیسائی قوانین کا سرکاری مجموعہ تسلیم کرلیا گیا۔ جو پندرہویں صدی سے لے کر ۱۹۱۷ء تک مستند مانا گیا۔

ایک معاملے میں گراشین اپنے اسلاف سے ایک قدم آگے نکل گیا۔ اس نے ایک فہرست بنائی جس میں صرف قبیح جرائم کو لکھا جو ترتیب میں سنگین ہوتے جاتے۔ جو ہیں سرراہ جنسکاری، شادی شدہ فرد کا بیوی کے علاوہ کسی کو چودنا، تزویج محرمات اور سب سے بڑھ کر ''فطرت کے خلاف گناہ۔'' یہ اخلاقی ترتیب بعد میں تدریسی دینیات کا بنیادی قاعدہ بن گئی۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے اکیناس نے اپنی Summa میں اسے ایک حتمی سند عطا کردی جس میں اپنی طرف سے آبدار بنانے کے لئے معمولی سی کتر بیونت کردی۔ جہاں ابتدائی 'توبہ اور کفاروں' میں ہم جنس پرستی کا تخمینہ لگانے میں ڈگمگائے تھے گراشین نے تمام بڑے گناہوں کو بری صراحت سے گنایا اور تمام گناہ گاروں میں اغلام بازوں کو سب سے بڑا لعنتی گنہگار قرار دیا۔

جب آپ ان سنگین جرائم پر خشک ملامتوں کو پڑھ رہے ہوں گے تو یہ فراموش کرنا آسان ہوگا کہ اس کے اثرات ہراس شخص پر پڑے ہوں گے اور وہ نہایت گراں ہوں گے جب انہیں سزایں دی گئی ہوں گی یا ذلت اٹھانی پڑی ہوگی اور عتاب برداشت کرنا پڑا ہوگا۔ میکایل فاوکولٹ اور اس کے پیروکاروں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ''ہم جنس پرستی'' تو ایک نئی اصطلاح ہے جو گذشتہ سو برس میں ذہنوں نے تخلیق کی ہے۔ بلاشبہ یہ بھی ہم جنس پرستی کے لئے سچ ہے اگر اسے ''سائینسی'' اور نفسیاتی زمرے میں رکھا جائے۔ لیکن یہ سمجھ لینا بھی ایک غلطی ہوگی کہ گذشتہ نسلیں صرف جنسی وظایف پر توجہ دیتی تھیں اور افراد سے لاتعلق تھیں۔ قدیم ادب نہ صرف اغلام بازی کی گفتگو کرتا تھا بلکہ ''اغلام بازوں'' کا بھی، افراد جو معقول تعداد میں، واضح اور منحوس وجود ہوتے۔ یہ حقیقت کہ ان کی ذات کو مذہب کے پس منظر میں دیکھا جاتا بلکہ نفسیاتی نقطہ نظر سے جس نے انہیں کوئی کم حقیقی یا کم پرخطر نہیں بنایا۔

کلاسیکی یونانی مثالی شخصیت جو لونڈے باز (Pederastes) کی شکل میں سورما

عاشق ہوتا تھا، محافظ ہوتا اور مربی جسے مغرب میں جلد ہی فراموش کر دیا گیا۔ اب تو مردوں کے عشاق کی کایا پلٹ گئی ہے اور انہیں شیطانی روپ دیا جانے لگا ہے۔ امتداد زمانہ کے ساتھ سماج کو جب بھی مصایب سے واسطہ پڑا اس نے اسے ان ہی کے سر منڈھنے کی کوشش کی۔ جب سولہویں صدی میں دالنشیا میں طاعون پھوٹ پڑا تو ایک جنونی راہب نے ایک ہجوم کو اکسا کر لونڈے بازوں کو قتل کرنے پر اکسایا۔ بسا اوقات ایسے مفروضوں نے حیران کن خرافات کو جنم دیا۔ کوئی سو برس بعد ایک ممتاز جرمنی کے منصف نے اغلام بازوں کو ایسے طاعون کا ذمہ دار ٹھہرایا جو ''موٹے اور مربھکّے میدانی چوہوں'' کی وجہ سے تھا۔ اٹھارہویں صدی میں ایک جہاز کے عملے نے اپنے ایک ملاح ساتھی کو جنوبی اوقیانوس کے ایک بے آب و گیاہ جزیرے میں پیاسا مرنے کو چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ انہیں یقین ہو چکا تھا کہ اس کی موجودگی ان کی جانوں کو معرض خطر میں ڈال سکتی ہے۔ اگر مسیحیت بنیادی طور پر گناہ گار افعال سے تعلق رکھتی تھی تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ ذی حس نوع انسان تھے جنہوں نے مصایب جھیلے اور ہمیں اس کی حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ گوشت اور پوست کے بنے تھے۔ ان کا قتل، اعضا کی قطع و برید یا ہم جنس پرستوں پر تشدد انسان کے ''نفرت والے جرایم'' میں شمار ہوں گے جو انگنت ہیں اور جنہیں ورغلانے میں مسیحی اہل کلیسا کا بڑا ہاتھ ہے۔ جن میں سے ہمیں ان اقدامات کو خارج کر دینا چاہئے جس طرح ہم نے ملحدوں کی دارو گیر، جادوگرنیوں اور یہودیوں کی اس بڑے قرض سے جو ہماری تہذیب کا اس مذہب پر واجب ہے جو مسیحؑ کے نام پر تبلیغ کرتا رہا۔

کتاب عمورّہ:

قرون وسطی کے کلیسائی قانون نے اخلاقی دینیات کے لئے ایک منطقی ڈھانچہ مہیا کیا اور ضمناً سخت ناپسندیدگی بھی ظاہر کی۔ لیکن یہ سمجھنے کے لئے کہ گیارہویں صدی والے ہم جنس پرستی کو کیا سمجھتے تھے۔ اس کے لئے ہمیں اہل مناظرہ اور شعرا سے رجوع کرنا ہوگا۔ اول الذکر زمرے میں سب سے ممتاز تو ایک راہب تھا جو پہلے ہزاریے کے خاتمے کے فوراً

بعد پیدا ہوا تھا۔ سینٹ پیٹرڈ امیاںؔ (۱۰۰۷ ـ ۱۰۷۶ء) ڈامیاںؔ کی کتاب 'گومرّہ کی کتاب' میں صرف یہ خوبی نہ تھی کہ اس میں بالصراحت ہم جنس پرستی پر حملہ اس زمانے میں کسی صاحب کلیسا کے قلم سے تھا بلکہ اس کتاب کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ عہد وسطی میں یہ واحد اور اکلوتی ''کتاب'' تھی جو اس موضوع پر تحریر کی گئی ہو۔ (ترجمہ شدہ حالت میں کوئی پچاس صفحے)۔ ایک تاریک الدنیا جس نے اپنی زندگی خلوت نشینی میں بسر کی اور اپن نانیز میں فونٹے اویلا میں گزاری۔ ڈامیاںؔ کی غیر سماجی طرز زندگی اسے اپنے زمانے کے اطالوی ادیبوں کے ممتاز ترین فرد بننے میں مانع نہ ہوئی اور بالآخر وہ کلیسا کا سربراہ بھی بنا۔ ہر قسم کی جنسکاری کے خلاف اس کے ہیجانی تنفر اور اس کے مزاج میں پائی جانے والی عمومی برہمی کے سبب وہ اپنے ہم عصروں کے لئے سینٹ جیروم بنا رہا۔ اس کا دور بطور اخلاقی مجاہد اسے نام نہاد گریگورین اصلاحات سے جوڑ دیتا ہے جس نے یہ چاہا کہ پادریوں کی شادی، داشتہ رکھنا اور گناہ اور کفارہ کے عہدوں کی خرید وفروخت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ تاہم گومرہ کی کتاب اس عہد کے ابتدا میں پوپ لیؔو۔ ۹ (۱۰۴۸ ـ ۱۰۵۴ء) سے مخاطب ہو کر لکھی گئی ہے ۔ جس نے اپنے پیشرو کی شروع کی ہوئی کامیاب اصلاحات کو جاری رکھا۔ چونکہ یہ مساعی جہاں خاص طور پر اہل کلیسا کی جانب اشارہ تھیں مگر ڈامیاںؔ کے مذہبی مقالے میں ہم جنس پرستی پر زور دیا گیا تھا جو پادریوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے لہجے کی مہک دیباچے میں ملتی ہے۔

> ایک نہایت قابل نفرت اور اتنی ہی شرمناک برائی ہمارے خطے میں پروان چڑھ چکی ہے۔ اگر جلد از جلد شدید سزا کا آہنی ہاتھ اسے نہیں روکتا، لازماً یہ خطرہ موجود رہے گا کہ اللہ کی برہمی کی شمشیر نہایت وحشیانہ انداز میں اس کے خلاف چلے گی جس سے بہت سے لوگ برباد ہوجائیں گے۔ ہائے افسوس ہمیں یہ کہتے ہوئے کتنی شرم محسوس ہوتی ہے اور یہ تجویز پیش کرتے ہوئے بھی لیکن اگر طبیب ہی سڑے ہوئے زخم سے اور اس کے ہول سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ تو وہ کون ہوگا جو زخم کو داغے گا۔ اگر وہی جسے زخم کو بھرنا ہے اسی کی طبیعت مالش کرنے لگے تو کون ہے جو بیمار قلوب کو صحتیابی دے گا۔ فطرت کے خلاف بدی یوں سرایت کرتی ہے

جیسے سرطان، اور یہ ان لوگوں سے بھی مس کرتا ہے جنہوں نے خود کو ذات الٰہی کے لئے وقف کر دیا ہو۔ بسا اوقات یہ کسی خونخوار پیاسے درندے کی طرح مسیح کے بھیڑوں کے باڑے میں گھس آتا ہے۔

یہ تو جان کرای سوسٹوم کی روح ہے جو قرون وسطیٰ کے لاطینی دنیا میں دوبارہ نمودار ہوگئی ہو۔

ڈامیان تو بالخصوص کلیسائی قانون کے ایک سوال کے متعلق فکر مند تھا کہ کلیسائی عہدیداروں کو ان غیر فطری افعال کی وجہ سے ان کے عہدوں سے برطرف کیا جائے۔ چار اقسام کے قابل مذمت رویوں کو شناخت کر لینے کے بعد۔ تنہائی میں جلق زنی، دوسرے مردوں سے مل کر مشت زنی، مفاخذت (پانی نکالنے کی غرض سے آلت کو رانوں میں رگڑنا) رانوں میں چدائی اور ''فطرت کے خلاف مکمل کارروائی وہ استدلال کرتا ہے کہ ان دنوں تو یہ دستور ہے کہ صرف آخری رکیک حرکت پر معزولی ہوتی ہے۔ لیکن ہونا یہ چاہیئے کہ ان میں سے کسی بھی فعل پر راہب کو معزول کر دیا جائے۔ سب ہی ''تمام جرائم سے بری ہیں۔'' سدوم اور عمورہ کو محو کر دیا گیا۔ عونان کو خدا نے اس لئے مار کر ہلاک کر دیا کیونکہ اس نے اپنا تخم گرایا تھا اور مجرم لوگوں کو احبار کی ہدایت کے مطابق موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ''لونڈے بازوں'' کا مقام ''دیوانوں'' کے ساتھ ہے۔ جس کی ایک ہی شکل ہے۔ وہ سب ابلیسی اثر ورسوخ میں پڑے ہیں۔

ڈامیان خاص طور سے ان پادریوں کے متعلق فکر مند تھا جو نوجوان لڑکوں کو پٹاتے جو ان کے پاس زیر تعلیم ہوتے اور پھر اغلام بازی کی علت میں پڑے ہوئے پادریوں سے رابطہ کرتے تا کہ ان پر کوئی ہلکا سا کفارہ نافذ کر دیا جائے۔ وہ منظور ہونے والی نظائر کو پیش کرتا ہے اور ایسی تقریب کا ذکر کرتا ہے جن میں علتی راہبوں کا مرتبہ گھٹایا جاتا اور انہیں سینٹ باسل (۳۷۰ء) سے منسوب کر دیا جاتا۔ کوئی پادری یا راہب جو نوجوانوں اور لونڈوں کو پھسلائے یا پھر چومتا ہوا نظر آئے یا پھر کسی اور ناپاک حرکت میں ملوث ہو تو اسے سر راہ کوڑے لگائے جائیں اور اسے صاف چندیا کی رعایت سے محروم کر دیا جائے۔ جب اس کی ڈاڑھی پر بھی استرا پھر جائے تو اسے اچھی طرح بدنام کیا جائے اور تھوکا جائے اور

اسے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔اس کے بعد وہ پھر سے اپنی آواز میں بولتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اس برائی کا کسی اور بدی سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ تمام برائیوں پر بازی لے جا چکی ہے۔ یہ بھی شک سے بالاتر ہے کہ یہ بدی جسموں کی موت ہے اور روحوں کی بربادی۔ یہ گوشت میں سڑاند پیدا کردیتی ہے اور یہ ذہن میں پیدا ہونے والی روشنی کو بجھا دیتی ہے۔ یہ انسانی قلب سے اور جسمانی معبد میں سے مقدس روح کو خارج کردیتی ہے۔ یہ شیطان کو متعارف کراتی ہے جو ہوس کی راہ پر لگاتا ہے۔ یہ غلطیوں میں مبتلا کردیتی ہے۔ یہ انسانی ذہن سے سچ کو کھرچ کر نکال دیتی ہے اور جو فریب میں پڑ جاتا ہے۔وہ داخل ہونے والوں کے لئے پھانسنے کا جال بنتی ہے۔ یہ ان پر دروازہ بند کردیتی ہے جو گڑھے میں گر جاتے ہیں تاکہ نکل نہ پائیں یہ دوزخ کا دروازہ کھولتی ہے اور بہشت کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کردیتی ہے۔۔۔ یہ بدی اس کی کوشش کرتی ہے کہ آسمانی گھر کی دیواریں منہدم کردے اور وہ اغلام بازی کے پشتوں کی مرمت پر کمر بستہ ہے۔ کیونکہ یہی وہ شئے ہے جو متانت شکن ہے، انکسار کو قتل کرتی ہے پاکدامنی کا گلا گھونٹی ہے اور پردہ بکارت کا غلیظ اور چھوت پھیلانے والے بغدے سے قیمہ بنا دیتی ہے۔

ممکن ہے یہ جدید قاری کو انتہا پسندی لگے لیکن ڈامیان تو اس پر مصر ہے کہ عوامی جذبات اس کے ساتھ تھے۔ وہ یہ اضافہ کرتا ہے کہ ''لونڈے باز'' جب اسم ''سوڈمیٹاز'' استعمال کرتے ہیں تو وہ نہ صرف فعل کو داغ دار بناتے ہیں بلکہ فرد کو بھی ملوث کر لیتے ہیں'' جو لوگوں میں قابل نفرت'' ہیں اور انہیں ہر حال میں ''انسانی تمسخر کا بوجھ اٹھانا ہوگا۔''

گومرہ کی کتاب کا دوسرا نصف صرف پوپ ہی سے مخاطب نہیں ہے بلکہ مفلمِ پادریوں سے بھی۔ ڈامیان اپنی لفاظی کے ترکش کے تمام تیر ایسے افراد کو مغلوب کرنے کے لئے چلاتا ہے جن میں احساس جرم کے ساتھ خوف ہوتا ہے اور جو انہیں احترام ذات کے احساس سے محروم کردیتا ہے۔ وہ شہوانی طور پر پرکشش کیفیت میں نفس پرستی میں سوروں کے غلیظ باڑوں میں لوٹتے رہتے ہیں۔ اپنا مقدس مقام تہہ و بالا کر لینے کے بعد انہیں انتظار

کرنا پڑتا ہے گا ''کہ قہر الٰہی کا فیصلہ ہو'' یہ بھی واضح ہے کہ ڈامیانؔ خود بھی شہوانی خوف کا انتہا درجے کا شکار تھا جس کا سبب جہنم کی آگ سے تھا۔ باب - ۲۱ میں وہ دہراتا ہے مگر سادہ لوح سادگی سے اس مرتاض کی کہانی جسے شیطان نے بہت ورغلایا کہ ''جب بھی اس پر ہوس کا غلبہ ہوتو اسے چاہئے کہ وہ اپنے عضو تناسل کو سہلا سہلا کر منی نکال دیا کرے بالکل اسی طرح جیسے وہ ناک چھینک کر صاف کرتا ہے۔ جب یہ بھولا راہب مرا تو ڈامیانؔ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ اسے بلا تاخیر شیاطین اٹھالے گئے۔ وہ پوچھتا ہے کہ کوئی شخص کس طرح ہزاروں برس سے جلنے والی آگ کو ''جو خبیث اور بھڑکتی آگ'' کو ''لمحاتی مسرت کی خاطر جیسے چند لمحوں میں محض منی نکالنے کے واسطے۔''

پوپ لیؔ او کا جواب جو ڈامیانؔ کی کتاب کے جواب میں ایک خط کی صورت میں تھا اور جسے ایک زمانے تک ایک سینٹ کی تلخ نوائی کے خلاف زجر و توبیخ سمجھا جاتا رہا لیکن زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ اسے معتدل مگر زیادہ مناسب ہوگا کہ قدامت پسندانہ جواب سمجھا جائے۔ لیؔ او متفق ہے کہ وہ مرد جو مقعدی جنسکاری کرتے ہیں یا پھر عرصہ دراز تک دیگر افعال شنیعہ کا ارتکاب کرتے رہے ہیں انہیں عہدوں سے معزول کر دیا جائے۔ لیکن وہ ڈامیانؔ کے انتہائی موقف سے دامن بچاتا ہے کہ ایسا فرد جو تنہائی میں مشت زنی کرتا ہو اور پھر مفاخذت کرے انہیں بھی عہدوں سے سبکدوش کر دیا جائے۔ اس کے خط کی زبان سخت دشنام طرازی سے خالی ہے جیسا کہ ڈامیانؔ کا مضمون ہے۔ اس کے باوجود قرون وسطی کے طرز میں رکیک ہے۔ پوپ لیؔ او مردوں کے درمیان عشق کو ''فحش''، ''غلیظ'' اور ایک گھناؤنی بدی کہتا ہے۔ ڈامیانؔ کی کتاب کے بعد کے حوالے تاہم شاذ و نادر ہیں۔ ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اہل دینیات اس پر آمادہ نہ تھے کہ اس علمی کام پر وہ توجہ دیتے جس نے اہل کلیسا کے کرتوتوں کو اتنا چٹ پٹا بنا کر پیش کر دیا تھا۔

(ا) یہ حصہ اردو ترجمے میں شامل نہیں ہے۔ مترجم رئیس احمد جعفری۔

باب۔ ۷

قرون وسطی

(۱۰۵۰ء۔۱۳۲۱ء)

گینی میڈ کا انجام:

تین صدیوں تک یورپ اسلامی دنیا سے دولت اور علم میں پچھڑا رہا۔ پھر سال ۱۰۰۰ء کے بعد مسیحی تہذیب نے انگڑائی لی، تجارت اور زراعت بحال ہوگئی، شہروں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور موسمیاتی واقعے کے سبب گیارہویں صدی میں طاقت کا احساس پیدا ہوا: پہلی صلیبی جنگ میں جو ۱۰۹۹ء میں ہوی یروشلم پر قبضہ ہوا ساتھ ہی ساتھ ایک تمدنی نشاط ثانیہ عالم وجود میں آیا۔ مغرب اس وقت تک زیادہ تر یونانی ورثہ گنوا چکا تھا۔ لیکن کلاسیکل لاطینی کا مطالعہ بے تابی سے جاری تھا۔ زیادہ تر شمالی فرانس کے کیتھڈرل اسکولوں میں ۔۔۔چاٹریس میں، سینز میں ، انجرز میں اور پیرس میں۔ اس مسیحی ماحول میں ایک خلاف توقع صورت حال نے جنم لیا۔ ان اسکولوں میں پڑھائی جانے والی جدید لاطینی میں دو جنسیا عشق کو اظہار کا موقع مل گیا۔ شعرا نوجوانوں والے مردانہ حسن سے لطف اندوز ہوتے جیسا کہ عصری اسپین میں ہورہا تھا۔ حالانکہ ان میں پیدا ہونے والا ولولہ قرطبہ کے بجائے آگسٹن کے روم کی دین تھا۔ لیکن قدامت کا یہ آخری شعلہ ذرا دیر کو بھڑکا اور لگتا ہے جیسے یہ انگریز۔ نارمن تمدن تک محدود رہا جو انگلستان میں نارمن بادشاہوں (۱۰۶۶۔ ۱۱۵۴ء) کے زمانہ اقتدار میں پھلا پھولا۔

جدید لاطینی کے شعرا جو گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں گزرے ہیں وہ

ہمیں ایسی نظمیں لکھ کر متعجب کرتے ہیں جن میں رومی ہم جنسی مذاق اور قرونِ وسطیٰ کی مسیحیت میں تصادم ہو جاتا ہے۔ یہ تنازع زیادہ تر رینیز کے مار بوڈ کی شاعری باورگیل کے باوڈری اور لاوارڈن کے باسی ہلڈیبرٹ کے درمیان رہتا ہے جس کا فیصلہ ہمیشہ مسیحی اخلاقیات کے حق میں ہوتا ہے۔ اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کیونکہ ان شاعروں کا تعلق اہلِ کلیسا ہی سے تھا۔ تعجب کی تو یہ بات ہے کہ وہ ہم جنس پرستی والی خواہشات کیسے اس بے تکلفی اور ڈرامائی انداز میں پیش کرتے تھے۔ اور ایسی نظمیں تخلیق کرتے جو متضاد روایات کی نادر مرکب ہوتیں۔

مار بوڈ، باوڈری اور ہلڈیبرٹ اپنے عہد کے سب سے زیادہ نامور شاعر تھے۔ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ وہ یکے بعد دیگرے اُسقف بھی بنے۔ مار بوڈ کی طویل زندگی (۱۰۳۵۔۱۱۲۳ء) جو اندلس میں عربی ادبی تخلیقات کے عروج کا زمانہ تھا اور جنوبی فرانس میں گشتی نغمہ خواں شاعروں کا زمانہ ہے اس کی شاعری اس سب پر محیط ہے۔ وہ آنجزز میں لوایر کے کنارے پیدا ہوا۔ وہ وہاں کے کیتھڈرل اسکول میں استاد مقرر ہو گیا اور اس کے بعد چونسٹھ برس کی سنجیدہ عمر میں بریٹنی کے مقام پر اینز میں اُسقف بنا۔ تینوں شعرا میں سے مار بوڈ نے ہم جنس پرستی کی آرزوؤں والی سب سے زیادہ دلربا نظمیں لکھی ہیں۔ ہوریس نے ایک لڑکے کو خطاب کر کے ایک غنائیہ نظم کہی جو ایک خوبصورت لڑکی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ لڑکے سے یوں مخاطب ہوتا ہے جس نے اس پر سحر کر دیا ہے اور جو Cape Diem نظر لگتا ہے اور بڑی حد تک حسیات پر مبنی ہیں۔

ایک خوبصورت چہرہ اچھے ذہن کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور تخلیقی تو۔۔۔
کھال تو اتنی چکنی ہے جیسے دودھیا ہو اور بے داغ بھی
جو اتنی اچھی ہے اتنی وجیہہ اتنی پھسلواں اور اتنی نازک
تاہم وہ وقت بھی آنے والا ہے جب یہ بری اور کھردری ہو جائے گی
جب یہ گوشت عزیز لڑکوں والا گوشت بے مصرف ہو جائے گا۔۔۔
اس لئے کسی بے تاب عاشق سے اغماض نہ برتو

تاہم مار بوڈ اس معاملے میں محتاط تھا اور اس نے نظم کے غیر روایتی پن سے خود کو دور

رکھا اور بڑی دردمندی سے ایک ڈرامائی خود کلامی کے ذریعے اس کا عنوان قائم کیا۔ ''ایک نوجوان لڑکے کے عاشق کا بناوٹی آواز میں طنز۔'' یہ اگرچہ اختراع کے خلاف لگتی ہے: بلا عنوان اور کوئی بھی اس نظم کو طنزیہ نظم کے طور پر شناخت نہیں کرسکتا۔

ایک اور نظم میں ماربوؔڈ بیان کرتا ہے۔ اس مرتبہ اپنی ہی آواز میں۔ ایک مغلوب الجذبات عورت کی دلفریب کشش جو اس کے پیچھے پڑی ہے۔ وہ کیا شئے ہے جو اس غیرت ناہید کا گرم جوشی سے جواب دینے میں مانع ہے جب کہ اس میں روایتی جذبہ شوق فراواں ہے۔ جواب براہ راست اور لرزانے والا ہے۔ وہ تو ایک لڑکے کی ''آتش عشق'' میں سلگ رہا ہے جو خاتون کی نظر میں معتوب ہے۔ اس مقام پر ممکن ہے کہ کاٹلسؔ یا ٹیبلسؔ کا اگر اس مایوس کن مگر طنزیہ تگڈم سے واسطہ پڑ جائے۔ لیکن ماربوؔڈ خود کو قرون وسطی کا فرد ظاہر کرتا ہے جب معاملہ اخلاقیات کا ہو۔ وہ اس مخمصے پر اظہار مسرت کرتا ہے کہ ''وہ بدی جو عموماً سنگدل مردوں کو موم کردیتی ہے، اسے پارسا رکھتی ہے یعنی اس کی امرد کے لئے ہوس ایک پسندیدہ عورت کو مسترد کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ تفرقہ جو'' شیطان کی سلطنت'' میں پڑا ہے اسی میں وہ اپنی نجات پاتا ہے۔ ایک گناہ نے دوسرے گناہ کو دھتکار دیا۔ اس خوبی تقدیر نے ماربوؔڈ کے لئے گنجائش پیدا کردی کہ وہ نظم کو لاثانی عنوان دے سکے۔ وہ اسے ''ایک مناقشہ جو جنسی عشق کے خلاف ہے'' میں یہ کہتا ہے یوں اپنی شہوانی ناٹک کو وہ مسیحی اخلاقیات کی حدود میں لے آتا ہے۔

ایک اور نظم ''ایک ہی صنف کے لوگوں کے مابین جنسکاری'' جو ممکن ہے اسقفوں کا وعظ لگے۔

شیطان نے تو کوئی ایک لاکھ گناہ ایجاد کیے ہیں
اوران کی مدد سے وہ دنیا کو عذاب کی پاتال میں اتارتا ہے
جہاں وہ مقید ہیں وہ مرنے کی آرزو کرتے ہیں مگر موت ہے کہ آتی نہیں
بلاشبہ وہ مریں گے ضرور کیونکہ کوئی بھی موت ان کی تکلیف سے بڑھ کر نہ ہوگی
وہ بدنصیبی جو شعلہ فشاں ہے اور دایمی آگ میں بھسم ہوتی رہتی ہے

اس عمومی لعنت ملامت کے ہمراہ ماربوؔڈ ایک اور نظم بھی لکھتا ہے جس میں ذاتی

خجالت بیان کرتا ہے۔ اس کی ''پرہوس عشق سے ندامت'' دونوں قسموں کے عشق سے توبہ کرنا اور گذشتہ گناہ آلود عشقوں سے لاتعلقی جنہیں اب فرضی کی جگہ حقیقی بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ مگر ابہام اب بھی موجود ہے۔ ''ندامت'' نظم کے ابتدائی اشعار میں یوں لگتا ہے جیسے کلیسا کے فادرز کی طرح وہ عشق کو رد کر رہا ہو، لاسے میں پھنسا ہوا وہ شرمندہ ہے۔ میرے حواس بحال ہو چکے ہیں۔۔۔ اے ناجی خدا! کوئی عاشق کیسے فریب کھاتا ہے! لیکن مسیح کو پکار کر وہ اخلاقیات کے موقف سے دستبردار ہو جاتا ہے اور دیگر کلاسیکی شعرا کی مانند وینس دیوی سے مخاطب ہوتا ہے اور احتجاج یہ کرتا ہے کہ عشق تو نہایت پردرد ہوتا ہے کیونکہ اس میں چاہنے والوں کی ایذا رسانی بھی شامل ہوتی ہے۔ دونوں صنفوں کی ۔ ہم تو حیرانی میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں کہ ماربوڈ کے احساسات مایل آگسٹینین یا آگسٹان جیسے ہیں۔

یہ میرے جان آرزو جو مجھے آنکھوں سے عزیز ہیں چاہے مرد ہو یا عورت
جب تک انہیں معلوم ہو کہ کوئی ان پر فریفتہ ہے تو وہ بولنے کے بھی روادار نہیں ہوتے
اگر کسی عاشق کا دل یوں اتنی طرح سے ستم رسیدہ نہ ہو
تو یہ بے اعتنائی میرے لئے کافی ہوتی کہ میں پارسا ہی رہتا
اس لئے اے دلربا دور ہی رہو اے بنائے عشق
تمہارے لئے اب گنجایش نہیں رہی اے سا تھیرتا (وینس) میرے دل میں
دونوں ہی صنفوں سے ہم آغوشی مجھے اب نہیں بھاتی

بورگویل کا رہنے والا باوڈری آنجرز میں ماربوڈ کا شاگرد تھا جس کا کاروبار وہی تھا جو اس کے استاد کا تھا۔ تینتالیس برس کی عمر میں جب سال ۱۰۸۹ء تھا وہ بوروگویل میں قائم بینڈ کسٹاین خانہ راہباں کا سربراہ مقرر ہوا۔ اٹھارہ سال کے بعد اسے برٹنے میں مونٹ سینٹ مایکل کے نزدیک اسقف اعظم مقرر کر دیا گیا۔ باوڈری کی کئی نظمیں دیگر مردوں سے رومان آمیز کی دوستیاں نبھانے سے بھری ہوئی ہیں اس کے علاوہ خصوصاً راہبوں سے۔ چونکہ وہ عورتوں سے بے تکلفی اور شادی سے محروم تھا۔ خانقاہوں کے مرد اکثر دیگر راہبوں سے جذباتی قربت چاہتے۔ زمانہ قدیم میں شارلیمان کے عہد میں راہبوں کے

درمیان ہونے والے عشق کو شعرا اکثر جوش وخروش سے مناتے آ لکوین اور والا فرڈسٹرابو نے نظم بھی کیا۔ گیارہویں صدی کے صاحبان اخلاف مثلاً سینٹ آنسلم کے خطوں میں اس کا ذکر ہوتا جو ایک خانقاہی نظام کا حصہ تھا۔ اس کے بعد کلیسا ایسے معاملات پر اور بالخصوص خانقاہی ماحول میں ''ایسی'' دوستی پر تیور چڑھانے لگا۔ لیکن یہ بھی ہوا کہ جب گیارہویں اور بارہویں صدی کے اس عرصے میں جب خانقاہوں کی اصلاحی تحریک اپنے عروج پر تھی خانقاہی سرداروں میں ایسے واقعات جگہ پاتے رہے۔ ایک برطانوی سینٹ الریڈ جو ریوالکس کا تھا وہ تمام حدود کو پھلانگ کر یہ دعویٰ کرنے لگا جو اس نے کتاب روحانی دوستی (Spritual Friendship) (۱۱۵۰ء) میں یہ کہا کہ گانوں کے گانے جو داود کا عشقیہ گیت جوناتھن کی یاد میں تھا اور مسیح کا عشق جو جون سے تھا سے ہم پادریوں کے درمیان دوستی کرنے کی اجازت مرحمت کرتا ہے۔ یارک شایر کے ریوالکس میں بطور خانقاہ کے سردار کے اس نے راہبوں کو اظہار الفت کی خاطر ہاتھ میں ہاتھ تھامنے کی اجازت دے دی۔ دیگر خانہ راہبان کے صدور نے جیسا کہ ایک ہم عصر نے قلم بند کیا ہے ایسی حرکات پر بیزاری ظاہر کی ''اگر کوئی راہب کسی راہب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو اس کا مطالبہ ہے کہ ٹوپ ضبط کر لیا جائے چغہ اتروا کر اسے کلیسا بدر کر دیا جائے۔''

باوڈری نے جذباتی دوستی والی متعدد نظمیں کہیں لیکن ماربوڈ کی طرح وہ اپنی شہوانی نظموں میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں ہی سے مخاطب ہوتا ہے اور اپنے مربی کی طرح اپنے کلیسائی پیشے کی مناسبت سے اسے اپنے ادبی احساسات کو موافق بنانا پڑا۔ اپنے دوست کو لکھتے ہوئے جو عالم ریمز کے گاڈفرے کے لئے تھے وہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس کی نوجوانی کی نظموں میں اس پر تنقید ہوئی تھی۔

انہوں نے مجھ پر بھی ملامت کی۔ میں نے کیوں نوجوانوں کی زبان میں
دوشیزاؤں کو لکھا اور اتنا ہی امردوں کو
کیونکہ میں نے وہ لکھا جن کا تعلق عشق سے ہے
اور دونوں ہی اصناف میرے نغموں سے خوش ہیں

لیکن باوڈری خانقاہ کا صدر ہونے کے علاوہ ایک شاعر بھی تھا۔ اور اس وقت وہ

راہب کا ٹوپ اوڑھ لیتا ہے جب وہ اپنے دوست لیڈن کے جیرارڈ کو اس پر آمادہ کرنے کو لکھتا ہے کہ وہ بورگویل کی خانقاہ میں شمولیت اختیار کرے۔ وہ کوئی درجن بھر سطروں میں عورتوں سے محبت کی مذمت کرتا ہے مگر ان سے کوئی تین گنا سطریں اس بات کے لئے وقف کر دیتا ہے جس میں لڑکوں سے عشق کا ذکر ہوتا ہے جیسے اس میں کہیں زیادہ تحریص ہو۔ ''شاید تم خود کو غیر فطری عشق سے جوڑے رکھتے ہو۔'' اس کا مشورہ یہ تھا۔ ''ان دنوں گینی میڈ متعدد دیوان خانوں میں اٹکھیلیاں کرتا رہتا ہے۔ اور بہت سے اوباش لوگ اب مشنری بننا چاہتے ہیں۔ مگر وہ متنبہ کرتا ہے کہ ایسے تمام گناہوں کو جہنم کے دردناک عذاب سے سزا دی جائے گی۔ جس میں سڑاند ہوگی اور دائمی شعلے ہوں گے۔ باوڈری اوڈ اور مارشیل کی طرح اپنی شہوانی نظموں کے لئے معاف کر دیا گیا جیسے پال اور آگسٹائن کے ساتھ ہوا۔ اس نے خود کو جہاں تک ممکن تھا خود کو سیاہ کار ثابت کیا۔ یوں اپنے ''توبہ اور کفارہ والے اعتراف'' میں وہ بڑے متنوع گناہوں کے سلسلے میں فاعل اور مفعول اغلام بازی کو بھی شامل کرتا ہے۔

وہ گناہ جنہوں نے مجھ پر غلبہ پالیا وہ سب نا قابل حساب ہیں میں تو ایک چور ہوں، مقدس چیزوں کی بے حرمتی کرنے والا، دروغ حلفی کرنے والا، ایک لچا اور ایک قاتل ہوں۔

جہاں تک میرے بس میں ہے، تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ یہ طے ہے۔

ایک کذاب، اترانے والا، ایک لونڈے باز ہوں، ایک لونڈا ہوں اور شادی شدہ ہوکر جنسکاری کرتا ہوں مدہوشی کا شوقین اور متانت سے متنفر۔

یہ بھی تسلیم کہ سر راہ شلق زنی ناٹک سے بڑھ کر ہے اور اس بات کی ضامن ہے کہ مذکورہ گناہوں میں سے چند حسرت گناہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ عجیب خیز ہے کہ ایک اسقف اس نوعیت کے اقبال جرم کرے۔

ماربوڈ اور باوڈری کی شاعری میں دو دھارے آکر ملتے ہیں ایک تو کلاسیکل ہے جس میں دو جنسیا کے متعلق قبولیت رواداری والی ہے اور جو حصہ مسیحیت والا ہے اس میں ایک ہی جنس کے عشق کو یکساں مسترد کر دیا گیا ہے۔ یہی دونوں ریشے نوجوانوں کی ہم عصر

شاعری میں موجود ہیں۔ لاورڈن کا ہلڈربرٹ (۱۰۵۵۔۱۱۳۳ء) فرانس میں لاطینی زبان کا سب سے اچھا شاعر تسلیم کیا گیا۔ اور اس کے آخری آٹھ برسوں میں جب وہ ٹورز میں بطور اسقف اعظم کے فرایض انجام دے رہا تھا۔ لیکن ہلڈربرٹ کی ہم جنس پرستی کے موضوع والی نظمیں کہیں زیادہ خوش ذوقی کی حامل ہیں۔ جن میں ذاتی جذبات کا شایبہ بھی نہیں ملتا۔ کئی باز خوانیاں اور اووڈ کی کہانیوں پر تبصرے، اپالو کی ہیاسنتھ کے لیئے آہ وزاری، جیوپڑ کا گینی میڈ سے ''جماع بالجبر''، ایفس کا لڑکے کا روپ دھار لینا اور قلب ماہیت کی کہانی۔ تاہم اس کے ساتھ اخلاقی رویہ جو واضح طور پر منفی ہے۔ اور ''زمانے کی بدی میں'' ہلڈربرٹ مذمت کرتا ہے جس میں طمع، غبن، دروغ حلفی بے ایمان منصفین اور نفس پروراہل کلیسا لیکن نظم کی شدید ترین ملامت صرف اغلام بازوں کے لئے مخصوص ہے۔

تمام اقسام کی شہوت پرستی میں سے اغلام بازی مثل طاعون ہے

مردوں کا یہ وطیرہ ہے کہ وہ اپنے مردوں کو وہ دے دیتے ہیں جو ان کے شریک حیات کا حصہ ہے

لاتعداد گینی میڈ ایسے ہیں جو انگنت گھر چلاتے ہیں
اور جونو اس پر افسردہ ہے کہ اسے جو منافع ہوتا تھا وہ جاتا رہا
کیا تمہیں وہ سبق یاد نہ رکھنا چاہیئے جو مثال اغلام باز نے قائم کی ہے
کہ اس گناہ سے چوکنا رہو اور اس سے بچو کہ کہیں تم اس گندھک میں گر کر گھل جاؤ

بارہویں صدی کے ہم جنس پرستی کے شعرا میں صرف ایک شخصیت ایسی ہے جو ممتاز ہے یعنی ہیلری ''انگریز''، ہیلیری سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلیسا کے عملے کا رکن تھا اور ۱۱۲۵ء میں ایبے لارڈ کا شاگرد تھا۔ وہ لاطینی میں لکھتا مگر روایتی عروض میں نہ لکھتا جن کے ماربوڈ، باوڈری اور ہلڈربرٹ حامی تھے بلکہ مقفی رباعیوں کی صورت میں اور نئی مقامی زبان کی شاعری میں۔ اس کی پوری شاعری بلاواسطہ اور پرشوق جذبہ سے بھری ہوئی ہے۔ نظم ''رینجرز کے ایک لڑکے کے لئے'' یہ ایک وجیہہ نوجوان سے ایک بیمار محبت کی درخواست ہے کہ وہ اپنی پارسائی ترک کردے۔ نظم ''انفونیا کے ولیم'' (غالباً یہ کوئی برطانوی ہے اگرچہ جگہ کا نام الجھن میں ڈالنے والا ہے) جو ولیم کو مزید خوبصورت بنادیتا ہے بہ نسبت فضول

خرچ ریوِمر کے جس نے بڑی پیش گوئی کی تھی۔ ہیلری کے مصایب صحیح تناسب سے ہیں۔ ایک اور نظم میں ہیلیری پوپ کے ابہام سے کام لیتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ جس لڑکے کو میں پسند کرتا ہوں اسے انگلش کے بجائے انجیلیکس (فرشتہ) پکارا جائے۔ جس میں تخیل اور احساسات اگرچہ روایتی ہیں پھر بھی ان سے حقیقی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن ہیلری کی بے باک اور خود رائے شاعری اپنے عہد میں قریب قریب بے بدل لگتی ہے جس میں معاندانہ حوالہ جات کا غلبہ تھا۔

بارہویں صدی کے اختتام کے زمانے کی دو نظمیں نادر دلچسپیوں کی حامل ہیں اور اگر موازانہ کیا جائے تو درحقیقت یہ یونانی مکالمات جو افلاطون اور ''لوشیان'' کے درمیان ہوئی ان کی ہو بہو مثیل ہیں۔ خصوصاً پر جنسی اور ہم جنس پرستی والے عشق کے معاملے میں ''ایک مباحثہ جو گینی میڈ اور حبیب کے مابین ہوا'' جونو کی بیٹی جمع ہونے والے خداوں سے شکوہ کرتی ہے کہ وجیہہ نوجوان ٹروجن نے جوو کے سامنے میری ساقی والی حیثیت کو جو دن کے اوقات میں ہوتی غصب کرلیا ہے اور اس کی ماں نے اوقات شب میں جوو کے بستر میں جگہ پر قبضہ کرلیا ہے۔ جب گینی میڈ نمودار ہوتا ہے اٹلس، اپولو، مارس اور وینس سب پر ضرب پڑتی ہے۔ اور لڑکا یہ اعلان کرتا ہے کہ گانڈ مرانا اور منہ کے ذریعہ جنسکاری جنت میں بہت مقبول ہوگئی ہیں اور یہ بھی کہ عورتیں اب گھاٹے میں ہیں۔ موجود خدا کوئی فیصلہ نہیں دیتے۔ نظم کے آخر میں گینی میڈ کے بیان پر کوئی اسے نہیں للکارتا۔

''گینی میڈ اور ہیلن کے درمیان مباحثے میں'' والی نظم غور و خوض کے بعد لکھی گئی ہے جو قرون وسطی میں بہت مشہور تھی۔ یہ اندازہ تو ملنے والے متعدد قلمی نسخوں سے ہوتا ہے۔ تین گنا طویل اس میں معنی خیز مباحثہ پیش کیا گیا ہے۔ موسم بہار کے سبزہ زار میں قدیم زمانے کی حسین ترین عورت کوشاں ہوتی ہے کہ نہایت خوبصورت لڑکے کو لبھالے۔ اس کی لاتعلقی سے اس کی پسند اور ناپسند کو سمجھ کر وہ اسے کوستی ہے اور وہ اس پر لڑنے لگتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں میں سے کسے زیادہ ترجیح ملنا چاہئے۔ جب ہیلین گینی میڈ کے عشق کو جذبے سے عاری کہتی ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ لطف کافی ہے۔ جس سے شیکسپیئر کا رنگ جھلکتا ہے۔ وہ اسے متنبہ کرتی ہے کہ اس کی خوبصورتی اس کے ساتھ مرجائے گی اگر اس

کے کوئی اولاد نہ ہوئی تو وہ کہتا ہے کہ میں اکلوتا رہ کر بھی مطمئن ہوں۔ جب وہ یہ ذکر چھیڑتی ہے کہ حیوان اور طیور جوڑا کھاتے ہیں اور پرجنسہ ہوتے ہیں۔ اس پر گینی میڈ پوچھتا ہے کہ انسان کیوں جانوروں کی نقالی کریں۔ ہیلین کی دانست میں دونوں جنسوں میں محبت ہونا فطری امر ہے۔ مگر اسے کچھ کم یقین ہے ''متضاد تو ہمیشہ اختلاف کرتے ہیں، صحیح طریقہ تو یہ ہے علاج بالمثل۔'' جب وہ مردوں کے مابین عشق کو غیر فطری کہتی ہے تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ کئی عظیم لوگوں نے اسے ترجیح دی ہے۔

بالآخر مباحثہ بگڑ کر توہین آمیز ہوجاتا ہے جس میں ذکر ہوتا ہے آلودہ چادروں اور چٹ پٹی چوتوں کا۔ جب ہیلین اس پر معترض ہوتی ہے کہ ضایع شدہ منی زندگی کا زیاں ہے اس پر گینی میڈ چپ ہوجاتا ہے۔ استدل سے جب فیصلہ کرنے کو کہا گیا تو فیصلہ لڑکے کے خلاف نکلا۔ آخر میں جیوپٹر اور اپالو اپنے گذشتہ گناہوں پر توبہ کرتے ہیں۔ اور گینی میڈ ہیلین سے شادی کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے وہ شاعر جس نے یہ خواب دیکھا تھا بیدار ہوتا ہے اور خاتمے کے واسطے آخری حرف ادا کرتا ہے جو مسلمہ طور پر قرون وسطیٰ کا ہے یعنی دینیات والا۔

یہ خیالات مجھ پر خدا کی جانب سے اترے ہیں
کہ سدوم شرمائے اور عمورہ آہ و بکا کرے
اگر کوئی اس گناہ کا مجرم ہے تو استغفار کرلے
او خدا، اگر میں پھر سے ایسا کروں تو مجھے معاف کردینا

ہمیں یہ بات بلاتکلف تسلیم کرلینا چاہئے کہ قرون وسطیٰ کی ان عشقیہ نظموں کی کشش چاہے ان کی ادبی حیثیت کتنی ہی محدود ہو، ان کی ستم رسیدہ پیچیدگیاں ہی ہم عصر سادہ رومی تحریروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دلچسپ بناتی ہیں۔ لیکن یہ دعوی بھی ایک مبالغہ لگتا ہے جیسا کہ جان بوسویل کا کہنا ہے کہ یہ سب اس بات کی شاہد ہیں کہ ''ذیلی تمدن کے غیر معمولی شہابی نمونے ہیں'' جس میں یہ قیاس حق بجانب ہوگا کہ ایسے تمدن کا شاخسانہ ایک ہی جنس کے درمیان عشق کے لئے رواداری ضرور ہوگی۔ اس کے باوجود تھوڑے سے شاعروں نے۔ ہیلیری ان میں ایک استثنیٰ ہے۔ یہی ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب دلفریب ہوتا

ہے جب ہم آگسٹن کے خیالات کو ماریوڈ کی نئی ہوریشن سطور میں اور پرابہام انداز میں باوڈری کے یہاں بھی پاتے ہیں۔لیکن اگرایک ہی جنس کے درمیان عشق کی شاعری جب دھماکے کی طرح مقامی زبان میں ہونے لگی جوعربوں کے اسپین میں پیدا ہوئی۔جس نے نولاطینی کا ہلکا سا اثر بھی قبول کیا مگراس کی رسائی ایک چھوٹی سی تعلیم یافتہ اقلیت ہی تک تھی۔بالآخرآ گسٹائن اورکرای سوسٹوم کا فیضان ہوریس اوراوڈ پر غالب آ گیا۔جب کہ گینی میڈ یہاں ''فاتح'' نہیں ہوتا۔وہ اس سماج کوشکست دینے کے لئے بارہویں صدی میں بڑھتا جاتا ہےمگرسماج اسے تسلسل سے مسترد کرتا رہا۔

اعلیٰ مقامات پررسوایاں:

گیارہوں اور بارہویں صدی کا ادب چند ہی''اغلام بازی'' کی کہانیوں کا انکشاف کرتا ہے اورمصنفین بالعموم اس پر کمر بستہ رہتے تھے کہ وہ اپنی ترجیحات کو بے دھڑک پشتیبانی کریں۔اس سب کے باوجود اس عہد کی دستاویزات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ہم جنس پرستی کوئی ایسی چیز نہ تھی جوقطعاً نظر نہ آئے۔خصوصاً شہروں میں اورشمالی فرانس کے اسکولوں میں۔جس میں گمنام لاطینی مختصرمنظوم کلام اس کے وجود کو بیان کرتے ہیں۔ان دنوں چارٹرز اور پیرس خود کو غلاظت میں غوطہ دے رہے ہیں۔اغلام بازی کی بدی سے اور دریائے سین میں پیرس کیسا ہوجاتا ہے (یعنی ہیلین کا عاشق جوو کی داشتہ بن جاتا ہے) اورلینز کے مرد کتنے بھلے ہیں۔اگرتم چاہو یہ روایت کہ مردلڑکوں کے ساتھ سوتے ہیں۔ان حملوں کا نشانہ تو طلباء اور اہل کلیسا ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے ان شہروں کو اتنی شہرت دی کہ یہ علم کے مراکز ہیں۔ایسی خبریں بھی ملتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہم جنس پرستی فرانس اورنورمن انگلینڈ کی اشرافیہ میں پائی جاتی ہے۔دونوں تمدن ایک دوسرے سے قریب اور مربوط ہیں۔ہمیں تو ہمدردانہ حکایات سننے کو نہ ملنی چاہیں کیونکہ یہ واقعات رسوائیوں والے ہوں گے۔اگر یہ بصیرت والی نہ سہی ایک جدید قاری کے لبوں پر ایک مسکراہٹ تو لے آئیں گی۔

غور کیجئے مثال کے طور پر اور لینز میں ایک نئے اسقف کا سال ۱۰۹۷ء میں انتخاب ہونے جارہا ہے۔ ذرا سا پہلے شہر ٹورز کا اسقف اعظم جس کا نام رالفؔ ہے لیونز شہر کے اسقف اعظم ہیوؔ کو اس پر آمادہ کر لیتا ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو کلیسا کے عہدے سے ہٹادے جو اس کے لائق نہیں ہے۔ ہیوؔ نے فرمایش پوری کر دی۔ مگر رالفؔ نے جس شخص کو خالی ہونے والی اسامی کے لئے نام زد کیا وہ خطرناک حد تک نوعمر تھا اور اس کا نام جونؔ تھا اور اس کی شناخت بطور رالفؔ کے لونڈے کی بہت تھی۔ (بطور شوخ گھریلو خادم کے فلورا پکارا جاتا۔ منظور نظر عورتوں کو عموماً یہی نام دیا جاتا) صورتحال اس وجہ سے مزید پیچیدہ ہوگئی کہ فرانس کے بادشاہ فلپؔ۔ا اور پاپایت میں ٹھن گئی۔ فلپؔ نے اپنی ملکہ کو غیر موثر بنا کر ادھر ادھر کر دیا اور رعایا میں سے کسی شخص کی بیوی کو گھر ڈال لیا اور طلاق کی کسی کاروائی پر بھی عمل نہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ہیوؔ جو فرانس میں پاپا کا نمایندہ تھا اس نے رسماً اسے برادری بدر کر دیا۔ اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے کی خاطر فلپؔ نے اس کے بعد رالفؔ کو ترغیب دی کہ وہ کرسمس کے موقع پر اس کی تاجپوشی کرے۔ اس داؤ پیچ میں خاموش رضامندی کا انعام جونؔ کی اسقفی عملداری تھی۔

حالات کی کم ازکم یہ تفسیر تھی چارٹرز کے آیوؔ نے اپنے شکایتی خطوں میں پیش کیا جو خفگی سے بھرے تھے۔ ایک تو اس نے ہیوؔ کو لکھا اور دوسرا پوپ اربنؔ۔۲ کو تحریر کیا۔ آیوؔ اضافہ کرتا ہے کہ جونؔ کی اخلاقی حالت رسوا کن تھی۔ اسی کے ''قسم کے'' نوجوانوں نے اس کے متعلق پھکڑ پن والی قافیہ بندی کی اور اسقف کے ضلع بھر میں گایا گیا۔ اور جونؔ کوئی ایسی ذات نہ تھی جس کو تختہ مشق نہ بنایا جاتا یا وہ خود نہ گاتا۔ اس نے ہیوؔ کو ایک گانے کی نقل بھیجی جو اس کے دعوی کے مطابق اس نے ایک گویے کے ہاتھ سے چھینی تھی۔ اپنے اربنؔ کے نام خط میں آیوؔ نے احتجاج کیا اس کے علاوہ یہ نہیں کہ جونؔ رالفؔ کا عاشق تھا بلکہ رالفؔ کے بھائی کا ہم بستر بھی تھا جو خود بھی ایک اسقف تھا آیوؔ کا خط جو ہیوؔ کے لئے تھا اس میں ایک اور تفصیل درج تھی: جب آیوؔ نے بادشاہ سے جونؔ کے رویے کی شکایت کی تھی تو فلپؔ بہت مسرور ہوا اور آیوؔ سے کہنے لگا ('' سرگوشی میں نہیں'' آیوؔ بات بڑھاتا ہے بلکہ ''بھرے مجمع میں'') کہ وہ خود جونؔ کے ساتھ ہم بستری کر چکا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے ہر فن مولا جونؔ

گینی مائیڈ کی طرح باوڈری کی طنزیہ نظم میں واقعی اس نے یہ کیا ''کئی دالانوں میں آنکھ مچولی کھیلتا رہا۔'' اگرچہ اربن ۔۲ ایک نہایت باعمل پوپ تھا۔ اور اس نے سال گذشتہ ہی پہلے جہاد کا آغاز کیا تھا اور وہ اہل کلیسا کے چال چلن کے متعلق بہت فکرمند بھی تھا۔ یہ لگتا ہے جیسے وہ آیوو کی شکایت پر کوئی کارروائی کرنے سے قاصر رہا۔ رالف اپنے صوبے کی حدود میں ثابت قدم رہا اور جون اور لینز میں اپنے حلقہ ہائے اثر میں کم از کم تیس برس تعینات رہا اور مزید کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔

نارمن انگلینڈ میں کلیسائی عیب جوئی نے اپنی توجہ کا مرکز اس چٹپٹے معاملے کو نہ بنایا۔ الزامات کی نوعیت عمومی تھی لیکن اس معاملے میں ایک بادشاہ اہم ہدف تھا۔ ولیم ۔۲ ولیم فاتح کا فرزند ارجمند جو عموماً اپنی سرخ ڈاڑھی کی وجہ سے روفس کہلاتا۔ جس نے ۱۰۸۷ سے ۱۱۰۰ء تک حکمرانی کی اور یہ واحد بالغ برطانوی بادشاہ گزرا ہے جس نے کبھی شادی نہ کی۔ وہ نارمن روایات کا امین اور ایک اجڈ اور بے رحم بادشاہ تھا۔ ولیم کا اکثر کلیسا سے کوئی نہ کوئی تنازع رہتا۔ ہمیں اس بات پر کوئی حیرانی نہیں ہے کہ وہ تین راہب جو اس کے عہد حکمرانی میں گزرے ہیں، ایڈمر اور مامسبری کا ولیم دونوں انگلش تھے اور اورڈیریکس وٹالس جو نارمن تھا یہ تسلسل کے ساتھ مخالف گواہ بنے رہے۔

ولیم اور اس کے دربار کو سب ہی اغلام بازی سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ ایڈمر تو سینٹ آنسیلم کا چیپلن تھا اور اس نے بطور کنٹربری کے اسقف اعظم کے ہمیشہ شاہ ولیم کے کلیسائی حریف کے سربراہ کا کردار ادا کیا۔ اس کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایک میٹنگ میں جس میں آنسیلم نے یہ مناسب جانا ''بادشاہ کے ان اطوار پر ڈانٹ ڈپٹ کی جن کے متعلق اسے خبریں ملتی رہتی تھیں ۔۔۔ کیونکہ تقریباً پوری سلطنت میں ان امور پر لوگ اس کی ذات پر باتیں کیا کرتے تھے ۔۔۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ ایسی چیزیں کسی صورت میں بادشاہ کے شایان شان نہیں ہیں۔ ایڈمر ان الزامات کو مبہم چھوڑ دیتا ہے مگر اینگلونورمن دربار میں ایک قابل ذکر تبدیلی آ گئی جسے مامسبری کا ولیم یوں بیان کرتا ہے۔ ''تمام فوجی نظم وضبط کو نرم کر دیا گیا ۔۔۔ اس کے بعد نوجوانوں کے لئے ایسی ذات مثالی شخصیت بن گئی جو عورتوں کے سامنے دیگر مردوں سے زیادہ شائستہ لگے ان کے قدموں سے قدم ملا کر چلے اور چال

میں اکڑ فوں نہ ہو اور نیم برہنہ رہے۔ یوں ناتواں اور زنخا پن آنے سے وہ خواہی نخواہی وہی رہے جو قدرت نے بنایا تھا۔ دوسروں کی عصمت پر حملہ کرنے والے اور اپنی دولت اڑانے والے۔ جوتی چٹخانے والوں کے دستے طوایفوں کے گروہ درگروہ دربار کے پیچھے رہے۔'' وارڈ ریکس وٹالسؔ نے اس نئے فیشن کا ذمہ دار ''برے گانڈووں'' کو قرار دے دیا جو ''بے شرمی سے خود کو اغلام بازی کی غلاظت کے گڑھے میں گرا دیتے ہیں'' ولیمؔ کا اپنا مزاج بڑی حد تک مردانہ جارحیت کا حامل تھا۔لیکن اس شے کا وجود جو ہم عصروں کے خیال میں کہ اس کے ہم رکابوں میں گھسے پٹے اغلام باز تھے لیکن ان خیالات کو فروغ ملا کہ وہ دو جنسیا تھا۔ یہ ایک معقول مفروضہ لگتا ہے اگر وقایع نگار کوئی براہ راست الزام نہیں لگاتے اور نہ ہی کسی پسندیدہ شخص کا نام لیتے ہیں۔

آنسیلمؔ نے چرچ کی کاونسل کا اجلاس طلب کرنے کی جب تجویز پیش کی تو ولیمؔ نے کسی جوش وخروش کا مظاہرہ نہ کیا اور جب اس سے مذاق میں پوچھا گیا کہ وہ کس موضوع پر خطاب کرے گا تو آنسیلمؔ نے جواب دیا۔''وہ شرمناک جرم جسے اغلام بازی کہتے ہیں'' ۔۔۔لیکن اس دھرتی کے دساور کے علاقوں میں پھیل چکی ہے اور اپنے ساتھ کثیر برگ وثمر لاچکی ہے اور اس کے ساتھ آنے والی لعنت ملامت نے بہتوں کو برباد کر دیا۔۔۔میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ ہم دونوں مل کر کوشاں ہوں تم اپنے شاہی اختیارات کے ساتھ اور میں اسقف اعظم کے کل اختیارات کے ساتھ اور فرمان کو اس کے خلاف اس طرح نافذ کر دیں کہ جب یہ ملک کے طول وعرض میں شایع ہو اور اگر یہ کسی کے کان میں بھی پڑ جائے تو ہر ایک کو یہ محسوس ہو کہ وہ جو اس علت میں مبتلا ہیں وہ کانپیں اور ہراساں ہو جائیں۔ ایڈمرؔ اس واقعے کا جب ماجرا بیان کرتا ہے یہ تبصرہ کرتا ہے''ایسی اشیا کی بادشاہ کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی'' اس نے بڑی رکھائی سے درباریوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ ''اب موضوع پر مزید گفتگو نہ ہو۔''

ولیمؔ کی موت نے جلد ہی راستہ صاف کر دیا اس کے بھائی ہنریؔ ۔ اول نے منصوبے کی منظوری دے دی۔ اور آنسیلمؔ کو اس وقت گونہ اطمینان حاصل ہوا جب لندن کی کاونسل نے ایک قانون کی ۱۱۰۲ء میں منظوری دی جو اغلام بازی کے خلاف تھا۔ نیا قانون

تمام کلیساوں میں ہر اتوار کو پڑھا جاتا۔ غالباً یہ محض اس لئے تھا تاکہ کوئی بھی ''گذشتہ عہد کی بدیوں کے خلاف چرچ اور حکومت کے رہنماؤں کے منظور شدہ کڑی تنقید سے بے خبر نہ رہ جائے۔''

آنسیلم کا دوستی کے معاملے میں اعتراف جو اس نے اپنے خطوط میں دوسرے پادریوں کے متعلق کیا تھا انہیں انداز بیان کے لحاظ سے فیاضی کی حد تک رومانی کہا جاسکتا ہے۔ زمانہ حال کے ایک ثقہ سوانح نگار اس نظریہ کا حامل ہے جو آنسیلم میں ہم جنس پرستی والے میلانات اس میں پاتا ہے اور اس کا فیصلہ کہ کاونسل کا اغلام بازی مخالف فرمان کا نفاذ موخر کر دیا جائے یہ اس جانب اشارہ ہے کہ وہ کسی حد تک اس میں نرم روی کا خواہاں تھا۔ کچھ بھی کہیں اس کی تجویز یہ تھی کہ نئے ضوابط کے نفاذ میں احتیاط کی جائے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''یہ ذہن نشین رہے'' کہ ''اس گنا کا سرراہ اتنی مرتبہ ارتکاب کیا گیا ہے کہ اب اس پر کوئی نہیں شرماتا اور بہت سے تو ایسے ہیں جو اس کے گڑھے میں بے خبری کی کشش سے گر جاتے ہیں۔'' اس کے باوجود آنسیلم کی مہم بظاہر ناکام ہوگئی کیا دیگر اہلکاروں نے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ کلیسا کے ایک اہل کار نے ۱۱۰۵ء میں یہ لکھا کہ ''اغلام بازوں کو جنہیں آنسیلم نے عظیم کاونسل میں برادری بدر کرنے کو کہا تھا اور وہ مرد جو لمبے بال والے ہیں اور جو آنے والے ایسٹر میں پاپائی پوشاک زیب تن کریں گے جب کہ اس نے مجمع عام میں کہا تھا کہ ان کا کلیسا میں داخلہ بند کر دیا گیا تھا وہ اب دست درازی سے محفوظ ہیں۔ کیونکہ آج پوری سلطنت میں کوئی نہیں ہے جو جرأت کرے اور آنسیلم کی نیابت کرے۔''

اس سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ولیم۔ دوم اور اس کے بعد نارمن انگلینڈ میں کسی حد تک ہم جنس پرستی کھلم کھلا ہوتی تھی۔ بیس برس بعد ۱۱۳۰ء میں ہنری۔ اول کے لڑکوں کے ڈوب کر مرنے کے بعد اور دیگر لوگ جو ملمع ساز اشرافیہ کی شہرت رکھتے اور ''سفید جہاز'' میں سوار تھے جو بارفیلور کے مقام پر ڈوبا تھا جسے کم از کم ایک وقایع نگار نے خدا کی ناخوشی کی علامت کہا جو درباری حلقوں میں اغلام بازی کے پھیلنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ یہ جا کر کہیں ۱۹۷۰ء میں ہوا جب برطانیہ میں ہم جنس پرستی کا دوبارہ ظہور ہوا۔

اہلِ دینیات کا حملہ:

مشرق قریب میں اسی سال ۱۱۲۰ء میں چرچ اور ریاست کی مشترکہ کونسل طلب کی گئی جو مستقبل کے لئے ایک منحوس پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ نارمن اور فرانسیسی امرا جو ۱۰۹۹ء میں مقدس سرزمین پر جہاد کرنے کے بعد یروشلم پر قابض ہو چکے تھے اور ایک سلطنت کی داغ بیل ڈال چکے تھے لیکن ان کی حیثیت وہاں قدرے غیر محفوظ تھی ۔ گورمنڈ یروشلم کا لاطینی سردار اس پر اظہار افسوس کرتا کہ محصور عیسائی اس بات کی ہمت نہ کر سکتے کہ اس قصبے سے ایک میل کے فاصلے پر ہی چلے جائیں جس پر وہ قابض تھے۔ انٹیوچ کے راجر کو ۱۱۱۹ء میں ایک تباہ کن شکست سے نام نہاد خون کے میدان میں دوچار ہونا پڑا۔ یہ اسی صورت حال کا ازسر نو نمودار ہونا تھا جو ذہنیت کی بندش جیسی تھی جیسی کہ کارونجی سماج (فرانس میں) پر تین صدیوں پہلے حملہ آور ہوئی تھی۔

چرچ اور ریاست نے نابلس کے مقام پر منعقد ہونے والی کاونسل میں ایک دوسرے سے تعاون کیا یہ ایک تاریخی شہر ہے جو یروشلم کے شمال میں واقع ہے جس میں فرانسیسیوں کے خطے سامریہ کے باشندوں اور مسلمانوں کی ملی جلی آبادی تھی۔ اگر چہ میٹنگ رسماً چرچ کی کونسل تھی مگر درحقیقت یہ ایک نیم سیاسی اسمبلی تھی جس میں اہل کلیسا اور دیوانی اہلکار شریک تھے۔ اور جس کی مشترکہ صدارت بادشاہ بالڈون ۔۲ اور گورمنڈ نے کی۔ جیسا کہ پیرس میں ہونے والی کونسل میں ہوا تھا عسکری افکار نے درشت اخلاقی قانون سازی کرائی اور ہم جنس پرستی کے خلاف متعدد قوانین بنائے گئے۔ فاعل اور مفعول دونوں ساتھیوں کو جلانا لازم ٹھہرا۔ اگر مرد کی جبراً ماری گئی ہو تو اسے اس شرط پر چھوڑ دیا جاتا اگر ''وہ زور سے چلایا ہو'' لیکن اس کے باوجود اسے ایک مذہبی کفارہ ادا کرنا پڑتا۔ اگر کسی مرد کی دو مرتبہ گانڑ ماری گئی ہو تو اسے اس لئے جلا کر مار ڈالا جائے جیسے کہ اس کی مرضی سے لی گئی ہو۔ جو اغلام بازی کے پہلی مرتبہ مرتکب ہوئے ہوں اور اعتراف کرلیں تو ان پر کفارہ لازم ہوگا اور دوسری مرتبہ اعتراف کرنے کے بعد انہیں ملک بدر کر دیا جائے گا۔ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ایک ہی جنس والوں کے مابین ہونے والا رشتہ ارض مقدس پر مختلف ذرائع سے پیدا ہوا۔

اہل نارمن میں ان واقعات کی موجودگی کی خوب تشہیر کی جاتی۔ یہ خوف کہ صلیبی مجاہدین مشرقی اسلام کے آزاد تر وطیرے اختیار کرلیں گے جس میں مسیحی عورتوں کی قلت بھی شامل تھی۔

ایک کونسل جو فلسطین جیسی دور جگہ پر منعقد ہوئی تو یوروپی معاملات کے مرکز سے بہت دور ہوگی۔ لیکن تیسری لاٹیران کونسل جو ۱۱۷۹ء میں روم میں منعقد ہوئی تھی اس میں بھی ہم جنس پرستی کا مسئلہ اٹھایا گیا تھا۔ اسے الیگزینڈر۔سوم نے اس لئے بلایا تھا تاکہ باربروسہ کے شہنشاہ فریڈرک سے چلنے والے اس کے تنازع کا کوئی حل تلاش کیا جائے۔ یہ لاطینی چرچ کی عظیم ترین کونسل تھی جو کبھی دیکھنے میں آئی اس میں مسلمہ عیسائی عقاید کے خلاف پیدا ہونے والے معاملات پر غور ہوا، پاپا کے انتخاب کرانے کے لئے قواعد بنائے گئے۔ اس کا حکم جاری ہوا کہ کسی کو بھی (اورلینز کے جاںن کی مانند) اسقف کے عہدے پر تیس برس کی عمر سے پہلے نہیں مامور کیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ اغلام بازی کے بھی خلاف حکم جاری کیا گیا۔ قانون۔۲ یہ کہتا ہے کہ کوئی شادی شدہ صاحب کلیسا اپنے وظیفے سے محروم ہوجائے اور پادری ''اگر نفس پرور نہیں جو فطرت کے خلاف ہے'' ملوث ہوا تو اسے کلیسائی فراز سے سبکدوش کردیا جائے اور اس کا مرتبہ گھٹا کر خانقاہ میں تعینات کردیا جائے تاکہ وہ کفارہ دے۔

اس فرمان کے ذریعے خاطی پادری عوامی جایزے سے محفوظ ہوگئے اور دیوانی سزاؤں سے بچ گئے۔ مگر عام آدمی کو سخت انجام کا سامنا تھا کیونکہ یہی قانون یہ بھی کہتا تھا کہ انہیں ''برادری بدر کردیا جائے اور مسیحیوں سے رابطے میں آنے سے روکا جائے۔'' قرون وسطی میں برادری بدری کے سنگین نتائج ہوسکتے تھے۔ ڈنمارک کے شہر آرگون اور جرمن سلطنت میں مثال کے طور پر اس کے معنی سزائے موت ہوتی تھی اگر دیوانی صاحبان اختیار یہ چاہیں۔

تاہم اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان قوانین کا مقصد بڑی صراحت سے یہ طے کرنا تھا کہ کلیسا کا موقف یہ تھا کہ ہم جنس پرستی کے معاملے کو ہم ایک عدالتی معاملہ سمجھتے ہیں۔ جو ۱۲۶۷۔۱۲۷۳ء میں تکمیل کو پہنچا۔ جس میں یہ توقع کی گئی کہ عقیدہ اور استدلال یعنی

کیتھولک دینیات اور ارسطوؔ کو رشتہ مناکحت میں منسلک کردیا جائے۔ یہ سینٹ تھومس ایکی ناسؔ کی سمّا تھیولوگیا کا ہدف ٹھہرا۔ اگر چہ ابتدا میں اس پر مسلمہ کلیسائی عقاید سے برگشتہ ہونے کا شک کیا گیا۔ تھومسؔ کو بالآخر چودھویں صدی میں ولی کے مرتبہ جلیلہ پر فایز کیا گیا۔ اور اس کی تحریروں کو ۱۸۷۹ء میں کیتھولک چرچ کے سرکاری فلسفے کی حیثیت دینے کا پوپ لی آؔو۔۱۳ نے اعلان کرکے تسلیم کرلیا۔ تاہم ایکی ناسؔ کے مذکورہ فیصلے میں جو اس نے ہم جنس پرستی پر دیا تھا کوئی اختراعی چیز نہیں ملتی۔ سمّا میں وہ محض دیرینہ عقاید سے استنباط کرتا ہے یا پھر انہیں معقول بنانے کا جتن کرتا ہے۔

سمّا کا ممتاز ترین گوشہ یہ ہے کہ یہ روایتی مسیحی اخلاقیات کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے کوشاں ہے اور اس کے لئے قانون فطرت سے مدد کا خواہاں ہے۔ یوں ایکوئسؔ عہد عتیق میں دیے ہوئے پیمانوں کو سینے سے لگا کر ایک فلسفیانہ نکتہ پیدا کرتا ہے جو اس کی دانست میں صحایف سے باہر ہوتے ہوئے بھی معقولیت کے حامل ہیں۔ اس لئے وہ ''غیر فطری'' جنسکاری کے افعال کو ان کی سنگینی کے مطابق چار درجوں میں رکھتا ہے۔ اول۔ ''تنہائی کا گناہ یا مشت زنی'' دوم پر جنسہ جنسکاری ''غلط برتن'' میں (یعنی مقعد میں، منہ میں چودنا) یا پھر غلط جگہ پر: سوم۔ اغلام بازی یعنی تعلقات پیدا کرنا مگر غلط صنف سے اور آخر میں گناہ کبیرہ جو سب سے بڑا ہے وہ ہے جانور چودنا۔

ایکی ناسؔ کی ہم جنس پرستی کی یہ کہہ کر مذمت کی کہ یہ غیر فطری ہے دراصل فطری قانون کے دو اصولوں پر قایم ہے۔ دونوں اتنے ہی قدیم ہیں جتنا کہ افلاطونؔ کے قوانین۔ پہلا تو یہ نظریہ ہے کہ جانور ہم جنس پرستی میں ملوث نہیں ہوتے۔ اور دوسرا یہ حقیقت کہ یہ غیر پیداواری عمل ہے۔ فطری قانون کا نظریہ تو رومی قانون میں مضمر ہے جسے تیسری صدی کے منصف الپیانؔ نے شامل کیا تھا۔ جس نے ایک عبارت میں جسٹینینؔ کے ڈائجسٹ میں شامل کیا اور فطری قانون کی یہ تعریف کی ''جس چیز کی فطرت نے تمام حیوانات کو تعلیم دی۔'' ''یہ قانون'' الپیانؔ کے بقول ''صرف نوع انسان ہی کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں ہے بلکہ ان تمام جانوروں پر بھی منطبق آتا ہے جو خشکی یا سمندروں میں پیدا ہوئے ہیں اور طیور پر بھی۔'' اس میں سے نر اور مادہ کا میل جنم لیتا ہے جسے ہم شادی کہتے ہیں اور بچوں کی

تخلیق اور مناسب پرورش۔ ہم اس حقیقت میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دیگر تمام جانور یہاں تک کہ وحشی درندے اسی قانون کی حدود میں رہتے ہوئے جیتے ہیں۔''حالانکہ الپیاؔن صرف پر جنسی جوڑوں کے متعلق گفتگو کرتا ہے لیکن ایکی نوسؔ اپنی تصنیف سمّا میں اپنی تعریف میں ہم جنس پرستی کی ملفوف مذمت کرتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ دو مخصوص گناہ فطرت کے خلاف ہیں مثلاً وہ سب جو مرد و زن کے درمیان ہونے والی مجامعت کے خلاف ہوں اور جانوروں کے لئے بھی اس لئے یہ سب ایسے ہیں جو خاص طور پر غیر فطری برایاں ہیں۔''

یہ سب کچھ ایک وسیع مسئلے کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ یونانی۔ آیا کہ اتنا ہی مناسب ہے کہ جانوروں کو ہم اپنے لئے ایک مثال بنایں۔ حیوانی رویہ قابل تعریف ہونے کے علاوہ وحشت ناک بھی ہوسکتا ہے۔ دیگر انواع کی حیات کے متعلق ہماری تشویش جو بھی ہو لوگوں کی اکثریت زیادہ تر انسانی کامیابیوں کو بہت اہمیت دیں گی اور انہیں حیوانی رویوں سے ممتاز قرار دیں گی۔ چارلس کرّاؔن نے الپیا نک تھوماسٹک تصورات برائے فطری قانون پر تبصرہ کرتے وقت پوپ پال۔٦ کا فرمان ١٩٦٨ء جو مانع حمل مسائل پر تھا بھی اس کے پیش نظر تھا۔ اس میں اس نے یہ تجویز دی کہ ''انسان کی ایک مناسب تفہیم شروع کی جائے جو انسانوں سے معقول حد تک مناسبت رکھتی ہو۔۔۔ الپیاؔن کا فطری قانون منطقی طور پر انسان کی تفہیم کو جھٹلا دیتا ہے۔'' بات واضح ہے کہ اخلاقی رہنمائی کے لئے حیوانی رویے پر انحصار بائیبل کے حاشیے پر سرخ روشنائی والی تحریر کے تحت فطری قانون کا مطالعہ کیا جائے تو متعدد نکات تشنہ طلب ابھر کر آئیں گے۔

آج کل کی حیاتیاتی سائینس نے ایک اور اعتراض وارد کیا ہے عمیق تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانی دنیا میں ایک ہی جنس کے مابین جنسی تعلقات ایک عام بات ہے۔ علماء حیوانیات نے اپنے مقالوں میں جو سائینسی رسالوں میں چھپ چکے ہیں اس کی شہادتیں بہم پہنچائی ہیں کہ ایک ہی جنس کے مابین جنسی سرگرمیاں کوئی ٤٥٠ جانوروں میں دیکھی گئی ہیں جو ہر اہم جغرافیائی خطے میں اور ہر اہم حیوانی گروہ میں دیکھنے میں آئیں۔ ان میں ایسے متنوع گروہ بھی تھے جیسے گوریلے، ہاتھی، شیر، ڈولفن، افریقی امپالا ہرن، کانگارو، جنوبی امریکی لاما، گوموڑیلا سور، سمندری کوئے اور کچھوے۔ یہ بھی درست ہے کہ ''فطری''

دنیا بظاہراور عمداً اس طرح تخلیق پائی ہے جیسے وہ اخلاقیات کے علماء کو سراسیمہ کرنے کے لئے بنی ہو۔ نہ صرف یہ ہے کہ سینکڑوں اقسام کی انواع ہر قسم کی ہم جنسی مذاق کے افعال میں مشغول ہیں بلکہ ان میں سے ایک تہائی تو نروں کے جوڑوں کی صورت میں یا ماداؤں کے جوڑوں کی شکل میں اور ان کا ساتھی سے فدایانہ بندھن اور ان کا موقع بہ موقع کھلانا، تحفظ مہیا کرنا اور نوزایدوں کی پرورش کرنا بھی دیکھنے میں آیا ہے۔

ایک اور راستہ جس سے ایکی ناس اس نوعیت کے ''غیر فطری گناہ'' تک پہنچتا ہے وہ فلسفیانہ ہے نہ کہ حیاتیاتی۔ وہ ارسطو کے نظریہ ''علل غائی'' یعنی وہ مقاصد یا نتائج جن کی خاطر اشیا یا افعال موجود ہیں۔ اس خیال کے مطابق جیسے خوراک کا وجود کسی فرد کی زیست کے لئے ضروری ہے اسی طرح جنس بھی کسی نسل کے تسلسل کے واسطے ضروری ہے۔ یوں جنس کو ہمیشہ اپنا اصل ''فطری'' مقصد پورا کرنا چاہئے۔ اور دیگر تمام ایسے غیر تخلیقی جنسی افعال ''غیر فطری'' ہیں۔

اس کے علاوہ ایکی ناس آگسٹائن کے نظریات کی توثیق کرتا ہے کہ ہم جنس پرستی ایک ''بدترین'' جنسی گناہ ہے۔ اس نکتے کو اچھی طرح واضح کرنے کے لئے ایکی ناس ایک سوال اٹھاتا ہے کہ کیا جماع بالجبر اور شادی شدہ افراد کا کاروکاری (بطور اسم) کرنا غیر فطری افعال سے برا نہیں ہے۔ چونکہ وہ دوسرے لوگوں کے لئے ضرر رساں ہیں جب کہ اتفاق رائے سے گناہوں کا ارتکاب جو خلاف فطرت ہے کیوں ہیں۔ جواب نہایت غیر مبہم ہے۔ چاروں غیر پیداواری جنسکاری کی اقسام تو بدترین ہیں اگر چہ وہ دوسروں کے لئے ضرر رساں نہیں ہیں۔ مگر وہ براہ راست خدا کے خلاف گناہ ہیں جو فطرت کا خالق ہے۔ اس دلیل کے مطابق جماع بالجبر آتا ہے جو استقرار حمل کا باعث بن سکتا ہے کہیں کمتر جرم بن جاتا ہے بہ نسبت مشت زنی کے۔ اور اب مانع حمل ادویہ کا کیا ہوگا۔ آیا شادی شدہ افراد کے درمیان ہونے والی مجامعت جس میں مانع حمل اشیا استعمال کی گئی ہوں غیر فطری فعل ہوگا۔ ایکی ناس یہی سوال سمّا میں نہیں اٹھاتا۔ لیکن پہلے ہی وہ اپنی تفسیر میں جو اس نے پیٹر لومبارڈ کے جملوں پر لکھی تھی بڑی درجہ بندی سے بیان کر چکا تھا۔ اس طرز استدلال سے ازدواجی جنسکاری جس میں مانع حمل اشیا استعمال ہوں تو کیا وہ غیر فطری گناہ کے زمرے

میں شمار ہوگی جو ہم جنس پرستی کے رویے سے محض ایک درجہ کم برا سمجھا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں جیسا کہ کرّان نے اشارہ کیا ہے کہ فطری قانون کا نظریہ ''کوئی سنگی لاٹھ والے فلسفہ والا نظام نہیں ہے جس میں اخلاقی شرایط کی کوئی متفقہ دستاویز ہو اور جو ازل سے موجود ہے۔'' فطری قانون کا تصور نہایت مبہم ہے اور اس کی نہایت مختلف تفسیریں مختلف زمانوں اور مختلف مفکرین نے دیں۔ ایسے رویے جو اتنے متنوع ہیں جیسے ڈاڑھی منڈوانا، بچے کی پیدائش میں عورت کا بے ہوشی کا ٹیکہ لگوانا۔ اور یہاں تک کہ ہوائی جہاز میں پرواز کرنا تک ایک زمانے میں غیر فطری قانون کی زد میں آچکا ہے۔ آپ ایک مثال دیکھئے اپنی 'جہنم' کے ساتویں بند میں ڈانٹے ان مردوں کی سزاوں کو ڈرامائی رنگ دیتا ہے جو ''فطرت کے خلاف تشدد'' کرتے ہیں یا پھر جیسا کہ وہ یکے بعد دیگرے پیش کرتا ہے ''اہل سدوم اور اہل کاہورز کے گناہ'' قارئین تو اہل سدوم کی رنگارنگ شہرت سے آگاہ ہیں اس پر بھی حیران ہوں گے کہ فرانسیسی صوبہ پرونکل کے شہر کاہورز میں کیا واقعات ہوئے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کاہورز تو ایک مالیات کا مرکز تھا اور اس کا غیر فطری گناہ تو سود خوری تھا۔

ڈانٹے کے فیصلے کا دارومدار قرونِ وسطیٰ کے ایک مستحکم نظریے پر تھا۔ ارسطو نے تو سود کو غیر فطری کہا تھا تاکہ پیسہ پیسے کو نہ جنم دے۔ احبار میں دی ہوئی پابندی کا حوالہ (۲۵:۳۶۔۳۷) جو سود کے خلاف ہے۔ کلیسا کے فادرز اور قرونِ وسطیٰ کے اہل شرع نے بڑی شدومد سے بیاج کی مذمت کی (یعنی ہر نوعیت کے سود کی) اور اسے اخلاقی گناہ قرار دیا۔ اور اس میں وہی انداز بیان اختیار کیا جو ہم جنس پرستی کے خلاف کیا جاچکا تھا۔ یوں پندرہویں صدی کے کلیسائی قانون داں کو یہ لکھنے کا موقع مل گیا کہ ''جب بھی انسان فطرت کے خلاف گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں چاہے وہ جنسکاری کا جماع ہو'' بتوں کی پوجا ہو یا پھر دیگر غیر فطری افعال ہوں اس پر کلیسا ہمیشہ اپنا عدالتی استحقاق ضرور استعمال کرے گا۔ (جیسا کہ چند ایک کا خیال ہے) کہ کلیسا کو یہ اختیار ہے کہ وہ سود خوروں پر مقدمہ چلائے مگر چوروں اور ڈاکو سے تعرض نہ کرے کیونکہ سود خور تو رقم بناتے ہیں جو فطرتاً کسی اور طرح سے نہیں بڑھے گی یوں وہ فطرت شکنی کے مرتد ہوئے ہیں۔ کیتھولک کلیسا کے صاحبان دینیات نے کبھی بھی سنجیدگی سے کلیسا کے روایتی سود کے تصورات کو نہیں للکارا یہاں تک کہ

اٹھارویں صدی آ پہنچی۔ اور کلیسائی قانون جس کے ذریعے سود وصول کرنا دین دنیا گنوا دینے والا گناہ بن گیا اور جسے ۱۹۱۷ء تک واپس نہ لیا گیا۔ تاریخ گواہ ہے صاحبان اخلاق، ہمیشہ ہی سے لاتعداد رویوں کو ''غیر فطری'' کہتے چلے آ رہے ہیں۔ ایک زمانے میں اسے ناپسندیدگی سے زیادہ نہ سمجھا جاتا تھا اور اس کی وجوہ نامعلوم ہیں وہ سنجیدہ تھیں یا نظر انداز کرنے والی۔ ناقابل تغیر مگر حقیقت سے دور دور، نہ بدلنے والی اور دائمی پیمانے والا فطری قانون کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ ہر عہد کے عصری تعصّبات کے لئے دل میں گنجائش نکال لیتا ہے اور بسا اوقات ان کے لئے فرضی فلسفیانہ احترام بھی مہیا کر دیتا ہے۔

کلیسائی عدالتیں اور ان کے حلیف:

تیرہویں صدی کے آغاز میں چرچ نے مذہبی جہاد شروع کر دیا جو جنوبی فرانس کے آلبیجینسین کے خلاف تھا۔ اس فرقے کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ اس کے باوجود مسلمہ مسیحی عقاید سے انحراف کو اب بھی خطرہ سمجھا جاتا۔ اس کے لئے پوپ گری گورئ۔۹ نے ۱۲۳۳ء میں ایک پاپائی عدالت کی شکل میں ایک رسمی تنظیم قائم کی۔ اب تک عقاید سے انحراف کو انفرادی طور پر تمام اسقف نمٹتے تھے لیکن گری گورئ کے ذہن میں یہ سمائی کہ اسقف صاحبان مسیحی منحرفین کی داروگیر میں تساہل برتتے ہیں اس لئے ایک ایسا ٹریبونل قائم کیا جائے جو مقامی ہمدردیوں سے عاری ہو۔ اس مقصد کے لئے اس نے تبلیغ کرنے والی عبادات کے لئے نئے احکام کی فہرست بنوائی۔ جو ڈومینیکن فرائرز (جو دینیات میں مہارت رکھتا تھا) اور فرانسسکنز۔ یوں سب سے زیادہ طاقتور اور نہایت خوفناک ادارہ عالم وجود میں آیا تاکہ یورپ بھر میں مذہبی تقلید کو نافذ کیا جا سکے اور اس کی ذیلی شاخوں کو بھی اچھی طرح باخبر رکھا جائے۔ ان کلیسائی عدالتوں کا خاص کام یہ تھا کہ مسیحی انحراف کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں لیکن ایسا بھی ہوا کہ اس ادارے نے یہ ذمہ داری بھی اٹھالی کہ مسیحی جنسی اخلاق کو بھی نافذ کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح اسپینی کلیسائی عدالتیں تین سو سال کے بعد ہم جنس پرستوں کو کھدیڑنے لگیں اور جیسا کہ ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ ایسا وقت آ گیا جب چند

عدالتوں نے مسیحی عقاید کے منحرقین سے زیادہ اغلام بازوں کو ٹکٹکی پر چڑھا دیا۔ لیکن کیا تیرہویں صدی کی کلیسائی عدالتیں ''پاپائی'' تھیں۔ جو ایسی داروگیر میں ابتدا ہی سے پڑی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ ہوں۔

اس دور میں مسیحی عقاید سے انحراف اور اغلام بازی عوامی ذہنوں میں ایک دوسرے سے اتنی شیر وشکر ہوگئیں اور اس حد تک کہ بے شک ایک ہی اصطلاح دونوں پر محیط ہوگئی۔ فرانس اور انگلینڈ میں (Bougre) یا ''Bugger'' ممکن تھا کہ دونوں ہردو کے معنی دیں۔ اس لئے تیرہویں صدی کے فرانسیسی قوانین میں ان کے معنی تلاش کرنے میں ہم ٹامک ٹویاں مارنے لگتے ہیں کہ اس لفظ کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے۔ جرمنی میں بھی یہی ابہام لفظ Ketzer (لفظ Cathar) سے وابستہ ہے۔ اگر کوئی کٹزری بولے تو (مسیحی منحرف) کی روح جھلکتی ہے جب کہ اس لہجے اور تلفظ میں گوشت کے معنی بھی پنہاں ہیں۔ لقب 'بگر' جو بلگاری سے ماخوذ ہے۔ یہ بلقان الاصل ہونے کا حوالہ ہے جو ایسے مسیحی منحرفین کی جانب ہے جن کے پیرو جب شمالی اطالیہ اور پرونس میں نمودار ہوئے تو انہیں البیجنیسین یا کاتھر کے رہنے والے کہا گیا۔ چونکہ وہ ثنویت کے قابل تھے اس لئے ان کے عقیدے کے مطابق اس مادی دنیا کا خالق شیطان ہے۔ اہل کاتھر نے کئی کیتھولک عقائد کو مسترد کردیا۔ جس میں بپتسمہ کرنا، عشائے ربانی اور پادریوں کے طبقے کی محکومی قبول کرنا۔ اور چونکہ نسل بڑھانے کا تخلیقی عمل مادی اجسام میں روح کو مقید کرتا ہے اس لئے انہیں شادی اور استقرار حمل پر اعتراض تھا۔ چونکہ اس کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ ایک جنسی دریچے کا استرداد ہوتا ہے جس کی کلیسا نے روایتی طور پر منظوری دے رکھی تھی۔ یہ خیال نہایت مقبول تھا کہ یہ لوگ کسی نہ کسی غیر تخلیقی قسم کے جنسی فعل میں غلطاں رہتے جس میں ہم جنس پرستی بھی شامل تھی۔

مرد اور عورتیں مختلف وجوہ پر کلیسائی عدالتوں کی توجہ کا سبب بنیں اور وجوہ مختلف تھیں۔ اگر چہ اپنے منہ سے اقرار جرم بھی ہوتا (تاکہ سخت سزاؤں سے بچا جائے) حالانکہ مقامی گپ شپ سے جو مشتبہ تقاریر اور رویوں کے متعلق ہوتیں۔ ان کی علانیہ مذمت خفیہ دشمنوں کے ذریعے ہوتی یا دوستوں یا رشتہ دار ڈرایا کرتے۔ بے شک عام حالات میں تو جماع بالرضا کے فریق سے تو یہ ممکن نہ تھا کہ وہ راز فاش کردے جب تک کوئی پرعزم

کوششیں انہیں کھود نکالنے کی نہ کی جاتیں۔ کیا ایسی مساعی کی گئیں۔ مائیکل گوڈؔچ کو ایسی شہادتیں ملی ہیں کہ ایسا ہوتا تھا۔ متقی عام لوگوں کی مذہبی تنظیمیں جو ڈومینکی عقاید سے وابستہ تھیں وہ اٹلی میں ابتدائی تیرہویں صدی میں منظّم کی گئیں۔ ان میں سے ایک جس کا نام بلیسڈ میری تھا اس نے ایک خاص کوشش کی تاکہ مسیحی منحرفین ہی کو نہ کھدیڑ کر پکڑا جائے بلکہ اغلام بازوں کو بھی دھرلیا جائے۔ ہمبرٹؔ جو رومی تھا وہ ۱۲۵۵ء میں ڈومینکن فرقے کا سربراہ تھا۔ اس نے بولگانا میں اپنے ارکان سے کہا کہ وہ مسیحی منحرفین اور اغلام بازوں کی تلاش میں کسی قسم کی غفلت سے کام نہ لیں اور اسی طرح کے خطوط اٹلی کے تمام شہروں کو ارسال کیئے گئے۔ بولوگنا کے قوانین کو ۱۲۶۰ء میں سوسائٹی کے اہلکاروں کو ایسے فرایض کی انجام دہی کے لئے ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ یہ آدم بوا ٹلی میں کسی قدر منظّم تھی اس کا اشارہ شہر پیروجیا کے متعلق قوانین مجریہ ۱۲۴۲ء سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس نے چالیس افراد کو ملازم رکھا (شہر کے پانچوں اضلاع میں ۸ فی ضلع) تاکہ وہ اغلام بازوں کو تلاش کریں۔ چونکہ بلیسڈ میری سوسایٹی کی ایک شاخ اس شہر میں ۱۲۳۳ء سے موجود تھی۔ ہم اس لئے قیاس کرسکتے ہیں کہ اس کے ارکان شہری جاسوسوں کے ساتھ مل جل کر کام کرتے ہوں گے۔ ہونہ ہو گوڈؔچ کا یہ حاصل کلام ہے ''اس مذہبی تنظیم کے اہلکار کلیسائی عدالتوں کے مقامی گماشتے ہوں گے۔''

یہ بہت سبق آموز ہوسکتا ہے اگر ہم اس نقطے پر خود کو یاد دہانی کردیں کہ کلیسائی عدالتوں کے ہاتھ میں جانے سے کیا مراد ہے۔ ملزم کے لئے یہ ایک خوفناک انجام منتظر تھا جس سے نجات کا امکان نہایت معمولی سے ہوتا۔ کلیسائی عدالت خود ہی استغاثہ بنتی اور خود ہی عدالت ہوتی۔ اور اسیر محض اس لئے مجرم سمجھا جاتا کیونکہ اس پر الزام عاید کیا جاچکا ہے۔ خوفزدہ گواہان بڑی آسانی سے شہادت دینے کے لئے اس طرح تیار کر لئے جاتے جس سے منصفین کے شکوک کی تصدیق ہوجاتی۔ مقدمہ بند جگہوں پر خفیہ انداز میں چلایا جاتا جس میں وکیل صفائی نہ موجود ہوتا اور اسیروں کو ان پر الزام تراشی کرنے والوں کے نام نہ بتائے جاتے۔ اس طرح نہ تو ان کا آمنا سامنا کرپاتے اور نہ ہی جرح ہوسکتی۔ دھمکیوں سے ہراساں اور بہتر سلوک کرنے کی پیشکشوں کی تحریص سے یہ بھی ممکن تھا کہ انہیں پرچایا

جاتا یا چکمہ دے کر انہیں دوستوں سے بے وفائی کرنے پر تیار کرلیا جاتا۔ اگر کوئی اغلام باز بہت خوش قسمت نکلتا یعنی اپنے عہد کے ناموافق حالات کے باوجود اور اپنے جیسے دیگر لوگوں میں اسے کوئی حمایت مل جاتی تو اس سے توقع کی جاتی کہ وہ اس کا نام بتائے اور اس کے خلاف گواہی دے۔ اس کام سے انکار کرنے کی سزا میں سنگین انتقام کی دھمکیاں دی جاتیں۔

سزائیں سرعام سنائی جاتیں اور مجمع میں سلطنت اور چرچ کے خاص و عام موجود ہوتے۔ کلیسائی عدالتیں ایسی دنیاداری کی دعوی دارتھیں کہ یہ خود مردوں اور عورتوں کو بطور سزا موت کے گھاٹ نہیں اتار رہیں جس کے لئے وہ انہیں دیوانی گرفت میں ''ڈھیلا'' کردیتی ہیں۔ بلکہ جیسا کہ منصف اچھی طرح واقف ہیں ''ڈھیلا'' کے معنی ہیں اکثر و بیشتر زندہ جلا کر مارنا۔ کمتر سزاؤں میں عمر قید یا پھر سرعام ''لعنت کا طوق'' پہنے۔ کوئی بھی اغلام باز جب اس طرح سزا پائے گا تو بے شک اسے ساری زندگی کے لئے داغ دیا جائے گا۔ سابقہ عاشق یا دوست سے اس کا منسوب رہنے سے اس شخص کی زندگی کو سخت خطرات میں ڈالنا تھا۔ وہ مرد اور عورتیں جن پر اس طرح کی رسوائی کا داغ لگ جاتا اگر انہیں عملی مدد کے لئے جمع کرنا ہوتا تو یہ سب خواب و خیال میں بھی نہیں لایا جاسکتا تھا۔ اس میں حیرانی نہ ہو ناچاہئے ادبی کاموں کی باریک سی دھار جو مردوں کے عشق کے خیال پر تھی وہ اب ناپید ہو چکی ہے۔ وہ جرم جنہیں کبھی چرچ کے فادرز نے یہ کہہ کر مذمت کی تھی کہ ان کا ذکر زبان پر نہیں لایا جاسکتا وہ اب اتنے عام ہو چکے تھے کہ جس کا مَس ہونا بھی خطرناک ہوسکتا ہے۔ ادب میں اغلام بازوں کو اس طرح دکھایا جاتا جیسے وہ عازم جہنم ہیں یا پھر جیسے ڈانٹے کے 'جہنم' کے مطابق پہلے ہی شعلوں میں پڑے ہیں۔

کلیسائی عدالتوں کے ذریعے سزایابی کے خطرات میں تشدد کے شامل ہوجانے سے کہیں زیادہ اضافہ ہوگیا۔ اگر کسی شخص پر مسیحی انحراف کا الزام لگتا یا اغلام بازی کا اور وہ جرم کا اعتراف کرلینے سے انکار کردیتا تو اس پر دردناک تشدد کیا جاتا تاکہ وہ جلدی سے اعتراف کرلے مغربی وسی گوتھوں کو چھوڑ کر بربر اقوام تشدد سے ناآشنا تھیں جنہوں نے جدید یورپ کی اقوام کی بنیاد ڈالی تھی۔ گارشیا کے ڈکٹر یٹم میں اس کی ممانعت تھی اور کلیسائی

قانون میں بھی اس کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن ۱۲۵۲ء میں انوسینٹ۔۴ نے اپنے پاپائی فرمان ایکسٹر پانڈم میں کلیسائی عدالتوں والے مقدمات میں اس کی اجازت دے دی۔ حالانکہ اس نے کلیسائی عملے پر پابندی عاید کردی کہ وہ اسے خود نہ استعمال کریں اور یہ ہدایت کی کہ ایسے موقع پر دیوانی گماشتوں کو بلایا جائے تاکہ امور انجام دیں۔ تب پھر ۱۲۵۶ء میں الیکزینڈر۔۴ نے مذہبی امور کی تحقیقات کرنے والوں کو اجازت دے دی کہ اگر انہوں نے قیدیوں پر تشدد کیا ہو تو وہ ایک دوسرے کو ذمہ داری سے بری کرسکتے ہیں۔ اس بندوبست کے ذریعے وہ تمام رکاوٹیں رفع کردی گئیں اور وہ تمام اہل کلیسا اور راہب جو مسیحیت کے تقدس پر اپنی زندگی نچھاور کئے ہوئے تھے اب اس حیثیت میں تھے کہ وہ شکنجوں کی ڈھبریوں کو کس سکتے تھے۔ اسیروں کے پاوں جلا سکتے تھے یا پھر اپنے اعلیٰ افسران کی خاموش رضامندی سے قیدیوں کو فضا میں لٹکا سکتے تھے۔ یہ رحمدلانہ رعایت جو اس میں درج تھی کہ تشدد کو زیادہ سے زیادہ ایک مرتبہ آزمایا جائے اس حیلے سے بچا گیا کہ مجلس منتظمہ ختم نہیں ہوئی بلکہ محض معطل ہے۔ ایسے حالات میں تقریباً کوئی بھی اس پر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ کچھ بھی اعتراف کرلے۔

ہم عصر قانون کے مطابق مسیحی منحرفین اور اغلام بازوں کو اگر سزا ہوجاتی تو ان کی ساری جائیداد ضبط کرکے منصفین اور الزام لگانے والوں کو دے دی جاتی۔ یہاں بھی جیسا کہ جسٹنین کے عہد میں ہوتا سزایابی کے لئے اس لئے اصرار اور مجبور کیا جاتا کیونکہ اس میں یہ طمع شامل ہوتی کہ مالی فوائد حاصل ہوں گے۔ مال غنیمت کی لالچ میں مقدمات میں بے محابہ اضافے کی بسا اوقات پوپ صاحبان نے مذمت بھی کی۔ جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے ''لیکن چونکہ انہوں نے ایسے کوئی اقدام نہ کیے کہ بدی کے شجر کو جڑ سے اکھاڑ ڈالتے اس لئے یہ فروغ پاکر پھلتا پھولتا رہا۔'' یوں بڑی رقوم ایسے فرقہ پرستوں کے ہتھے چڑھ جاتیں جو خانقاہی غربت کے وابستگان تھے۔ ''ایسا ہی ہوتا ہے'' یہ ہنری چارلس لی کا قول ہے جو اس نے کلیسائی عدالتوں کی پرشکوہ تاریخ میں کہے ہیں۔ جس نے دینی جنون کی آگ کو ایندھن پہنچانے کا کام جاری رکھا تاکہ وہ بھڑکتی رہے اور جب وہ دھیمی پڑنے لگتی تو دین کو بچانے کا عمل افسوسناک حد تک ٹھنڈا پڑنے لگتا۔۔ ہمیں دار و گیری کی سرگرمیوں

کے جوش وخروش اور حاصل ہونے والے مالی نتائج کے مابین کوئی پرتکلف بندھن لگتا ہے۔

وکیلوں کا انجام:

سرسری طور پر ان مردوں اور عورتوں کے متعلق جن پر کلیسائی عدالتوں میں اغلام بازی، چیٹی بازی کا الزام لگایا گیا ہمیں بہت کم معلوم ہے۔ ابتدائی زمانے کی قدیم دستاویزات الجھی ہوئی اور نامکمل ہیں۔ اور حقائق ابھی تک پردہ اخفا میں ہیں۔ تاہم یہ دوسری صورت میں معبد سلیمان کے امرا کے احکام پر ہوا اور جن کے زوال سے پورا مسیحی یورپ لرز کررہ گیا۔ وہ تنظیم برادری جو فلسطین میں ۱۱۱۹ء میں قائم ہوئی تھی۔ یہ ایک نادرالوجود واقعہ تھا۔ ایک خانقاہی تنظیم جو گوشہ نشین اور ذکر وفکر کرنے والے لوگوں کی نہ تھی بلکہ مسلح افراد کی تھی جنہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ آنے والے زایرین کی حفاظت کریں گے اور حال ہی میں فتح کی ہوئی مقدس سرزمین کی بھی حفاظت کریں گے۔ وہ پاپا کے اختیارات کو چھوڑ کر کسی کو جواب دہ نہ تھے۔ یہ نظام کوئی دوسو سال پھلا پھولا۔ اسے اپنی ابتدائی عسکری کامیابیوں پر شہرت بھی ملی اور جلد ہی یہ وراثت اور مالیاتی لین دین کے سبب امیر وکبیر ہوگئی۔ اس کی پہرے داری کی چوکیاں یورپ میں اور مشرق میں قائم تھیں۔ اس کے نمایندے ٹمپلرز کہلاتے وہ بطور بین الاقوامی بینکر کے خدمات انجام دیتے اور ان کا صدر مقام پیرس میں تھا جو یورپ کے سرمایے کا پایہ تخت بھی بن گیا۔ لیکن جب مجاہدوں کے ہاتھ سے فلسطین نکل گیا اور بالآخر انہیں آکرے سے بھی ہاتھ دھونا پڑا جو فلسطین میں ان کی آخری چوکی تھی تو ۱۲۹۱ء میں ان کی ساکھ بری طرح سے متاثر ہوئی۔ اس زوال کے ساتھ ہی مسیحی انحراف اور اغلام بازی کے مقدمات کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس میں پس پردہ اس بادشاہ کا ہاتھ تھا جس کی ان کے خزانے پر نظر تھی۔

فرانس کے فلپ۔۴ جو عام طور سے فلپ دیانت دار کے نام سے مشہور ہے اسے پیسے کی اس لئے سخت ضرورت تھی کیونکہ اسے فلانڈرز اور گاسکونی کی جنگوں میں لگانا تھا۔ اس نے ۱۳۰۶ء میں فرانس کے یہودیوں کو گرفتار کرلیا، ان کی ملکیت پر قبضہ کرلیا اور انہیں

ملک بدر کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اب بھی ٹمپلرز کا مقروض تھا جن کی دولت پر اس کی نظر تھی۔ اگلے سال یہ دیکھ کر کہ وہ کمزور پڑ گئے ہیں فلپؔ نے کارروائی کر دی۔ اس نے ستمبر ۱۴ کو بڑی خاموشی سے اپنے مہر بند احکام روانہ کئے کہ فرانس میں تمام ٹمپلرز کو گرفتار کر لیا جائے۔ ایک ماہ بعد اس کے نائیٹس یا ناظمین کو قید و بند میں ڈال دیا گیا اور اعترافات حاصل کئے گئے اور اس ڈرامے کے پہلے بے مروت ایکٹ میں جو سات برس چلا اس نے تنظیم کو پارہ پارہ کر دیا۔ ہمیں آج یہ کر یہہ لگتا ہے مگر ٹمپلرز کے خلاف جو الزامات عاید کئے گئے وہ اپنے عہد کے مقبول واہمے تھے کیونکہ اس کی رکنیت حاصل کرنے والے مناسک ہمیشہ سے پراسرار اور خفیہ ہوتے تھے۔ فلپؔ نے ان بے ہودہ افواہوں کا اچھی طرح سے استحصال کیا۔ ان پر الزام لگا کہ نئے رنگروٹوں پر لازم تھا کہ وہ مسیحؑ کو رد کریں اور صلیب پر تھوکیں اور ایک ایسے بت کی پرستش کریں جو بلی کا ہم شکل ہوتا اور فحش بوسوں کا تبادلہ کریں۔

تفتیش کی ہدایات میں اس کی بھی گنجایش تھی کہ ناظمین کو بخشا جاسکتا ہے اور وہ اپنی برادری کے اندر اغلام بازی کے مزے اڑاسکتے ہیں۔ رسمی الزامات میں یہ الزامات بھی شامل ہوتے ''یہ شق کہ جب کوئی برادری کے استقبالیہ میں پہنچتا تو استقبال کرنے والا اور نو وارد ایک دوسرے کو منہ پر چومتے اس کے بعد ناف پر یا پھر برہنہ پیٹ پر یا چوتڑوں پر یا پھر حرام مغز کے نیچے۔۔۔شق، (انہیں چوما جاتا) لنگ پر۔۔۔شق، جب برادر کا استقبال کیا جاتا تو بتا دیا جاتا کہ وہ ایک دوسرے سے دبری تعلقات رکھ سکتے ہیں۔۔۔ (اور) وہ ایسا کرتے بھی اور ان میں سے بہت سوں نے یہ کیا بھی۔

جب ایک مرتبہ ٹمپلرز اس کے شکنجے میں آ گئے تو اس نے پیرس میں قائم کلیسائی عدالت کو ان کے اعترافات سے آگاہ کر دیا جس نے دوبارہ سوال جواب کیا۔ سو سے زیادہ نے فحش بوس و کنار کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ ہمارے ہاں اغلام بازی مباح ہے۔ سب سے زیادہ اہم یہ کہ کلیسائی عدالت نے ایک ایسا اعتراف بھی حاصل کر لیا جو ارتداد کا تھا اور جو تنظیم کا سربراہ کا تھا جس کا نام جیکس ڈی مولےؔ تھا۔ جسے فلپؔ نے رسوا کرنے کے لئے خوب اچھالا۔

ٹمپلرز کے جرایم ہماری بحث کا مرکز رہے ہیں۔ چند عالموں کا خیال ہے کہ ممکن ہے وہ صرف ارتداد کے مجرم ہوں لیکن اتفاق اس پر ہے کہ یہ سب خود ساختہ ہوں تا کہ نادار بادشاہ کی خدمت کی جا سکے۔ یہ بھی کہ ایک تنظیم جو اپنی زندگی کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے وقف کر چکی ہو کیونکر مسیحیت سے ارتداد کا تسلسل سے ارتکاب کر سکتے ہیں اور ایسے منسک میں جس میں ہم جنس پرستی کا خوف بھی غالب ہو وہ یہ مشکل قابل یقین لگتا ہے۔ ۱۳۰۷ء میں یورپ کے چند ہی معقول لوگ ہوں گے جو فلپؔ کے زیر اثر نہ ہوں اور نہ ہی رعیت میں شامل ہوں تو شاید ہی اس پر یقین کریں گے۔ لیکن پھر اتنے بہت سے اعترافات کیوں حاصل ہوئے۔ وہ قریب قریب یکساں تھے جو فرانس کے سینکڑوں ٹمپلرز سے حاصل ہوئے تھے۔ اور ان میں ہم جنس پرستی کا بے ڈھنگا سا فعل کیوں شامل ہوا۔

بات صاف ہے کہ الزامات عوام اور ملزمان پر اپنے نفسیاتی اثرات کے لحاظ سے طے شدہ تھے۔ فلپؔ اور اس کے مشیران۔ جو سیاسی تھیٹر کے ماہرین تھے۔ عوام کے لئے یہ سب طشت ازبام کراتے۔ ارتداد کا الزام جس میں تقدس کی پامالی والی تفصیلات جن سے آگ بھڑک جائے اس لئے شامل کی گئیں تا کہ ناظمین کی شہرت کو کھوکھلا کر دیا جائے جو مسیحیت کے سورما محافظ بنے ہوئے تھے۔ جنسیاتی معاملے کو اس لئے اجاگر کیا گیا تا کہ لوگوں کے لئے یقین کرنا آسان ہو۔ کبھی کبھار ہم جنس پرستی کا واقعہ جنگجوؤں میں ہونا جو پڑاؤ میں رہتے ہوں اور جنہوں نے عہد کیا ہو کہ عورتوں سے دور رہیں گے اس کی بھی توقع کی جا سکتی ہے اور یہ شک کہ انہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس طریقے سے اس خیال کو تقویت ملتی تھی کہ ٹمپلرز کا مسلم تمدن سے گہرا تعلق ہے۔

کہ اتنے بہت سے اعترافات حاصل کر لئے گئے اس میں کوئی حیران ہونے کی بات نہیں ہے۔ ٹمپلرز کو موت کی دھمکی دی جاتی اگر وہ الزامات سے انکار کرنے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے۔ ان سے کلیسائی عدالت کا فرانس میں سربراہ سوالات پوچھتا۔ پیرس کا ولیم چند مستثنیات رہیں ایک طرف ٹمپلرز ہی نے مطلوبہ رعایتیں دیں۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ کلیسائی عدالتوں کے اہلکار تشدد بھی کرتے یا تشدد رسانی کی ان لوگوں کو دھمکیاں دیتے کہ انہیں اختیار حاصل ہے کہ یہ کریں جب ان کا واسطہ ثابت قدم لوگوں سے پڑتا۔ اسقف کی

عدالت میں ایک سماعت کے دوران میں ملزمان کو اونچے تختے پر لٹا دیا جاتا یا پھر ''رسی سے باندھ کر انہیں چھت سے ایک جھٹکے سے گرا کر جھولنے دیا جاتا اور وہ فرش سے چند انچ کی اونچائی پر لٹکے رہتے۔ کئی مرتبہ تو یہ بھی ہوتا کہ اسیر کے ٹخنوں سے وزن باندھ دیا جاتا تاکہ گرنے میں اسے زیادہ تکلیف پہنچے۔'' ایک پچاس سالہ نایٹ جس کا نام گیرارڈ پسا گیو تھا اس نے شہادت دی تھی کہ ماکون کے مقام پر شاہی منصف نے مجھ پر تشدد کیا تھا'' اس کے فوطوں پر وزن لٹکا دیا گیا اور دیگر پر بھی۔'' جیکس ڈی سوسی نے ۱۳۱۰ء میں دعویٰ کیا کہ پچیس ٹمپلرز مارے گئے ''صرف اس لئے کہ ان پر تشدد کیا گیا یا مصایب سے۔'' جین ڈی فرنیز ''اک خدمت گزار برادر جسے تین ماہ تک تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔'' اس نے ایک پاپا کے قایم کردہ کمیشن کو بتایا کہ ''اس نے محض جھوٹ موٹ لونڈے بازی کا اعتراف اس ڈر سے کرلیا کہ کہیں پہلے والا تشدد اس پر نہ دہرایا جائے۔'' دارو گیر کی ایسی ہی کارروایاں ٹمپلرز کے خلاف برطانیہ اور جرمنی میں بھی شروع کی گئیں۔ جہاں تشدد کو باضابطہ نظام کے تحت نہیں استعمال کیا گیا مگر چند ہی اعترافات حاصل ہوئے۔

فلپ نے بڑے موثر طریقے سے فرانسیسی کلیسائی عدالتوں کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا جیسے فرڈی نانڈ۔۲ نے بعد میں کلیسائی عدالتوں کو اسپین میں اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ لیکن اس کی تخت نشینی کے واسطے اسے پوپ کی حمایت یا کم از کم خاموش تاید درکار تھی جب کہ ٹمپلرز صرف اسی کو جوابدہ تھے۔ جب بادشاہ نے پہلی مرتبہ کلیمنٹ۔۵ کو الزامات سے آگاہ کیا تو پوپ متامل ہوا اور برہمی سے جواب دیا۔ مگر فلپ کے پاس ذرایع تھے جن سے وہ پوپ کو احکام کی تعمیل پر مجبور کرسکتا تھا۔ کلیمنٹ فرانسیسی تھا اس کے پوپ بننے میں فلپ کا ہاتھ تھا لیکن فلپ نے بونی فیس۔۸ سے جو وحشیانہ سلوک کیا جو کلیمنٹ سے پہلے پوپ تھا اس سے رومی آبادی اتنی ناراض ہوئی کہ کلیمنٹ کو اسی میں عافیت دکھائی دی کہ وہ پاپائی عدالت کو فرانسیسی سرحد پر اویگنان کے مقام پر قائم کردے۔ فلپ نے کلیمنٹ کے سر پر بونی فیس پر بعد از مرگ قتل، مسیحی عقیدے سے اختلاف اور اغلام بازی کا مقدمہ چلانے کی تلوار بھی لٹکا دی تھی۔ تعاون پر گھیرنے کے بعد کلیمنٹ نے تمام اسقفوں کو ہدایات دیں اور پورے یورپ میں کلیسائی عدالتوں سے کہا کہ اس تنظیم کے خلاف تحقیقات کرائیں اور یہ

اعلان کریں چاہے نرمی سے کہ جس دن سے وہ پوپ بنا ہے یعنی ۱۳۰۵ء میں اسے خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ ٹمپلرز ارتداد میں، بت پرستی میں اور ''گھناؤنے کام لونڈے بازی میں پڑے ہوئے ہیں۔''

پوپ کا تعاون مدنظر رکھتے ہوئے فلپؔ کی توقع تھی کہ مقدمے کی روبکاری ہموار ہوگی۔ لیکن ۲۴ دسمبر کو اسے برعکس صورتحال سے دو چار ہونا پڑا۔ شاہی جیل سے پوپ کی حدود میں آجانے سے گرانڈ ماسٹر جیکس ڈی مولےؔ نے ہمت دکھائی اور اپنے سابقہ اعتراف کو فسق کردیا کہ اس نے کہا تھا ''کہ مسیح کا انکار'' کیا تھا اور یہ کہا کہ اسے یہ سب کچھ تشدد ہونے کے اندیشے میں کہنا پڑا۔ جس کے نتیجے میں پانسو برادرز نے بھی یہ اعلان کردیا کہ وہ بھی اسی کی طرح اپنا بیان بدلنے کو تیار ہیں۔ جب اس نے اپنی اسکیم کو خطرے میں پایا تو فلپؔ نے نہایت عجلت میں جوابی اقدام کیا۔ بادشاہ کی ہدایت پر چوالیس ٹمپلرز کو گھوڑا گاڑیوں میں بھر کر پیرس کے باہر کھیتوں میں پہنچایا گیا اور فوراً جلا ڈالا گیا۔ یہ ایک انتہائی غیر ضروری کاروائی تھی کیونکہ روایت یہ تھی کہ کسی خفیف وجہ سے رکے ہوئے مرتدوں کو جلایا جاتا لیکن ان مردوں کو جو یہ اعلان کردیتے کہ انہوں نے دباؤ میں آکر جھوٹا اعتراف کیا تھا انہیں کچھ نہ کہا جاتا۔ ایک عصری واقعہ یہ بتاتا ہے کہ ''بغیر کسی استثنٰی کے سب ہی بالآخر تسلیم کرتے کہ وہ تمام جرائم جن کی ان پر تہمت لگائی گئی ہے لیکن وہ مسلسل یہی کہتے کہ وہ بے قصور ہیں۔ اور ہمیشہ یہی کہتے کہ انہیں بلا سبب سزائے موت دی گئی ہے اور وہ بھی غیر منصفانہ۔

لیکن فلپؔ کو ناظموں کے انجام کی معمولی سی فکر تھی بجائے اس کے وہ اس ادارے کو دبانا چاہتا تھا جس سے اسے قانوناً ان کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔ وہ پوپ کے صوابدیدی اختیارات کا زبردست حامی تھا یوں کلیمنٹؔ نے معاملے کو ویانا میں منعقد ہونے والی کونسل کے لئے اٹھا رکھا جو ۱۳۱۲ء میں ہوئی۔ تاہم معاملہ اس وقت طے ہوسکا جب فلپؔ آیا اور اس نے اپنی افواج کو شہر کے باہر ٹھہرنے کو کہا۔ پوپ نے مباحثے کی ممانعت کردی اور اس نے تنظیم کو اس بنیاد پر تحلیل کردیا کیونکہ ''بہت سی ہولناک چیزیں ''جن میں'' مذہب سے ارتداد کا گناہ جو مالک جیس کرائیسٹ کی ذات کے خلاف ہے اور

قابل نفرت بت پرستی کا جرم اور کریہہ اور ذلت آمیز اغلام باز شامل ہیں۔''

اس ڈرامے میں ابھی ایک اور ضرب لگنا تھی۔ دیگر تمام مقدموں کے درمیان ڈی موٓلے کے بیانات جواب ضعیف، نحیف اور خوفزدہ لگتا تھا اور وہ ایک عرصے سے کمزور اور الجھن میں مبتلا نظر آرہا تھا۔ اس کے ملازموں میں سے دو نے یہ گواہی دی کہ وہ اس کے بستر میں حصہ دار رہ چکے ہیں۔ لیکن ڈی موٓلے نے اپنی ڈانواڈول گواہی کے کسی مرحلے میں جنسی تعلقات کا اعتراف نہ کیا۔ تاہم ۲۰ اگست ۱۳۰۸ء کو اس نے اپنے اصل اعتراف کو دہرایا جو ارتداد کے متعلق تھا۔ بالآخر مارچ ۱۸، ۱۳۱۴ء میں اسے پوپ کی قائم کی ہوئی عدالت نے عمر قید کی سزا سنائی۔ تب اس نے اپنے منصفین کو اچنبھے میں اس وقت ڈال دیا جب اس نے اپنے دوسرے اعتراف کو بھی جھوٹا کہہ دیا۔ اس نے اور ایک اور ٹمپلر رہنما نے اس پر اصرار کیا کہ وہ مسلمہ کلیسائی عقاید کے منحرف ہیں اور نہ ہی دیگر گناہوں کے مرتکب، ''ادارہ'' ان کے اعلان کے مطابق '' پاک اور مقدس ہے، درحقیقت انہوں نے تو اپنی جانیں بچانے کی خاطر''ادارے سے فریب کیا تھا۔ اس کا موقع دیے بغیر کہ منصفین کا کھلا منہ بند ہوتا اور کچھ کہتے فلپ نے عمر رسیدہ ناظم اعلیٰ کو اسی شام میں نذر آتش کرادیا۔

ٹمپلرز کا انجام یہ ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح اغلام بازی اور کلیسائی عقاید کے انحراف کے حیلے کے ذریعے جس سے لوگوں کو تواتر سے جوڑا گیا اسے کوئی بھی میکیویلین حکمران استعمال کرسکتا تھا۔ تاہم فلپ اتنا جیا کہ اپنے ثمر سے چند ماہ تک لطف اندوز ہوا۔ ڈانٹے جو اپنی ''پرگاٹوریو'' کی تصنیف میں مصروف تھا جب ٹمپلرز کی داروگیر ہورہی تھی۔ اس نے فلپ کی (بند۔۲۰ میں) مذمت کی کہ یہ نیا ''پونٹس پیلاٹ'' جس کی ''سنگدلی اور حرص'' نے معبد کو ناپاک کردیا ہے۔

دیوانی قوانین: اس کی بجائی:

ہم کلیسا اور اغلام بازوں کے موقف کی بڑی حد تک چھان بین کرچکے ہیں جو انوسنٹ۔ سوم کے عہد میں اور ایکی ناسؔ کے زمانے میں ہوئے۔ لیکن اس دیوانی

(Secular) سماج میں ان کی حیثیت مذہبی عقاید کے تناظر میں کتنی متاثر ہوئی۔ جیسا کہ ہم توقع کرسکتے ہیں کہ مقامی اور قومی قوانین معمول کے مطابق اپنے ڈانڈے دینی عقاید سے ملاتے ہیں۔ ہم اپنا خسرہ شمالی یورپ سے شروع کریں گے جو تھیوڈوسیئس، جسٹینیئن اور ایجیکاؔ کی دنیا سے بہت دور ہے اور ان خطوں میں انجیلی اور رومی قوانین ابھی دستک دے رہے تھے۔ مغربی فریزیان کے قانون پر غور کیجئے جو انتہائی شمالی ساحل پر واقع ہے اور جسے ان دنوں نیدرلینڈ کہا جاتا ہے اور وہ ایسی زبان بولتے تھے جو انگریزی سے قریبی قرابت رکھتی تھی۔ فریزین کوڈ جسے ''سینڈوچ'' کہا جاتا گیارہویں صدی سے تعلق رکھتا اس میں ایک شق یہ تھی کہ جو شخص ''اوکٹاویانس اور موسیٰؑ کے قوانین توڑنے کا جرم کرے گا وہ پوری دنیا کا مجرم ہوگا'' اسے تین سزاؤں میں کسی ایک سزا منتخب کرنے کا حق ہوگا۔ جلایا جائے، زندہ درگور کیا جائے، یا پھر خود کو آختہ کرلے۔ یہاں ہمیں احباری اور آخر آخر کے رومی قوانین کی جھلک نظر آتی ہے۔ (آگسٹاویانس کا حوالہ آگسٹس کے لکس جولیا کی جانب اشارہ ہے جسے مسیحی منصفین نے 'ڈائجسٹ' میں مردانہ تعلقات کو مجرمانہ کارروائی میں شمار کرلیا تھا)۔

سیکنڈے نیویا میں شاہی اور مذہبی پیشواؤں کے مفادات قدیم نوروتجین کوڈ میں شامل ہوگئے جنہیں گولاتھنگ سلوگ کہا گیا جن میں حکم تھا ''کہ اگر دو مرد گوشت کے مزے لے لیں اور ان پر فرد جرم عاید ہو اور سزا یابی ہو جائے تو وہ قانونی تحفظ سے محروم ہو جائیں گے۔'' یہ نیا قانون ۱۱۶۴ء میں شاہ ماگنس نے اسقف اعظم ایسٹین کی تحریک پر نافذ کیا تھا۔ جو ایک موثر عالم دین تھا جو بڑے جوش وخروش سے یہ چاہتا تھا کہ اسقف اعظم کی عملداری مستحکم ہوجائے۔ جب اسے ماگنس کے باپ نے للکارا اور پوچھا کہ آیا نیا قانون سینٹ اولف کے روایتی قانون سے تو کہیں آگے نہیں چلا گیا۔ اس پر چوکس کلیسا نے یہ جواب دیا ''ہمارے قانون میں کوئی ایسی شے نہیں ہے جو اختیار ربانی کے اضافے میں مانع ہو'' یہاں پر خدا کے حقوق سے یہ معنی ہیں غالباً اسقف اعظم کے خزانہ بھرنے سے متعلق۔ تس پر اس گھاگ مستفسر نے یہ جواب دیا کہ ہم ایک سودا کرلیں۔ ''اگر آپ اپنے حقوق میں اضافہ چاہتے ہیں تو آپ یہ بھی چاہیں گے کہ بادشاہ کے حقوق میں بھی آپ اتنا ہی اضافہ کردیں۔'' مصالحت ہوگئی اور اس پر اتفاق ہوگیا کہ سزا یافتگان کی ملکیت مساویانہ تقسیم

ہو۔ ایک نصف تو اسقف کو جائے اور باقی نصف بادشاہ کو ملے۔ سویڈن میں اسقف براین جلف نے ۱۲۸۰ء میں جو ضابطہ جاری کیا اس میں اسقف کی خدمات کا اجر دینا بھی شامل تھا۔ ''جو بھی فطرت کے خلاف ارتکاب گناہ کرے'' اس میں کہا گیا '' وہ اسقف کو نو عدد مارک ادا کرے۔''

فرانس میں اغلام بازی کے متعلق با قاعدہ کونسٹین ٹیس اور کونسٹانس کے ضابطہ ۳۴۲ کا حوالہ دیتے (با قاعدہ بطور نظیر، کم وِر، اس کے ابتدائی دو حروف سے) اور احبار سے صدیوں سے اور قرون وسطی سے انقلاب تک فرانس میں سزا دینے کی روایت یہ تھی کہ اس پر قدامت پرستی کا غلبہ تھا۔ یہیں پر میویارٹ ڈی ووگلانس جو اٹھارویں صدی میں ایک فرانسیسی منصف گزرا ہے اس نے اپنی کتاب انسٹی ٹیوٹ آ ڈرایٹ کرمنل۔ ۱۷۵۷ء میں یہ توضیح پیش کی۔

''یہ جرم جو اپنا نام اس قابل مذمت شہر کے نام سے لیتا ہے جس کا ذکر تاریخ مقدس میں درج ہے جس کا ارتکاب ایک مرد دوسرے مرد سے کرتا ہے یا پھر کوئی عورت کسی اور عورت سے کرتی ہے۔ اس کا ارتکاب کوئی مرد اپنی بیوی سے بھی کرتا ہے جب وہ لوگ توالد و تناسل کے لئے روایتی راہ کو نہیں استعمال کرتے۔ تو اس عظیم جرم کی سزا موت سے کم نہ ہونا چاہئے۔ وہ انتقامی عذاب جیسا کہ بدچلن شہر پر الوہی انصاف کی صورت میں نازل ہوا جہاں مذکورہ جرم اتنی عام بات تھی کہ جنہیں کوئی بھی درشت جرمانوں سے سزا نہیں دے سکتا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب دو افراد اس کا ارتکاب کرتے ہیں اور وہ بھی ہم جنس۔ اس کی سزا صریح انداز میں احبار ۲۰ میں موجود ہے۔۔۔

قانون (کم ور۔۳۱) جو کوڈ ''ڈی ایڈلٹ'' میں دیا گیا ہے یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگ جو اس جرم کا ارتکاب کریں تو انہیں بطور سزا جلا کر مار ڈالا جائے۔ یہ سزا جو ہمارے اہل فقیہہ نے مردوں کے لئے وضع کی ہے مساوی طور پر عورتوں پر بھی نافذ کی جائے۔

میویارٹ غم کا اظہار کرتا ہے۔ کہ ''ہماری صدی پر لعنت ہو۔'' کہ اب بھی فرانس میں اس نوعیت کے جرائم ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ دو مردوں کو حال ہی میں پیرس میں

جلا کر مارا گیا ہے۔

ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ میویارٹ کی تفسیر کوئی خاص حوالہ نہیں دیتی جس میں کسی قومی قانون کا ذکر ہو صرف صحایف اور مسیحی رومی قانون کا تذکرہ ہے۔ بلاشبہ فرانس صدیوں تک قانون روایت کی رلّی (سندھی) رہا تھا۔ جنوبی فرانس تو رومی قانون کی پیروی کرتا رہا مگر لاینز کے شمال میں ''روایتی'' قانون کی بنیاد کبھی قانون ساز اداروں کی مرہون منت نہیں رہی بلکہ مقامی ضرورتیں حاوی رہیں جنہیں پہلی مرتبہ تیرہویں صدی میں یکجا کیا گیا۔ ان میں سب سے اہم نام نہاد 'اٹابلس منٹ ڈی سینٹ لوی' تھا جسے کوئی ۱۲۷۲ء میں جمع کیا گیا تھا۔ اپنے شاہی عنوان کے باوجود اس کا انحصار لوئی۔۹ کے فرمانوں پر نہیں ہے۔ بلکہ مقامی روایتی قوانین پر ہے۔ ایک قانون (کتاب۔ ا باب ۹۰) ایسے ابہام کا حامل ہے جس نے فرانسی ماہرین انصاف کو صدیوں تک حیران کئے رکھا ''اگر کسی پر 'بگری'' کا شک ہو جائے تو مجسٹریٹ اسے گرفتار کر لے اور اسے اسقف کے حوالے کر دے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے تو اسے جلایا جانا چاہئے۔ اور اس کی تمام ملکیت چھوٹے نواب کو مل جائے گی۔ اور بالکل اسی طرح ہمیں بدعتی سے پیش آنا چاہئے اگر اسے سزا ہو جائے۔ تو اس کی کل جایداد چھوٹے نواب یا شہزادے کو مل جائے گی۔ مگر اس قانون میں الجھن تو یہ تھی کہ 'بگری'' کے کیا معنی ہیں۔ کچھ کا کہنا تھا کہ چونکہ دوسرا جرم مسیحی عقاید سے انحراف کا ہے تو پہلا جرم ہو نہ ہو کچھ اور ہوگا یعنی اغلام بازی۔ دیگر کا خیال تھا کہ یہ محض سہو زمانی ہے کیونکہ لفظ 'بوگر' کے اس زمانے میں معنی اغلام بازی نہیں ہوں گے بلکہ روحانی پا کیزگی مراد ہے۔ والٹیر نے اس خیال کی توثیق کی تھی جب فلاسوفیکل ڈکشنری لکھی۔ شکایت کرتے ہوئے اپنے مخصوص حس مزاح کے ساتھ کہ پیرس میں حال ہی میں ایک شریف آدمی کو جلا کر مار ڈالا گیا اور اس پر الزام (une equi voque) کا تھا۔ تاریخی اور فلسفیانہ نقطہ نظر سے بلاشبہ والٹیر اپنی جگہ درست تھا حالانکہ اس کا طرز استدلال شاید ہی ملزم کو بچا سکتا۔ ان دنوں خونی تحریروں کی کوئی قلت نہ تھی۔

حقیقت میں اٹابلس منٹ کے مخصوص حصے کے مندرجات ایک روایتی قانون سے ماخوذ ہیں جو ٹورین۔ انجو کا تھا اور ۱۲۴۶ء سے چلا آ رہا تھا۔ دیگر روایتی نسخہ جات کم غیر مبہم

تھے (دی لیورز ڈی جسٹس ایٹ ڈی پلیٹ۔ ۱۲۶۰ء) اور لینز کے روایتی قوانین سے ماخوذ تھا۔ پہلے تو اس میں بدعتی کے لئے موت کی سزا تجویز کی گئی اور پھر صاف صاف انداز میں اغلام بازوں کی مذمت ایک الگ ضابطے میں کی گئی ہے۔ جو بھی اغلام باز ثابت ہو جائے گا تو اسے اپنے فوطوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور اگر وہ اس کا دوسری مرتبہ ارتکاب کرے گا تو وہ آلت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ یہی کام (مگر اب کیسے کرے گا۔ مترجم؟) تیسری مرتبہ کرے گا تو اسے جلا ڈالا جائے گا۔

ایک اور ایسی تالیف جسے ۱۲۸۳ء میں فلپ ڈی ایمی نے جمع کیا جو بیومانیور کا لارڈ تھا (اور کلرمونٹ کا جج بھی تھا جس نے فلپ سوم کی انتظامیہ میں خدمات انجام دیں اور فلپ چہارم کے ساتھ بھی) بیولیس کے روایتی قوانین کو سامنے رکھا جو پیرس کے شمال میں ایک خطہ ہے۔ یہی 'کاوٹیومز ڈی بیویس' سب ایک ضابطے میں یکجا ہو کر مسلمہ کلیسائی عقاید سے انحراف اور ہم جنس پرستی کی اس طرح سزا مقرر ہوئی جس نے اٹالیس منٹ: ۸۳۳ کو بظاہر معقول بنا دیا۔ کوئی شخص جو عقیدے سے منحرف ہو چکا ہو اور بددل ہو چکا ہو اس لئے وہ راہ راست پر نہیں آ سکتا یا پھر وہ جو لونڈے بازی کا ارتکاب کرے۔ اسے لازماً جلا ڈالا جائے اور مندرجہ بالا قاعدے کے مطابق اس کی کل جائیداد تقسیم کر دی جائے۔ قانون کا یہ بیان ظالمانہ جراحی کے ہرجانوں کو ساقط کر دیتا ہے جو لیورز میں درج ہیں تاہم انہیں قانونی سمّا میں اس وقت حرف بہ حرف اختیار کیا گیا تھا یا جنہیں انسائیکلو پیڈیا نے سمّا رورل کہا جس کی تالیف ٹورنے کے جین باوٹلر نے کی تھی اور اس کی وفات ۱۳۹۵ء میں ہوئی۔ یہ بہت مقبول ہوا اور سترہویں صدی کے آخر تک استعمال ہوا۔ تاریخ یا پھر جستہ جستہ تحقیق جو اس کے نام پر ہوتی رہی۔ فرانس میں جس طرح جسموں کو روندا گیا اور مصایب کو کس طرح مسلط کیا گیا اس کا سراغ نہیں ملتا حالانکہ ہمیں سولی دینے اور جلانے کی رودادیں میسر ہیں۔ اٹھارہویں صدی کے مجرمانہ مقدمات کی ایک لغت نے تاہم اس مخصوص ایذا رسانی میں لطف اٹھانے والی وحشیانہ کارروایوں کا ذکر کیا ہے جو پڑوس کے ملک سویٹزرلینڈ میں کی گئیں۔ ''ایسے جرایم میں مبتلا مردوں کے خلاف اہل سویٹزرلینڈ کی کارروائی جس میں غیر معمولی تشدد ہوتا۔ وہ ان کے اعضاء یکے بعد دیگر جدا کرتے جس میں کئی دن لگ جاتے۔

ایک وقت بازو کاٹ دیتے کسی اور دن ٹانگ اور جب جسم بے جان ہوکر سرو دھڑ بن جاتا تو اسے آگ میں ڈال دیا جاتا۔

برطانوی قانون اگر چہ کہیں زیادہ سخت تھا لیکن وہ اس قدر ہولناک نہ تھا۔ اغلام بازی کے متعلق قدیم ترین احکام تین دستاویز میں ملی ہیں جو کوئی ۱۲۹۰ء میں لکھی گئی ہیں مگر ان کے مصنفین غیر یقینی ہیں۔ قانونی تالیف کا نام 'بریٹن' ہے اور غالباً اس کا نام ابتدائی قلمی نسخے سے لیا گیا ہے جو ہنری بریکٹن (و۔۱۲۶۸ء) کا ہے جہاں سے یہ زیادہ تر ماخوذ ہے۔ بریکٹن کو بلیک سٹون سے پہلے برطانوی قانون کا سب سے اہم مصنف تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور بریٹن کو ایک عمدہ سند۔ اس میں اغلام بازی کی سزا آگ بیان کی گئی ہے جسے اس میں ''ملا جلا'' جرم کہا گیا ہے یقینی ایسا جرم جسے مملکت یا کلیسا جو چاہے مقدمہ چلائے۔ ابتدائی چودھویں صدی کی بریٹن کے ایک نسخے میں اس دہرے اختیار کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ''مقدس کلیسا کی تحقیقات میں جادوگروں، اغلام بازوں، بھگوڑوں، بے ایمان لوگ، شامل ہوں گے اور انہیں ایسا کچھ ملا تو وہ اسے بادشاہ کی عدالت کے حوالے کر دیں گے تاکہ موت کی سزا دے دی جائے۔ اس کے باوجود اگر بادشاہ کو تحقیق سے ایسا کوئی مجرم شخص ہاتھ آجائے جس نے اتنا بھیانک گناہ کیا ہو تو اسے چاہئے کہ ایک اچھے مسیحی سپاہی کی طرح اسے سزائے موت دے۔

'فلیٹا' ایک مقالہ ہے جس کا یہ نام اس لئے پڑ گیا کیونکہ اس کا گمنام مصنف فلیٹ اسٹریٹ کا باسی تھا کسی اور سزا کا ذکر کرتا ہے کہ زندہ درگور کردیا جاتا جو جرمنی اور فریسیا کے قوانین کے مطابق تھا وہ جن کے یہودیوں یا یہودنوں سے تعلقات ہوتے یا وہ جانور چودنے کے مجرم ہوئے یا اغلام بازی کے تو انہیں میدان میں زندہ گاڑ دیا جاتا۔ بشرطیکہ ان پر الزام عاید کیا جاتا اور انہیں قانون کے مطابق سزا ہوتی اور کھلا مقدمہ چلا ہو۔ فلیٹا میں غالباً کھلی عدالتی کارروائی کی فکرمندی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اغلام بازی کے مقدمات میں ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ 'دی مرر آف جسٹس' جو اسی زمانے کی تصنیف ہے ایک انوکھی اور چیستانی کتاب ہے جو تاریخی اختراعات سے بھری ہوئی ہے لیکن اس کا بے نام مصنف یہ بتاتا ہے کہ رسمی مقدمات ہمیشہ نہ قائم کئے جاتے۔ کیونکہ ان میں اغلام بازی کی رسوائی

شامل ہوتی۔ جو ہمارے پرکھوں کو کہیں ناگوار نہ گزرے اور کہیں کوئی کاروائی نہ کی جائے، الزام تر آشیاں، مواخذے یا حاضر سامعین پر ایسے قابل نفرت گناہ سے گرانی نہ ہو اس لئے حکماً ایسے بدنام مجرموں کا فیصلہ کرنے میں کوئی تساہل نہ ہو اور فیصلوں پر فوراً عملدرآمد ہو اور ایسے مقدمات جن میں رسوائی کا احتمال نہ ہو زبانوں کو لگام دے کر رکھا جائے۔

انگلستان کے برعکس جس نے قوی یگانگت مقابلتاً پہلے حاصل کر لی تھی۔ قرون وسطی کا اسپین متعدد ممتاز سیاسی اور قانونی نظام ہائے انصاف میں بٹا ہوا تھا۔ کنڈا سونتھ کے درشت فرامین اور ایجیکا کے ہم جنس پرستی کے خلاف، ان سب کو ایک اہم وزی گوتھک ضابطے میں سمو دیا گیا جیسے 'فیوروجز گو' کہتے ہیں۔ جس نے اپنی حتمی صورت عربوں کے ۷۱۱ء کے حملوں سے کوئی بیس برس پہلے اختیار کی۔ اگرچہ وزی گوتھ اقتدار کا سورج غروب ہو گیا ان کے نافذ کردہ چند قوانین کا اثر تادیر رہا۔ جو توسیع پا کر نئی دنیا میں بھی داخل ہو گیا۔ 'فیوروجز گو' کا نام کی حد تک اسپنی بادشاہی میں ذکر تھا، مثلاً آسٹوریاز، لی اون، آراگون اور کٹالونیہ۔ اگرچہ نئے علاقائی قوانین کا غلبہ کئی جگہوں پر خانہ پری کرتا رہا۔ تیرہویں صدی میں اتحاد کے لئے ایک تحریک پیدا ہوئی۔ اور کاسٹیلے کے فرڈی ننڈ نے فیروجز گو کو ان شہروں پر نافذ کر دیا جنہیں حال ہی میں مسلمانوں سے آزاد کرایا گیا تھا۔ قرطبہ (۱۲۴۱ء) کا ٹا جینا (۱۲۴۳ء) سے ولے (۱۲۴۸ء) اس کا بیٹا الفانسو۔۱۰ (عقلمند) نے اس روایت کو جاری رکھا اور ایک قدم اور آگے بڑھایا تاکہ یکسانی پیدا ہو۔ اس کے لئے اس نے ایک نئے شاہی ضابطے کی تالیف کرائی جو کاسٹائل کے لئے تھا یعنی فیوروریئل۔

الفانسو شاعر ہونے کے علاوہ مورخ بھی تھا ایک ممتاز سائنسداں اور عربی میں مقالات کا مترجم بھی تھا۔ اغلام بازی پر قانون جو فیوروریئل میں ۱۲۵۵ء میں شامل کیا گیا اس سے اس کے کردار کے انسان نواز رخ کا اظہار نہیں ہوتا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ اس اقدام سے فیوروجز گو کی خونخواری میں اضافہ ہی ہوا کیونکہ سزاؤں کو بڑھایا گیا۔ ''اگرچہ یہ بات ہمیں تکلیف پہنچاتی ہے کہ ہم ایک ایسی چیز کے لئے بات کریں جو ہمارے لئے سخت ناپسندیدہ ہے۔۔۔ (اس کے باوجود) کیونکہ یہ گناہ اس وقت غلبہ پاتا ہے جب کوئی آدمی کسی اور چیز کے لئے ہوس کرتا ہے اور گناہ گار ہو کر فطرت کے خلاف عمل کرتا ہے۔ ہم حکم

دیتے ہیں کہ جو بھی ایسا گناہ کرے تو دونوں ہی کو جیسے ہی پتہ چلے لوگوں کا مجمع لگا کر خصی کر دیا جائے اور تین دن بعد انہیں ٹانگیں باندھ کر الٹا لٹکا دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائیں اور پھر انہیں اتارا نہ جائے۔

ان محتاط جان لیوا سزاؤں کے برعکس جو مرر آف جسٹس میں بیان کی گئی ہیں اس سزا نے اس میں عوام میں دہشت پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ حتمی حکم جس کے تحت ''سولی دی جاتی'' اس طرح مصلوب جسموں کو مردہ خور جانوروں کے رحم و کرم پر چھوڑنا پڑتا۔ یہ پابندی کہ خصی کرنے کے بعد ٹانگنے کے لئے تین دن کا ناغہ ہو کی مصلحت سمجھ میں نہیں آتی۔ کٹی آختہ کئے ہوئے افراد تو خون ضائع ہو جانے، زخم پک جانے سے یا پھر پیشاب نہ کر پانے سے ہلاک ہو جاتے ہوں گے۔ لٹکانے کی رسم شاید اس لئے جاری رہی کیونکہ جن مضروبین کو لٹکایا جاتا تھا وہ شاید جلدی سے مرجانے کو آمادہ نہ ہوتے۔ الٹا لٹکا دینے سے حرکت قلب بند ہو جانے میں عجلت ہو جاتی۔

فیورورئیل کوئی اکلوتا اقدام نہ تھا جس سے الفانسو اپنی سلطنت کے لئے ضابطہ قانون مرتب کرتا۔ کوئی ۱۲۶۵ء میں اس نے ایک اور مشہور قاعدہ جاری کیا 'لاس سیٹے پارٹی ڈاس' ایک قانونی انسائیکلو پیڈیا ''سات حصوں میں'' آخری حصہ فوجداری قوانین پر منحصر تھا۔ ''پارٹی ڈاس'' فوورئیل سے بڑھ کر ناصحانہ ہیں۔ قانون اغلام بازی پر جو تمہید ہے وہ سدوم کی اسطوری کہانی سے ملتجی ہے کہ سزائے موت دینے کا اختیار دیا جائے۔'' کیونکہ ہمارا مالک خدا اس زمین پر عذاب اتارتا ہے (جہاں ایسی حرکتیں ہوتی ہیں)، قحط سالی، چھوت کی بیماریاں، طوفان اور بہت سی مصیبتیں جو انگنت ہیں۔ نئی دنیا میں اسپینی فتوحات کے سبب یہ قرون وسطی کے قوانین بعد میں امریکی براعظموں میں پہنچ گئے۔ کیونکہ کاسٹیلین قوانین میں فیرو جزگو، فیرورئیل اور لاس سیٹے پارتی ڈاس شامل ہو چکے تھے۔ یہ ضابطے انیسویں صدی تک نہ صرف اسپین میں بطور نظیر پیش کئے جاتے رہے بلکہ میکسیکو اور جنوبی امریکہ میں بھی۔ انہوں نے قرون وسطی کے اسپین کے اخلاقی اثر و رسوخ نزدیک و دور پھیلایا جس سے ہم جنس پرستی کے متعلق ان کے رویوں کو نئی دنیا میں پہنچا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا اثر اس وقت بھی پایا گیا جب ان کی قانونی حیثیت ختم ہو کر دوسرے قوانین جگہ لے چکے

تھے۔

فصل کی کٹائی ہوتی ہے:

تو کیا ان شیطانی قوانین کو استعمال میں لایا گیا۔ کیا وہ قہر جن سے قرون وسطی میں دھمکایا جاتا وہ ٹوٹے۔ حقایق ابھی تک صاف نہیں ہیں۔ ان فقہی ''جرایم'' کو ضابطہ تحریر میں لایا گیا جیسے مسلمہ مسیحی عقاید سے انحراف یا جادوگری ایک عرصے سے یہ سب ایک علمی عرق ریزی میں ڈھل چکی تھی۔ مگر وہ مقدمات اور سزایں جو ہم جنس پرستی کے جرایم سے متعلق ہیں ان سے زمانہ حال تک یا تو بے اعتنائی سے کام لیا جاتا تھا یا پھر انہیں مختصر اور پریشان کن جان کر ادھر ادھر سرکا دیا جاتا۔ ان کی بابت ۱۹۵۵ء تک اتنا کم معلوم تھا کہ کینن ڈیرک بیلی کو اپنی رہبری کرنے والی تصنیف ہوموسیکشویلیٹی اینڈ ویسٹرن ٹریڈیش (ہم جنس پرستی اور مغربی میسیحیت کی روایت) میں اس نے ایک بھی واقعہ درج نہیں کیا جس میں جان لی گئی ہو۔

آج تک کوئی قابل اعتبار اعداد وشمار جو پھانسیوں کے متعلق ہوں اور ابتدائی عہد کے ہوں نہیں تیار کئے گئے۔ اگر چہ خاص موضوعات پر شایع ہونا شروع ہو چکے ہیں۔ تیرہویں صدی سے پہلے کی کوئی دستاویز بہ مشکل دستیاب ہے تاہم اس کے بعد کی صدیوں کی دستاویزات قلیل اور نامکمل ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے مردوں اور عورتوں نے عذاب جھیلا مگر تاریخ سے وہ ناپید ہو چکا ہے۔ سب سے پہلی موت سویٹزرلینڈ کی دستاویزات میں ملی ہے باسل شہر کی دستاویزات کے روزنامچے میں ایک مختصر جملہ آتا ہے کہ ۱۲۷۷ء میں ''بادشاہ روڈولف نے لارڈ ہاسپس برک کو لونڈے بازی کی بدی میں پا کر جلوا دیا تھا۔'' روڈولف بادشاہ درحقیقت روڈولف اول تھا جس نے ہاپسبرگ سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ شہزادہ جرمن اور سوئیس اشرافیہ کا ایک مشکوک رکن تھا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی سزایابی کے پیچھے کوئی سیاسی محرکات بھی تھے۔ لیکن سماج کے ہر طبقے کے لوگ غیر محفوظ تھے۔ جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے ۱۲۹۲ء میں جان ڈی واٹرے ایک ادنی درجے کا ''چاقو

ساز'' اس لئے جلا ڈالا گیا ''وہ بھی اس چار چوبے میں کس دیا گیا جو فلاٹررز میں غینٹ کے مقام پر واقع سینٹ پیٹر کے بغل میں تھا۔''

چند مقدمات میں تو لگتا ہے جیسے ان کے مذہب نے انہیں مشکوک بنا دیا۔ شمال مشرقی اسپین میں واقع چھوٹی سی سلطنت ناورائے میں قائم قدیم دستاویز کے دفتر آرچیو جنرل میں ایک بے نام مسلمان کا آرگوڈ اس کے مقام پر ۱۲۹۰ء میں جلایا جانا ملتا ہے۔ ''وہ دوسروں سے جھوٹ بولتا''۔ دوبارہ ۱۳۴۵ء میں دو یہودی جوس ابوالفاآ کا اور سمیویل نہاماآن کو اولایٹ کے مقام پر جلا دیا گیا یہ قصبہ پامپلونا کے قریب تھا'' کیونکہ ان سے ایک دوسرے سے اغلام بازی کا گناہ سرزد ہوا تھا۔''

یہ شاذ و نادر ہوا کہ ابتدائی دستاویزات میں اس سے زیادہ درج ہوتا کہ انہیں موت کی سزا دی گئی۔ لیکن جب سے نوارلیس کی قدیم دستاویزات کا دفتر ان اہلکاروں کا ذکر کرنے لگا جنہیں اجرتیں ادا کی گئی تھیں جس سے ہم اس قابل ہوگئے کہ منظرکشی کر لیں۔ مردوں پر اس لئے تشدد کیا جاتا تا کہ ان سے اعترافات حاصل کئے جا سکیں۔ اس کے بعد بیس افراد مجرم کو ٹکٹکی تک پہنچاتے اور اس دوران میں ایک موسیقار انافل بجاتا رہتا۔ یہ ایک لمبا سا مسلم نفیر ہوتا جس سے افسردہ دھن پیدا ہوتی۔ نفیر نواز کو اپنی کارگزاری کا معاوضہ ایک سویلڈو کی صورت میں ملتا۔ وہ شخص جو جوڑے کو درخت سے زنجیروں کی مدد سے باندھتا اور لکڑیوں کے گٹھے ان کے پیروں کے گرد رکھ کر ''آگ دکھاتا'' اسے اس کا معاوضہ دس سویلڈو ملتے۔ ایک سال کے بعد ایک اور شخص بنام پاسکول ڈی اوجاآس قریبی شہر ٹوڈیلا میں اس لئے جلا دیا گیا اس کا جرم یہ تھا کہ ''وہ اپنے جسم ہی سے مسلم کلیسائی عقاید کا مذاق اڑاتا'' ایک ملازم کو ۱۳۷۳ء میں جلایا گیا اسے بھی اولایٹ میں کیونکہ اس نے ایک اور خادم سے اغلام بازی کی تھی۔ وہ دستاویزات اب تک منصۂ شہود پر نہیں آئی ہیں جو چودہویں صدی کے باقی ماندہ اسپین کے متعلق ہوں۔

انسانوں کو جلائے جانے کے واقعات فرانس میں بھی ہوئے لاون شہر میں ۱۳۱۷ء میں، سے وائے علاقے میں ڈورچے کے مقام پر ۱۳۷۰ء میں، ریمز میں ۱۳۷۲ء میں۔ سال ۱۳۷۰ء میں دو مردوں کو جن کا نام ولیم کیآس اور جان وان ایرسڈوآن تھا کو انٹورپ میں

جلایا گیا۔ایک آدمی کو آگسبرگ کے مقام پر ۱۴۰۹ء جلایا گیا اور چار صاحبان کلیسا کو لکڑی کے پنجروں میں لٹکا دیا گیا۔ جب کہ ان کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور وہ بھوکے مر گئے۔ زمانہ قدیم میں چند ایسے واقعات بھی ہوئے جن میں ایسے لوگ ملوث تھے جنہوں نے تشدد کا ارتکاب کیا تھا جن میں ایک پادری بھی تھا جسے باسل میں اس لئے آختہ کیا گیا کیونکہ اس نے جبراً ایک لڑکے کی گانڑ ماری تھی۔لیکن ۱۳۵۷ء میں وینس کی ایک عدالت نے ایک کشتی راں نکولیٹو مرماگنا کو اس لئے سزا دی کیونکہ وہ تین یا چار سال سے گیوونّی برگانزا سے عشق کر رہا تھا۔اسے جلا دیا گیا۔سال ۱۴۰۶ء میں پندرہ یا سولہ شرفا کے طبقے کے پندرہ یا سولہ جوانوں پر شہر میں مقدمہ چلا ان کے ساتھ اٹھارہ اجلاف پر۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے یہ ایک کہیں زیادہ منظّم انداز میں پندرھویں صدی کے وینس میں شہریوں پر جبرو استبداد کا آغاز تھا۔

ان تمام مقدمات میں صرف مرد ماخوذ ہوئے۔کوئی بھی ازروئے انصاف پوچھ سکتا ہے کہ کیا ایسی ہی سزائیں چپٹی کھیلنے والیوں کی دی گئیں۔اس موضوع پر معلومات اتنی مختصر تھیں کہ ۱۹۵۵ء میں ڈیرک بیلی بڑی وضاحت سے کہتا ہے کہ سیفو ویت کو" قرون وسطی اور جدید قانون نے نظر انداز کیا۔" یہ ایک بھرا ہوا اور ناکافی معلومات پر قائم رجائی تصور ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ قرون وسطی کے قوانین میں معنی خیز ارتقا ہوا۔ یہ ہمارے حافظے میں رہنا چاہیئے کہ نہ تو عبرانی صحیفوں میں اور نہ ہی تالمود کے مفسرین ربیوں نے سیفو دیت کو کوئی جرم سمجھا۔ پہلی مرتبہ جو اس پر قانون سازی ہوئی ہے وہ ۱۲۶۰ء کا قصہ ہے۔ یعنی Li Livers ۔اس قانون کے تحت یہ سزا ہوئی کہ مرد کو اس کے فوطوں سے محروم کر دیا جائے اگر یہ اس کا پہلا جرم ہے۔اور دوسری مرتبہ یا پھر تیسری مرتبہ اسے جلا ڈالا جائے۔ اس کا ان معنوں میں عورتوں پر اطلاق ہوسکتا ہے جو انوکھا ہوگا مزید کیا کہا جائے۔ کہ ایک عورت اگر وہ ایسا کرے گی تو ہر مرتبہ اس کے جسم کا حصہ قطعہ کر دیا جائے گا مگر تیسری مرتبہ اسے جلا دیا جائے گا۔ اور اس کی تمام اشیا بادشاہ کو مل جائیں گی۔ اسے یقیناً وہ مرتبہ ملنا چاہیئے جس میں نہایت بے ڈھنگے پن سے یہ کوشش کی گئی کہ عورتوں کے لئے کوئی قانون بنایا جائے۔ حالانکہ خاص طور پر کون سے جسمانی عضو کی قطع برید ہو یہ اس طرح سوچے گئے

کہ وہ چیستان بنے رہے۔ نیت (چاہے کتنی ہی بے تکی ہو) کہ کسی طرح دونوں صنفوں کے درمیان سزا کی حد تک مساویانہ رہے کتنی کامیاب ہوئی اظہر من الشمّس ہے۔

اس کے باوجود یہ خیال کہ چپٹی بازی ایک بڑا جرم ہے اسے صرف تصورات میں جگہ ملی۔ کیونکہ چودھویں صدی کے ایک معاشقے میں جو فرانس میں ہوا دوخواتین کو دھمکی دی گئی کہ انہیں جلا دیا جائے گا۔ یہ واقعہ شہزادہ آیڈؔ کی داستانی کہانی میں ملتا ہے جو ہاون آف بارڈیو کا ضمیمہ ہے کیونکہ اس کی جنگجو یانہ چابکدستی، جب کہ شہزادی ایڈ مردانہ بھیس میں ہوتی ہے اور شہنشاہ جو سپہ سالار ہوتا ہے وہ اسے حکم دیتا ہے کہ میری بیٹی سے شادی کرے۔ اگر چہ عورتیں سولھویں صدی کے انگریزی زبان کے مترجم لارڈ برنرؔ کے الفاظ میں اپنا وقت یوں بسر کرتی ہیں اور اس سے زیادہ قابل الزام نہیں ہیں کہ ”بغل گیر ہوتی ہیں اور بوس و کنار کرتی ہیں“ شہنشاہ جب آیڈؔ کی صحیح صنف جان جاتا ہے تو یہ اعلان کرتا ہے کہ ”وہ ایسی ہم جنس پرستی کو برداشت نہیں کرے گا۔“ اور حکم جاری کرتا ہے کہ ”دونوں تم اور میری بیٹی دونوں ہی کو جلا ڈالا جائے۔“ آیڈؔ اور اس کی عاشق دوگانا شعلوں سے جناب مریم کے ایک معجزے کے باعث بچ جاتی ہیں۔ جو آیڈؔ کی دعاؤں کے طفیل اسے ایک مرد کا روپ عطا کردیتی ہیں۔ (بات واضح ہے کہ مصنف اویڈؔ کی کہانی میں ایفسؔ اور ایک یانتھےؔ کی کایا کلپ سے متاثر ہوجاتا ہے) آگسٹنؔ کے روم اور قرون وسطیٰ کی دنیا کے درمیان جو فاصلہ ہے اس کی پیمائش ان جملوں سے ہوتی ہے جو کہانی میں بولے جاتے ہیں۔

قرون وسطیٰ کو کس شئے نے اکسایا کہ وہ دھمکیوں پر اتر آیا جس سے تالمود کے عہد میں یہودیت بے خبر تھی یہاں تک کہ تھیوڈوسیسؔ اور جسٹنینؔ بھی۔ بلاشبہ سب سے زیادہ اہم اثر تو پالؔ کے خط نے اہل روم پر ڈالا جس میں چپٹی بازی اور مردانہ ہم جنس پرستی کو مساویانہ انداز میں مذمت کی گئی تھی۔ ایکیناسؔ جو پاولین کے مفسرین کی طویل روایات کا پیروکار ہے اس نے اس اخلاقی قدر و قیمت کو سمّا میں سمونے میں جہاں وہ یہ شامل کرتا ہے کہ ان قسموں میں جو ”غیر فطری بدی“ ہیں۔ یعنی مجامعت ”ایسے شخص سے جو ہم جنس ہو، مرد، مرد سے اور عورت عورت سے جنس کی جانب حواری کا اشارہ ہے۔ لیکن اگر اخلاقی مساوات واضح تھی تو پھر بھی یہ مسئلہ تو حل طلب رہتا ہے کہ سزائے موت کو قدیم رومی قانون سے

کیسے ہم آہنگ بنایا جائے۔ دو اہم ضوابط جو ہم جنس پرستی پر ہیں نوٹسٹائیس اور کونسٹان کا ضابطہ ۳۴۲ اور تھیوڈوسیس کا ۳۹۰ جو صرف مردوں کا حوالہ دیتا ہے۔ اور جسٹنین کے نویلا۔۱۴۴ میں تو صرف یہ ذکر ہے ''کہ مردوں کا پامال ہونا۔'' اس خاموشی کی روشنی میں رومی قوانین میں یہ کیسے گنجایش پیدا کی جائے کہ وہ قرون وسطیٰ کے مسیحی تعصّبات کو جذب کرلیں۔

حل تو مقامی تھا۔ فیصلہ کن قدم لگتا ہے سینوڈی پسٹو یا نے اٹھایا تھا۔ جو ایک شاعر اور ڈانٹے کا دوست تھا۔ جس نے ۱۳۱۴ء میں جسٹینین کے ضابطے پر ایک تشریح شایع کی۔ سینو ایک گول مول قانون کی تہہ تک پہنچ گیا جو شہنشاہوں ڈای کلیشین اور ماکسی میالس نے ۲۸۷ء میں جاری کیئے تھے۔ یعنی اس وقت جب روم سرکاری طور پر مسیحیت اختیار کر چکا تھا۔ قانون۔ اپنے حرف آغاز سے پکارا گیا 'دی لیکس فوے ڈسی مام'۔ اسے یوں پڑھیئے ''قوانین سب سے بڑی بدی پر سزا دیتے ہیں جو عورتیں کرتی ہیں خصوصاً وہ عورتیں جو اپنی عزت کو دوسروں کی ہوس کے آگے لٹا دیتی ہیں اگر چہ وہ بھی بے الزام کے نہ رہیں گی جن کی تشدد سے عزت لوٹی گئی ہو کیونکہ قانون میں اس کی صراحت کی جا چکی ہے کہ ان کی شہرت بے داغ ہونا چاہیئے اور یہ بھی کہ ان سے دوسروں کی شادی کی منادی نہ کردی گئی ہو۔'' رومی قانون کے تحت بے راہ عورتیں (مثلاً جسم فروش عورتیں) رومیوں کے بالا طبقے سے شادی نہیں کرسکتیں۔ اس ممانعت کو تقدس دینے کی غرض سے جب جماع بالجبر کی شکار عورتوں کو مستثنٰی رکھا گیا تھا۔ نئے قانون کا آغاز یوں ہوتا ہے جس میں زنانہ جنسی بے راہ روی کی عمومی انداز میں ملامت کی گئی تھی۔ لیکن یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ کسی نئے جرم کی تخلیق کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

سائینو کا توضیحی حاشیہ تاہم بلا کسی ابہام کے ایک مکھم اور عام قانونی زبان میں سیفو ویت کی مذمت کرتا ہے۔ اس قانون کو دو طریقوں سے سمجھا جاسکتا ہے اولاً جب کسی عورت کی عزت کسی مرد کے آگے اس کے بچھ جانے سے تار تار ہو جائے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی عورت کسی اور عورت کے سامنے بچھ جائے اور وہ عصمت گنوا بیٹھے۔ کیونکہ ایسی بہت سی عورتیں ہوتی ہیں جو بدکاری پر تلی ہوتی ہیں اور جو اپنی ہوس دوسری عورتوں پر

نکالتی ہیں اور مردوں کی طرح پیچھے لگی رہتی ہیں۔ چونکہ ساآینو کوئی سند نہیں پیش کرتا۔ ممکن ہے اس نے خود، 'لیکس فوڈسی مام' کی تفسیر کا حوالہ دینے کا ارادہ کیا ہو۔ یہ اگر صحیح ہے تو وہ شاہراہ قوانین کے اہم نقطہ آغاز پر کھڑا ہوا ملتا ہے بعد ازاں ۱۴۰۰ء میں بارتھولیمیوڈی سلی سیآٹولیکس فوئے ڈی مام کی ایک تشریح کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ (جو سیآنو ہی کی تحریر ہوسکتی ہے) جس میں چپٹی کھیلنے والیوں کے رشتوں پر لعنت کی گئی ہے۔ تاہم وہ ایک قدم اور آگے چلا جاتا ہے اور سزائے موت کی تجویز دیتا ہے۔ جس کی وہ اس طرح تاویل کرتا ہے کہ قانون ۳۴۲ کا حوالہ دیتا ہے جن میں اغلام بازی کی سزا موت درج تھی۔ سلی سیآٹو کے خطبات اٹھارہویں صدی تک معیاری حوالہ بنے رہے۔

چونکہ رومی روایات کے مطابق ممتاز صاحبان انصاف کے خیالات قانون کے پشت پناہ ہوئے، جہاں یہ بھی ممکن تھا کہ ان مستند کلیوں کو استعمال کر کے یہ استدلال کیا جاسکتا تھا کہ سیفو ویت کی بھی سزا، موت یورپ کے ان خطوں میں بھی مقرر کی جائے جہاں نہ تو اس موضوع پر قومی بنیاد پر قانون سازی ہوی ہے اور نہ ہی مقامی پیمانے پر۔ اٹلی میں رومی قانون کا جتنا اثر ونفوذ تھا، وہ پوری طرح جاری وساری تھا۔ اسپین میں پارٹی ڈاس بڑی حد تک اسی سے ماخوذ تھا۔ فرانسیسی بادشاہوں نے اسے ہی پروان چڑھانے پر زور دیا کیونکہ اس میں شاہی صوابدیدی اختیارات میں اضافہ ہوتا اور جرمنی تک میں ۱۵۰۰ء کے بعد تک اور کیلونیت پر عمل پیرا سکاٹ لینڈ میں ۱۶۰۰ء تک جب کہ یہاں قدرے تاخیر سے کامیابی ہوئی تھیی۔ اس لئے پورے یورپ کے وکلا کو جو رومی قوانین میں تربیت پاتے تھے وہ پاولاین ضوابط میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان کی ہمت افزائی کی جاتی تا کہ چپٹی کھیلنے والیوں کو سزائے موت دینے کے لئے شہری، علاقائی اور شاہی ضوابط میں گنجایش رکھیں اور یہ سب قرون وسطی کے آخر آخر دنوں اور نشاۃ ثانیہ میں ہوتا رہا۔ جس کے نتیجے میں فرانس، اسپین، جرمنی، اٹلی اور سوئیز رلینڈ کی عورتوں کو مصایب جھیلنے پڑے اور انہیں سولی دی جاتی، سر کاٹے جاتے اور انہیں اس لئے جلا کر مارا جاتا اور وہ دوسری عورتوں سے اپنی محبت کی قیمت ادا کرتیں۔

شعرا برائے دار و گیر:

پوری تاریخ میں روایتاً شعرا عشق کی مدح و ستایش کرتے رہے جب کہ اہل دین، ناصحین اور منصفین اس پر کمر بستہ رہے کہ اس پر پابندی عاید کردی جائے۔ ایک گروہ تو سنگ زنی کرتا رہا جب کہ دوسرا ہار پہناتا رہا۔ تارک الدنیا فلسفیوں کی نکتہ چینی کے باوجود، اصلاحات پر مایل شہنشاہ اور زود رنج آئمہ کے باوصف ہم یونانی شاعری کی بیاض کے شاعروں کو جو آگسٹن عہد کے باغی بھی تھے اور ہزارہا مسلم شعر گو جنھوں نے مردوں اور لڑکوں سے عشق و مسرت انبساط کی محفلیں برپا کیں۔ لیکن بارھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے اگرچہ کوچوں میں گشتی نغمہ سرا شعرا جو اشرافیہ طبقے کی خواتین کے فراق کے گیت گاتے رہے کہ وہ آگسٹائین کو فراموش کردیں۔ شعرا اور پادری بھی ایک ہی جنس کے مابین عشق سے الف ہوگئے یہ سب کچھ عصری تعصّبات کا حامل تھا اور تعزیزی روایات کا بھی۔ شاعری اور مضامین اور تنقیدات بھی اس رواداری سے عاری ہوگئیں جو کلاسیکی عہد اور مسلم مصنفین کا طرہ امتیاز تھا اور انہوں نے مردوں اور عورتوں کو جلائے جانے کو جز و حیات سمجھ لیا جو اپنی ہی جنس کو پر کشش پاتے تھے۔ بسا اوقات ادب میں ہم عصر سیاست کی گونج سنائی دیتی ہے۔ مشہور نظم رومن ڈی فاوٗول جو چودھویں صدی کی تمثیلی نظم ہے ''مقدس کلیسا'' نایٹ ٹمپلرز کی مذمت کرتا ہے کہ یہ بدعتی اور قدرت کے خلاف گناہ کرنے والے ہیں۔

یہی بڑھتی کراہت نام نہاد رومانس میں جو ۱۱۵۰-۱۱۷۰ء جتنی قدامت رکھتا ہے میں بھی نظر آتی ہے حالانکہ یہ فرانسیسی رزمیے۔ رومانس آف تھیبز اور رومانس آف اینایز۔ جن کا ماحول کلاسیکی عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ ان میں قدیم یونانی آداب و اخلاق کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ بلاشبہ وہ منظر کشی اگر کرتے ہیں تو ''گنڈی'' کی جو ایک سماجی نمونہ ہے۔ ایسا شخص جس سے عورتیں نفرت کرتی ہیں یا خوفزدہ ہیں کیونکہ وہ ایک فانی دشمن ہے۔ ہم جنس پرستی اب دو جنسیا سلسلے میں کا کوئی حصہ نہیں سمجھی جاتی مگر اس سے عورتیں لازماً خارج ہوچکی تھیں گنڈی کی ترجیحات کو ایک مہلک توہین سمجھا جانے لگا نہ صرف ان عورتوں کے لئے جن کی دلکشی کی اس نے تحقیر کی تھی بلکہ پر جنسیہ مردوں کے لئے بھی جن کا مذاق اس کی

فہم سے بالاتر تھا اور نہ ہی وہ شریک ہوسکتا تھا۔

آینائیز کے رومانس میں ورجل کے رزمیہ کو بیان کیا گیا ہے اور ہیرو کو غلطی سے اغلامی سمجھ لیا گیا۔ جب آینائیز اٹلی میں ٹرائے سے وارد ہوتا ہے تا کہ بادشاہ ٹرنس پر حملہ کرے تو بادشاہ کی جس عورت لاوینیا سے شادی طے ہوچکی تھی وہ حملہ آور کو دل دے بیٹھی جس پر اس کی ماں دہشت زدہ ہوگئی اور وہ بیٹی کو تنبیہ کرتی ہے کہ اہل ٹرائے عورتوں سے برگشتہ ہیں۔ اس کی لتاڑ سے یہ افشا ہوتا ہے کہ کوئی بارہویں صدی کی آمادہ پیکار فرانسیسی عورت کس طرح سے ایک مغلم کو مقام عبرت بنا سکتی ہے۔''تم نے کیا کہا سنکی، دیوانی کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کسے خود کو دے بیٹھی ہو۔ وہ نصیبوں جلا ایسی فطرت رکھتا ہے کہ اسے عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ اس کے نزدیک تو لڑکوں سے بغل گیری تمہارے مقابلے میں کہیں زیادہ اہم ہے۔۔۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ وہ ڈیڈو سے کس بدسلوکی سے پیش آیا۔ آج تک اس نے کسی عورت سے بھی اچھا سلوک نہیں کیا۔ میرے خیال میں کسی غدار اور مغلم سے تم بھی کوئی توقع نہ رکھو۔'' یہاں پر ''مغلم'' ایک ایسا خصوصی فرد تسلیم کیا گیا ہے جس کی فطرت طے شدہ ہو اور پیش گوئی کی جاسکے۔ لاوینیا آینائیز، کی بدچلنی سے آگاہ تھی اس کے باوجود شکوہ کرتی ہے۔''کہ جلد ہی یہ دنیا ختم ہوجائے گی اگر سارے مرد چاہے جہاں ہوں اس جیسے ہوجائیں۔'' اور ملامت کرنے میں اپنی ماں کو ہم نوا ہوجاتی ہے۔''کیا ایسا شخص جس کی ایسی فطرت ہو اور عورتوں کی فکر نہ کرے اسے مردود نہ کہا جائے۔'' لیکن لاوینیا بعد ازاں اپنے شکوک پر غلبہ پالیتی ہے اور جیسا کہ ورجل کے ہاں ہوا وہ بالآخر ہیرو سے شادی کرلیتی ہے۔

اسی نوعیت کا ایک جھوٹا الزام 'لاے ڈی لانوال' میں ماریا ڈی فرانس لگاتی ہے۔ جو اپنے نام کے باوجود انگلستان میں ہنری۔ دوم کے دربار (۱۱۵۴۔ ۱۱۸۹ء) کے متعلق لکھتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ بادشاہ کی ناجائز، سوتیلی بہن ہو۔ اس کی اوباشی یا مختصر معاشقے آرتھری عہد کی مناسبت سے اور زمانے کی ہوا کے مطابق ہوں، ساونتی اطوار اور درباری عشق کی روایات کی حامل۔ لائے ڈی لانوال میں ہیرو ایک پری کے عشق میں مبتلا ہوجاتا ہے وہ اس سے فرمائش کرتی ہے کہ اپنے عشق کو پوشیدہ رکھے اور وہ اس کا عہد بھی کرتا

ہے۔لیکن جب وہ ملکہ گنویرا کو ٹھکراتا ہے تو وہ برہم ہوکر الزام دیتی ہے کہ وہ ''ایسے اچھے مزے'' کی کیوں فکر نہیں کرتا۔''لوگوں نے مجھے اکثر بتایا ہے کہ تمہیں عورتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔تمہارے پاس خوبرو لڑکے ہیں جن میں تمہیں خوب مزہ آتا ہے۔'' اس الزام سے لانوال کو اتنا صدمہ پہنچتا ہے کہ وہ عہد شکنی پر اتر آتا ہے۔ یہ اس کا شاخسانہ ہے کہ اس سے کمتر کوئی بھی واقعہ ایسا کرنے پر اسے مجبور نہ کرسکتا۔کوئی صدی بھر پہلے ماربوڈ اور باوڈری نے لاطینی میں کلاسیکل آگسٹان کے مردانہ دوجنسیا کے مفروضے پر نظمیں لکھی تھیں۔تاہم اب مفلمِ ایسا شخص ہے جسے عورتوں سے کوئی رغبت نہیں ہے ایسا مرد جس میں خاص طور سے اور قابل ملامت انفرادی نفسیات کی حامل اور کوئی خاص قسم کی چیز۔

یہ کوئی مقامی زبانیں ہی نہ تھیں جن میں مغلموں کی مذمت کی جاتی۔فلسفیانہ شاعری ہو یا پھر ملامتی۔ ایلین ڈی لل ایک خوب پڑھا جانے والا فقیہہ تھا اور فلسفی بھی جسے اپنے زمانے کا ورجل کہا جاتا۔ اس کی 'کمپلینٹ آف نیچر' جسے ۱۱۶۰ء کے لگ بھگ تصنع اور پرکاری سے لکھا گیا اس کا آنے والی صدیوں میں ادب پر بہت گہرا اثر پڑا۔قدرت سے بدکاری کے خلاف زہر اگلنے کے بعد اس کی افتتاحی سطور ہم جنس پرستوں کے خلاف تلخ نوای کے بعد ان لوگوں پر جو بالخصوص مرد ہوتے ہیں مگر اپنی کج روی سے عورتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

> میں اپنی ہنسی کو آنسوؤں میں تبدیل کرتا ہوں، خوشی کو رنج میں، حاضرین کی مدح کو اظہار غم میں، تفریح کو غم میں، جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ فطرت کے احکام موقوف کردیئے گئے ہیں جب سماج کو برباد کردیا گیا ہو اور اسے لمسی محبت کے نام پر مسمار کردیا گیا ہو۔ جب وینس خود ہی وینس سے لڑے اور مردوں کو عورت بنائے اور جب وہ جادوی ہنر سے مردوں کو نامرد بنائے ۔۔۔ کہ ہتھوڑا ہی اہرن کو بگاڑ ڈالے۔ جب کوکھ کی روح مادے پر کوئی مہر ثبت نہ کرے بلکہ اس کے بجائے جب ہل کا پھالا بیھڑ زمین کو جوتنے لگے۔۔۔تو پھر لاتعداد بوسے دوشیزاوں کے لبوں پر کیوں بے کار پڑے رہیں اور کوئی بھی ان سے متمتع ہونا نہ چاہے۔

ایک صدی بعد الاین کی عداوت اور اس کے استعاروں کی ایک اور مشہور قرون وسطی

کی نظم میں بازگشت سنائی دی جس کا نام 'رومانس آف دی روز' ہے۔ یہ غیر معمولی رمزیہ کہانی ''تیرہویں صدی میں اپنی تصنیف کے بعد سے فرانسیسی زبان میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔'' اور ''اتنی ہی انگلستان میں اہم رہی جتنی کہ فرانس میں۔'' اس کی پہلی چار ہزار سطریں گل لاوم ڈی لارس کی کاوش فکر کا نتیجہ ہیں جو ۱۲۳۵ء میں قلمبند کی گئیں: یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہوشربا ۱۷۰۰۰ سطریں ایک مختلف اور مزید طنزیہ انداز میں۔ کوئی چالیس برس بعد جین ڈی میون نے اضافہ کیا۔ اس ضخیم اختتامیہ میں۔ تمثیلی شخصیات (ریزن، جینس اور علی ہذا القیاس) عشق پر پیشکش کرتے ہیں۔ جینس جس کا تعارف یہ کرایا جاتا ہے کہ موصوف فطرت کے پادری اور اعتراف کرانے والے ہیں اور اغلام بازوں کے خلاف مناظرہ کراتے ہیں جس کا بڑی حد تک الاین کی پر جوش تقریر سے موازنہ ہوسکتا ہے۔ افزائش نسل کی مدح وثنا کر کے جینیس ان کی مذمت کرتا ہے ''جو لکھنے کے لئے اپنا لنگ نہیں استعمال کرتے۔۔۔ وہ بھی خوبصورت اور انمول چپٹے پیٹرو پر۔'' جسے قدرت نے ان کے لئے تخلیق کیا ہے۔ یہ افراد جن سے جینیس شاکی ہے اور فیس کی بری مثال پر چلتے ہیں۔'' جسے یہ نہیں آتا تھا کہ کیسے ہل چلائے، لکھے اور بھٹی میں کیسے دھانسے۔ جس کی پاداش میں اسے گردن سے سولی پر چڑھا دیا جائے۔ (جبن کے ذہن میں بلاشبہ آورفیس کی داستان ہوگی جیسی کہ اووڈ نے میٹا مورفوسس میں پیش کیا تھا)۔ جینیس اس کا آرزومند ہے کہ ایسے مردوں کو ''برادری بدری کے علاوہ بھگتنے کے لئے وہاں بھیج دیا جائے جہاں وہ مرنے سے پہلے خوب مصایب جھیلیں۔ اس میں کیسہ خایہ کا گنوانا اور فوطوں کا بھی جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مرد ہیں۔ ممکن ہو تو میانی کا وہ حصہ ہی کھرچ دیا جائے جس سے لنگ آویزاں رہتا ہے۔ کاش انہیں ایسے ہتھوڑے ملیں جو معمولی سے اٹکے ہوں۔۔۔ کاش ان کی ہڈیاں اس طرح کچل دی جائیں جو پھر نہ جڑ سکیں۔ کاش ان کے غلیظ اور بھیانک گناہ ان کے واسطے اندوہناک اور تکلیف دہ ہوں اور کاش ان پر ہر جگہ اتنی لاٹھیاں برسائی جائیں۔'' ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ جینیس جن ضربوں کی وکالت کرتا ہے یہ سب وہی ہیں جو لا یورے ڈی جٹس ایٹڈی پلیٹ میں موجود تھیں۔ جن میں اغلام بازوں کی مذمت کرتے ہوئے یہ آرزو کی گئی تھی کہ وہ اپنے آلت اور فوطوں سے محروم ہو جائیں۔ یہ مخصوص ضابطہ جسے جین

کے آبائی صوبہ اور لینز سے لیا گیا تھا وہ کوئی دس برس پہلے تخلیق کیا گیا تھا اور وہ بھی رومانس کے باقی ماندہ حصے کے۔ جس کی تاریخ ۱۲۷۵ء ہوتی ہے۔

جینؔ کی نگاہ میں اغلام بازوں کی مثل اول شکل اووڈؔ کی اور فیس تھی۔ یہ قرون وسطی کے تمدن کا ایک مخمصہ ہے کہ بارہویں اور تیرہویں صدی کے پسندیدہ مصنفین میں عیاش اووڈؔ تھا۔ اس کی تحریریں کثرت سے پڑھی گئیں اور اس کے نقش قدم پر لوگ چلتے رہے جن میں مذہب سے بیگانہ گولیارڈ اور کیتھڈرل مدرسوں والے دونوں (جیمز۔ اول نے تو یہاں تک کیا کہ اسقفوں اور شرفا کے ایک جلسے میں 'آرٹ آف لو' سے یہ سمجھتے ہوئے حوالہ دیا جیسے وہ کوئی صحایف میں سے عبارت پڑھ رہا ہو) اووڈؔ کو بہ زبان لاطینی اور تراجم کے ذریعے پڑھا گیا جن میں سے 'دی اووڈ مورالیز' نہایت الحاقی فرانسیسی نسخہ جو میٹا مورفوسس پر مبنی ہے اور بڑی حد تک عہد وسطی کے جذبات سے مملو ہے۔ گمنام مصنف اور فیسؔ کی کہانی دوبارہ کہتا ہے اور اسے کج روطرز زندگی کا موجد قرار دیتا ہے۔ لیکن ایسا کبھی (یوری ڈائیسؔ کی موت) کے بعد نہ ہوا کہ اس نے نسوانی عشق کی تمنا کی ہو۔ وہ اپنے نظریاتی احمقوں کے ورغلانے میں آ گیا جو پہلے فانی گناہ گار تھے جنہوں نے فطرت اور قانون کے خلاف ارتکاب کیا۔ اور اپنے جرایم میں کثرت ظاہر کرنے کے لئے۔ اس نے برے معاشقوں کا ذکر کیا۔۔ یوں وہ اپنی معلّمی میں ایسی شہادتیں لاتا ہے جو مردانہ عشق کی حامل ہیں جنہیں وہ عورتوں سے ہونے والے عشق سے بہتر کہتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر ''مردانہ عشق'' ہم جنس پرستی کو عورتوں سے عشق کا کوئی ذیلی حصہ نہیں کہا جاتا بلکہ اس کے متناقض۔ اغلام بازی سے متعلق اور فیسؔ قرون وسطی کا محض ایک رجحان تھا۔ یہ نشاۃ ثانیہ میں بھی ظاہر ہوا۔ جیسا کہ البریشت ڈوزرؔ نے ۱۴۸۴ء کی قلمی تصویر میں رنگ رلیاں مناتے ہوئے جب خوشامدی شاعر پر حملہ کیا۔ اس کے سر پر بندھی ہوئی ایک پٹی پر یہ عبارت درج تھی۔ ''اورفسؔ جو پہلا ہم جنس پرست'' تھا۔

ڈانٹے کے قابل ستایش گناہ گار:

جب گل لاومے ڈی لارسؔ نے 'رومانس آف دی روز' لکھنا شروع کی تو مقامی

زبان میں اطالوی ادب تقریباً ناپید تھا اور اگلی صدی کے آغاز تک ڈانٹے نے اس کا مرتبہ اس قدر بلند کیا کہ ڈیوائن کامیڈی میں نابغہ روزگار شمار ہونے لگا۔ ڈانٹے نے اپنی عظیم نظم میں جب ہم جنس پرستی کو اس طرح برتا جس سے مدیران کو بہت گرانی ہوئی۔ انفرنو کے بند ۱۵ اور ۱۶ میں جہنم کے نو درجات میں سے ساتویں منزل میں لونڈے بازوں کو رکھا جاتا ہے۔ ''تشدد کی جو منزل ہے جو تاریخ کے دگر جنسیہ عشاق تھے۔ جنہیں سزا دینے کے لئے پہلی منزل پر رکھا گیا تھا جو سب سے بالائی منزل ہے۔ ڈانٹے اپنی اخلاقی دینیات کے لحاظ سے راسخ العقیدہ ہے اور اپنی انفرنو میں اکیناس سے اس بات پر متفق ہو جاتا ہے اور ''فطرت کے خلاف تشدد'' کو ہمسائے کے خلاف تشدد سے بھی بدتر کہتا ہے۔ نتیجے میں وہ لونڈے بازوں کو قاتلوں کی منزل سے نچلی منزل پر ٹھہراتا ہے۔

مگر ڈانٹے کے سب ہی شارحین ان گناہگاروں کو نہ پہچان سکے جو اس الاؤ میں بھاگ رہے تھے جس میں لونڈے باز بھی دوڑ رہے تھے۔ چند ایک تو قابل ذکر فاصلے تک چلے گئے تاکہ اس نظریے کو للکاریں۔ دو عجیب و غریب حقایق نے تنازع کو جنم دے دیا: اول۔ ڈانٹے نے جن آٹھ افراد کے نام لئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جن کا ذکر کسی اور مقام پر بھی بطور ہم جنس پرست کے آیا ہو۔ دوم، ہم ان میں سے کسی سے یہ نہیں سنتے (ایک ممکنہ استثنٰی کے علاوہ) کہ وہ کسی ہوسناک معاملے میں ملوث ہوئے ہوں۔ اور یقیناً کسی ایسی چیز میں جسے ہم قرون وسطی طرز کی اغلام بازی کہتے ہیں۔ اس کے باوجود اہل علم اس پر متفق ہیں یہ اشخاص قرون وسطی کی عمومی اصطلاحات کے مطابق اغلام باز تھے۔ دو دیگر حقایق اس خیال کی حمایت کرتے ہیں۔ ورجل بند۔ ۱۱ میں جب جہنم کی زمینی حالت کو بیان کرتا ہے تو ان لوگوں پر یہ ٹھپہ لگا دیتا ہے کہ ''یہ اغلام باز اور Cahore ہیں'' اس کے علاوہ ورجل ان پر الزام عاید کرتا ہے کہ وہ فطرت کے تحایف کی تحقیر کرتے ہیں۔ ''اس کے حسن اور فیاضی کی۔'' ممکنہ طور پر اس میں الاین ڈی للی اور جیون ڈی میون کی بازگشت ہے۔

بند ۱۵ اور ۱۶ کے متعلق کون سی چیز غیر روایتی ہے تاہم وہ یہ ہے کہ وہ جن گناہ گاروں سے وہاں ملتا ہے ڈانٹے ان سے بڑی محبت اور احترام سے پیش آتا ہے۔ ابتدا میں وہ دو

(آلڈو براںڈی اور رسٹوکوسی) جو ''ایسے افراد ہیں جن کے کام ایسے ہو سکتے ہیں جنہیں بادشاہوں کے تاج میں سجایا جا سکتا ہے۔'' اور لگتا ہے جیسے وہ مصر ہو کہ ان کا طرز بود و باش یہ ظاہر کرتا ہے جیسے ان کے کردار میں عمومی بے راہ روی نہ ہو۔ برونٹو لاٹینی ایک نامور شاعر جسے فلورنس میں اس لئے مانا جاتا کیونکہ وہ سیاسی رہنما بھی تھا۔ وہ بڑی گرم جوشی سے بطور معزز استاد اور قدیم دوست کے اس کا خیر مقدم کرتا ہے۔ ڈانٹے کا سلوک اس شخص سے نہایت قابل تعریف ہے کیونکہ انفرنو کے تقریباً تمام کرداروں کے مقابلے میں بہتر ہے۔ وہ شاعر کو ''مردوں میں تابناک'' شخص کہتا ہے اور ممنونیت سے گفتگو کرتا ہے کہ ''وہ شیریں شکل جو مہذب اور پدرانہ شفقت والی ہے۔ تم دنیا میں میرے لئے ایسے تھے جب گھڑی گھڑی تم نے مجھے سکھایا کہ آدمی خود کو کس طرح امر بناتا ہے۔'' برونٹو جواب میں کہتا ہے وہ گناہ گاروں کو شناخت کرتا جاتا ہے جب وہ ان کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ ''وہ تمام لوگ جو ادب کے عالم تھے اور نامور ماہرین علم تھے۔'' وہ دو کے نام لیتا ہے پرسین ایک لاطینی زبان کا ماہر صرف ونحو جو چھٹی صدی کا تھا اور فرانسکو ڈا اکورسو جو بولو گنا اور اکسفورڈ میں قانون کا ممتاز پروفیسر رہ چکا تھا اپنی طرح اور اس سے پہلے کہ ڈانٹے اپنے شاہکار کا آغاز کرتا وہ مر گیا۔

ڈانٹے کے زمانے میں ہم جنس پرستوں اور دانشوروں اور اساتذہ کے درمیان خلا ملا عام بات تھی۔ راجر بیکن نے ۱۲۷۱ء میں یہ لکھا کہ ''پیرس میں کئی علماء دینیات اور ایسے افراد جو فقہہ پر خطبات دیتے انہیں شہر سے اس لئے نکال دیا گیا اور اس لئے فرانس سے ملک بدر کر دیا گیا کیونکہ وہ اغلام بازی کے گناہ میں ملوث تھے۔ سخت گیر معلمین کو اکثر اغلام باز سمجھا جاتا۔ شاید پرسیئس کا نام اس لئے لیا جاتا ہے کہ وہ استاد کا نوعی نام ہے۔ کیونکہ ہمیں ایسی کوئی بات نہیں معلوم جو اس تاریخی شخصیت کو کہیں ملوث کرے۔ برونٹو ایک اور فرد کو شناخت کراتا ہے اگر چہ اسے نام سے نہیں پہچواتا۔ آنڈریا ڈی موزی جو فلورنس کا اسقف تھا یہ واحد مفلِم تھا جس سے تحقیری سلوک کیا گیا۔ (برونٹو بڑی حیرانی سے اسقف کا حوالہ دیتا ہے اور ایسا پیرایہ استعمال کرتا ہے جس کی بکاسیو نے یہ تفسیر کی اور یہ معنی لئے جیسے اس کا استاد ہ ذَکرَ ہو۔ یہ اگر چہ غیر یقینی اور کوئی موثر قیاس نہیں ہے بلکہ ان بندوں میں واحد ہے

جو جنس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔)

بند ۱۶ میں ڈانٹے کی ملاقات اغلام بازوں کے ایک اور جتھے سے ہوتی ہے۔ گیڈوگراؔ، تگھیا ہو الڈوبرانڈیؔ اور جاؔکوپو رسٹی کُکسیؔ یہ فلورنس کے تینوں شرفا کی بڑی عزت ہوتی بطور فوجیوں اور مدبرین کے۔ ورجلؔ انہیں کہتا ہے ''ایسی ارواح جن کی عزت کرنا واجب ہے۔'' اور ڈاؔنٹے تو قریب قریب اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس میدان میں کود کر انہیں گلے سے لگا لیتا ہے۔ وہ احتجاج کرتا ہے کہ اسے کوئی ''توہین'' نہیں محسوس ہو رہی بلکہ ان کے لئے دردمندی محسوس کر رہا ہے اور ہمیشہ ''انہیں چاہت سے سنا ہے اور عزت سے یاد کیا ہے۔ تمہارے نام اور عمدہ کارنامے جو تمہارے اچھے دنوں کی یاد دلاتے ہیں۔'' قرون وسطی کے کوئی بھی لگے بندھے اطوار ہمیں اس منظر کے لئے تیار پاتے ہیں۔ یہ تصویر جو مردوں کے عشاق کی ہے اور اعزاز یافتہ مدبرین افلاطون کے سمپوزیم کے مشابہ ہے (جس سے ڈاؔنٹے شاید واقف ہی نہ تھا) یا پلوٹارکؔ سے۔ یوں ہم ایک مخمصے کا سامنا کرتے ہیں۔ ڈاؔنٹے تو بلاچون و چرا روایتی دینیاتی مذمت کو تسلیم کرتا ہے جو ہم جنس پرستی کے خلاف ہے، مگر اغلام بازوں سے دوزخ کے دیگر باسیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ احترام سے پیش آتا ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ڈاؔنٹے کے برعکس اٹلی کے دیگر اور قرون وسطی کے ابتدائی زمانے کے لوگ بڑے تسلسل سے عدم رواداری پر قائم رہے۔ ہم چاہیں تو پیٹر وڈومیاںؔ کے اس تبصرے کو جو حذف کرنے کے لئے دیا گیا اور کوئی دو صدی پہلے دیا گیا تھا۔ نہ ہی سینا کا برنارڈینوؔ جو فلورنس میں ڈاؔنٹے کے سو سال بعد تبلیغ کرتا تھا وہ بھی اغلام بازوں کا احترام کرتا تھا۔ مگر اپنے خطبات میں یکے بعد دیگرے وہ ان پر نفرت انگیز حملے کرتا۔ لیکن سانٹا کروس میں صوم الکبر کے تبلیغی خطبہ میں جو ۱۴۲۴ء میں فلورنس کے ویسٹ منسٹر خانہ راہباں میں منعقد ہوا تھا وہاں اس نے اپنے سامعین کی ملامت کی ''جب بھی تمہاری موجودگی میں اغلام بازی کا ذکر ہو تو تم پر لازم ہے کہ ہر فرد زمین پر تھوکے اور منہ کو اچھی طرح صاف کرے۔ اگر وہ اپنے اطوار کسی اور طریقے سے بدلنے پر تیار نہ ہوں تو شاید وہ اس طرح بدل جائیں جب انہیں خود احمق ہونے کا احساس ہو جائے۔ اس طرح ہر

ایک کھکھار کر تھوکے گا۔'' ہمیں بتایا جاتا ہے کہ پورے مجمع نے گرجا کے رہ گزر پر یوں تھوکا تھا جیسے ''بجلی کڑکتی ہے۔''

اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کہ ڈانٹے کے ابتدائی مفسرین اس پر دنگ رہ جاتے جب وہ یہ دیکھتے کہ اغلام بازوں سے کس ہمدردانہ انداز میں سلوک کیا گیا ہے اور وہ بھی اس عظیم شاعر کی طرف سے۔ کیونکہ جیسا کہ ایک جدید اطالوی اسکالر کا بیان ہے کہ ''اغلام بازی ایک ایسا سنگین گناہ تھا کہ ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آتا کہ وہ ان سے عزت سے پیش آتے جو ایسی رسوائی میں جھلسے ہوئے تھے۔ چودہویں صدی کا ایک گمنام مفسر اس حد تک چلا گیا کہ اس نے ڈانٹے پر ساز باز کرنے کا الزام عاید کردیا۔'' یہاں پر ہمارا مصنف اس عشق اور دلداری کو ظاہر کرتا ہے جو وہ ''ان مردوں'' ان کے لئے رکھتا ہے جو اس بدی میں پڑے ہیں کیونکہ ۔۔۔ جب بھی اس نے گناہگاروں کو اس بدی کی سزا پاتے دیکھی جسے وہ خود بھی بھگت چکا تھا تو وہ بہت رنجیدہ ہوا اور ہمدردی محسوس کی، یہ سوچ کر کہ اس جرم کی پاداش میں اس کو بھی ایسی ہی سزا ملے گی۔''

ایک اور مصنف وہ بھی گمنام ہے اس نے وضاحت کی خاطر ایک انوکھا نظریہ پیش کیا جس میں ڈانٹے کا غیر ذمہ دارانہ فیصلہ جسے اس نے امتیازی بنا دیا۔'' دو قسم کے لوگ اس گناہ کے مجرم ہوتے ہیں، ایک قسم تو کلرکس (علماء جن کا مقدس مقام ہے) جو سائنسی معاملات میں مہارت رکھتے ہیں اور خود کو شائستہ فرد ظاہر کرتے ہیں۔ ان میں یہ خو شرم کے مارے پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ کوئی بیوی نہیں تلاش کر سکتے اور نہ ہی کوئی غیر عورت ملتی ہے جس سے گزارہ ہو جائے۔ دوسری قسم کے لوگ بد ہیں بے لگام ہیں اور ہوس کے مارے ہیں اور وہ کسی چیز کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور وہ موجودہ بند (۱۵) میں نیک فطرت لوگ سخت آزار میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہ اپنے وقت کے لحاظ سے ایک خلاف معمول بات تھی۔ اگر چہ یہ نظریہ بند۔۱۶ میں دی ہوئی جنگجوؤں کی کہانی میں مشکل سے بیٹھتا ہے جو تجرد کے پابند نہ تھے۔

لیکن کئی لوگوں نے محسوس کیا کہ شاعر نے بغیر کافی ثبوت کے اپنے اہل فلورنس کو ظالمانہ انداز میں بدنام کیا۔ یہ ایک ایسا خیال ہے جو چودہویں صدی کے ایک اہم مفسر کے

دل میں ترازو کر گیا تھا جس کا نام بن وینوٹو ڈا امولا تھا۔ لیکن بن وینوٹو نے اپنے ''خیالات '' سے رجوع کر لیا اور ان ہی کا حامی بن گیا۔ اگر چہ بہ مشکل ان میں ڈانٹے کا سا جذبہ ہو۔ اس کی وضاحت میں ایک فسوں گدگداتا ہے اگر چہ ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔ قرون وسطی کی ادبی زندگی کا چھوٹا سا انشایہ۔

یقیناً جب میں نے پہلی مرتبہ ڈانٹے کے کلام کو سنا تو مجھے بہت غصہ آیا (جس میں اس نے مشہور علماء کو لونڈے باز کہا تھا) لیکن بعد ازاں مجھے یہ بات تجربے سے معلوم ہوئی کہ ہمارے اس نابغہ روزگار شاعر نے لاجواب کام کیا ہے۔ کیونکہ ۱۳۷۵ء میں جب میں بولوگنا میں مقیم تھا اور وہاں اس کتاب پر لیکچر دیتا تھا تو میں نے دیکھا کہ چند موذی گزندگان جو اغلام بازی کی بھوبھل میں پنپ رہے تھے جو پوری یونیورسٹی کو متاثر کر رہے ہیں اور۔۔۔ اور میں نے یہ معاملہ طشت از بام کر دیا جب کہ اس میں میری ذات کے لئے شدید خطرات پنہاں تھے اور بورجز کے کارڈنیل کے واسطے بھی جو بولوگنا میں (پوپ) کا قانونی نمایندہ بھی ہے۔ مذکورہ شخص نے اپنے عمدہ اعمال اور علم وفضل کے سبب ایسے قابل نفرت جرایم سے اجتناب کیا۔ اور بڑے قانون شکنوں کے خلاف ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کی۔ ان میں سے چند ایک تو دھر لئے گئے مگر باقی ماندہ مارے دہشت کے فرار ہو گئے۔ اور چند غدار پادریوں کے رکاوٹیں ڈالنے کے باعث جنہیں کمیشن چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی جن میں سے ایک مذکورہ بیماری میں بھی مبتلا تھا۔ ان میں سے زیادہ تر کو آگ کے شعلوں ہی کے حوالے کر دیا جانا چاہیئے تھا۔

اگر چہ بن ونوٹو لگتا ہے شاعر کا مداح ہے لیکن اس کی قدیم دشمنی ڈانٹے کے ہمدردانہ رویے کے سخت خلاف ہے۔

ہم ''پرگاٹوریو'' میں ایک اور خم پاتے ہیں جو ڈانٹے کی نظم کے دوسرے حصے میں ہے جہنم ''انفرنو'' میں مشہور عشاق کو بدترین گناہگاروں کے دائرے میں سزا دی گئی تھی جس سے جن پر معمولی الزام تھا ان پر بے جا الزام لگائے گئے اور اغلام بازوں کو سب سے نچلے طبقے میں ڈالا گیا۔ ''پرگاٹوریو'' میں ڈانٹے ایک قدرے مختلف درجہ بندی کو اختیار کرتا ہے جن کا

دارومدار سات مہلک گناہوں پر ہوتا ہے۔ نتائج عموماً ٹامستی نظام سے خوشگوار حد تک ہم آہنگ ہوتے ہیں جو ''انفرنو'' میں ہیں۔ وہ تمام گناہ جو گوشت سے متعلق ہیں انہیں کوہ پرگیٹری کے بلندترین سطح مرتفع پر سزایں دی جاتی ہیں۔ مگر وہ گناہگار جو قہر آلود تشدد کے مجرم ہوتے وہ پست ترین علاقے میں چکر لگاتے رہتے۔ لیکن ڈانٹے کا تو دو ممتاز قسم کے گناہگاروں سے آمنا سامنا ہوتا ہے جو اوپر والی اٹاری پر ہوتے ہیں اور انہیں بہ آسانی شناخت کر لینا ممکن نہیں۔ پہلے گروپ میں سے ایک گناہ گار یہ اعلان کرتا ہے کہ ہمارا گناہ تو دوغلا (جس فرد میں دونوں جنس ہوں) ہوتا تھا۔ جس سے لاتعداد سوءِ فہم نے جنم لیا چونکہ دوغلے اور ہم جنس پرستوں کو قرون وسطیٰ میں الجھا دیا جاتا تھا۔ (چند جدید نامور اہل علم بھی گمراہ ہو چکے ہیں، جن میں سے ایک جون بوسویل ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصطلاح ''ارمافروڈایٹو'' پر جنسیہ کے ہم معنی ہے یعنی وہ ذات جس میں دونوں جنسیں موجود ہوں۔ دوسرا گروہ کم مبہم ہے، وہ چلاتے ہیں ''سدوم اور عمورہ'' اور ہمیں بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے وہ گناہ کیا ہے جس سے قیصر کو ''ملکہ'' کا لقب ملا تھا۔ لیکن قابل ذکر یہ ہے کہ ان گناہگاروں کو نچلا مرتبہ نہیں دیا جاتا جیسا کہ ''انفرنو'' میں دیا گیا ہے۔ اس کے بجائے وہ دیگر مردوں اور عورتوں کی طرح ایک ہی منزل پر گھومتے پھرتے ہیں اور جن کی شہوت کا تدراک کیا جا رہا ہے۔

ڈانٹے کسی بھی اغلام باز کو نام لے کر نہیں پہچنواتا۔ دو گروہ ہم جنس پرست اور پر جنسیہ والے پہاڑ کے چاروں طرف ہر سمت سے گھومتے رہتے ہیں لیکن جب وہ ملتے ہیں تو چومتے ہیں۔ ڈانٹے بیان کرتا ہے کہ وہ اس طرح خیر مقدم کرتے ہیں جیسے قدیم چیونٹیوں کے قبیلے کی عجب سی شبیہ جس میں وہ تھوتھنی رگڑتی ہوں نظر آتی ہیں جب وہ ایک دوسرے سے ملیں۔ یہ سلامی جو احترام اور مصالحت کی علامت ہوتی ہے اس کی محرک ہے کہ ڈانٹے اس زوردار رسوا کن مہم کو مسترد کر رہا ہے جو اس زمانے میں کلیسا اور ریاست چلا رہے تھے۔

شاید ڈانٹے کے زمانے میں قرون وسطیٰ میں ہم جنس پرستی سے خوف کو مسترد کرنے میں عصری واقعات کا ہاتھ تھا۔ عموماً یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ ڈانٹے نے ''انفرنو'' کی ابتدائی سطور ۱۳۰۷ء کے لگ بھگ لکھیں۔ وہی سال جب فلپ، منصف نے ٹمپلرز کی دارو گیر

شروع کی تھی۔ اٹلی میں فلپ کی الزام تراشیوں نے شکوک پیدا کردیے اور برہمی بھی۔ ڈانٹے کا ہم عصر گیوونی ولانی اپنی مشہور کتاب فلورنس کی تاریخ میں فلپ پر الزام لگاتا ہے کہ اس نے خود ساختہ اور جھوٹے الزامات لگائے جو مسلمہ کلیسائی عقاید کے خلاف اور اغلام بازی کے تھے جس میں اس کا ''اپنا مفاد تھا'' وہ امرا جو اس ٹکٹکی پر جلا ڈالے گئے یہ سمجھا جاتا ہے جیسے یہ بادشاہ کی سونے کی ہوس کے شہید ہوں۔ بند ۲۰ میں جو ''برزخ'' —— یہ ہوس اور لالچ کا چبوترہ تھا۔ ڈانٹے یہاں پر ہیوکاپٹ کو متعارف کراتا ہے جو فرانس کے بادشاہوں کا پرکھا تھا جو اپنے ورثا کی بدی کی مذمت کرتا ہے۔ ڈانٹے بالخصوص فلپ کو ایک نئے پائی لیٹ کہتا ہے جس نے بونی فیس ہشتم سے بے زحمی والا سلوک کیا تھا۔ اور اس بے توقیری سے نہ مطمئن ہوکر اس نے ''اپنا لالچی سفر'' معبدوں میں پہنچادیا۔ یعنی اس نے تمام ٹمپلرز کو لوٹ لیا۔ غالباً ڈانٹے دیگر اطالویوں کی مانند فلپ کے لگائے جانے والے الزامات کا تنظیم کو ذمہ دار نہیں سمجھتا۔ علاوہ ازیں یہ لگتا ہے جیسے وہ عمومی عداوت سے بے بہرہ ہی رہا جن کا فلپ نے اپنے مقاصد کے لئے استحصال کیا تھا۔